رجسٹرڈ نمبر اے ۱۸۷

معارف

مجلس دار المصنفین کا ماہوار علمی رسالہ

مرتبہ

سید سلیمان ندوی

جنوری سنہ ۱۹۲۶ء

قیمت: صہ سالانہ

مطبع معارف میں چھپکر

دفتر دار المصنفین اعظم گڈھ سے شائع ہوا

دار المصنفین اعظم گڈھ

کی

خاص کتابیں (نائیٹل صفحوں پر)

علامہ شبلی نعمانی

سیرۃ النبی صلعم، حصہ اول طبع دوم تقطیع ۲۰×۲۶، حالات نبوی از ولادت تا فتح مکہ و غزوات، قیمت باختلاف کاغذ . . . . للعہ اور للعہ

ایضاً حصہ دوم، کارنامہ نبوی، تکمیل شریعت، تاریخ احکام، وفات، اخلاق و شمائل وغیرہ طبع اول، قیمت قسم اعلیٰ تقطیع کلاں . . . . . عہ

ایضاً حصہ دوم طبع دوم قیمت باختلاف کاغذ تقطیع خورد للعہ، ے

ایضاً حصہ سوم، تقطیع کلاں قسم اول للعہ، قسم سوم، ے

الفاروق، حضرت فاروق اعظمؓ کی سوانح اور طرز حکومت، ے

المامون، خلیفہ مامون الرشید کے عہد سلطنت کے حالات مطبوعہ معارف پریس . . . . عہ

الغزالی، امام غزالی کی سوانح عمری اور ان کا فلسفہ، عہ

سیرۃ النعمان، امام ابو حنیفہ کی سوانح عمری اور ان کے اجتہادات اور مسائل، عہ

سوانح مولانا روم، مولانا جلال الدین رومی کی مفصل سوانح عمری، مثنوی پر تبصرہ اور تصنیفات پر تقریظ . . . . . عہ

رسائل شبلی، مولانا کے قلم سے مختلف علمی مضامین کا مجموعہ، عہ

مقالات شبلی، مولانا کے مختلف مضامین کا مجموعہ، عہ

موازنہ انیس و دبیر، خسرو کے حالات زندگی اور انکی شاعری پر ریویو، ۸ر

شعر العجم حصہ اول، شاعری کی حقیقت، فارسی شاعری کا آغاز و ابتدائی دور . . . . ے

ایضاً حصہ دوم، شعرائے متوسطین کا دور، عہ

ایضاً حصہ سوم، شعرائے متاخرین کا دور، عہ

ایضاً حصہ چہارم، فارسی شاعری پر ریویو، ے

ایضاً حصہ پنجم، فلسفیانہ صوفیانہ اور اخلاقی شاعری پر تبصرہ، عہ

الانتقاد علی التمدن الاسلامی، جرجی زیدان کے تمدن اسلامی پر عربی میں ریویو . . . . . . عہ

موازنہ انیس و دبیر، مرثیہ کی تاریخ، اردو میں اصول تنقید، اور فصاحت و بلاغت کی تشریح، اور میر انیس کی شاعری کا اس معیار سے موازنہ، عہ

سفرنامہ روم و مصر و شام، مطبوعہ معارف پریس، قیمت عہ

عالمگیر، شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر پر اعتراضات اصلاحی کے جوابات قیمت باختلاف کاغذ و طبع عہ، ۸ر

علم الکلام، مسلمانوں کے علم کلام کی تاریخ اور اسکی عہد بعہد کی ترقیات اور علمائے متکلمین کے نظریات اور مسائل، طبع چہارم مطبوعہ معارف پریس عہ

الکلام، مولانا کی مشہور تصنیف، جدید علم کلام جس میں عقلی دلائل سے مذہب کو فلسفہ کے مقابلہ میں ثابت کیا ہے، اور ملاحدہ اور منکرین کے دلائل کا رد کیا ہے، طبع سوم مطبوعہ معارف پریس قیمت . . . عہ

کلیات، مولانا کے تمام فارسی قصائد، غزلیات، مثنویات، قطعات کا مجموعہ جو اب تک متفرق طور سے دیوان شبلی، دستہ گل، بوئے گل، برگ گل کے ناموں سے چھپے تھے، اس میں سب یکجا کر دیئے گئے ہیں ۲۰ پونڈ کے ولایتی کاغذ پر نہایت عمدہ چھپا ہے، قیمت عہ

کلیات شبلی اردو، مولانا کی تمام اردو نظموں کا مجموعہ جس میں مثنوی صبح امید، قصائد جو مختلف جلسوں میں پڑھے گئے، اور وہ تمام اخلاقی، سیاسی، مذہبی اور تاریخی نظمیں جو کانپور، ترکی، طرابلس، بلقان، مسلم لیگ، مسلم یونیورسٹی وغیرہ کے متعلق لکھی گئی تھیں، یکجا ہیں، یہ نظمیں درحقیقت مسلمانوں کے چہل سالہ جد وجہد کی ایک مکمل تاریخ ہے لکھائی چھپائی کاغذ اعلیٰ، عہ

مولانا حمید الدین صاحب کی

عربی زبان میں مولانا نے قرآن پاک کی تفسیر کا جو سلسلہ شروع کیا ہے اس کے حسب ذیل نمبر چھپکر تیار ہیں، یہ تفسیر بالکل جدید طرز پر لکھی گئی ہے، جسکی خاص خصوصیت قرآن پاک کی باہم آیتوں کا ربط و نظام اور بعض عجیب حقائق مستورہ کا تسلی بخش انکشاف ہے،

- **تفسیر سورۃ والذاریات** ۴ر
- **تفسیر سورۃ اللہب** ۴ر
- **تفسیر سورۃ والتین** ۴ر
- **تفسیر سورۃ والکوثر** ۴ر
- **تفسیر سورۃ القیامہ** ۴ر
- **تفسیر سورۃ عبس** ۴ر
- **تفسیر سورۃ والمرسلات** ۴ر

الرای الصحیح فی من ہو الذبیح، عربی میں حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے ذبیح ہونے پر ایک مدلل اور پر زور رسالہ یہودیوں اور عیسائیوں کے اس باب میں ہر قسم کے اعتراضات کا قلع قمع کر دیا ہے، . . ۱۰ر

فرنگی محل کی آخری شمع بجھ گئی!

آہ! مولانا عبدالباری!!

وما کان قیس ھلکہ ھلک واحد

قیس کا مرنا صرف ایک آدمی کا مرنا نہیں ہے،

ولکنہ بنیان قوم تہدما

بلکہ پوری قوم کی بنیاد کا گرجانا ہے

دریغا! کہ آج قلم کو اوس مجسمۂ علم و اخلاص کا ماتم کرنا ہے جس کے وصف و مدح کا فرض اسکو بارہا ادا کرنا پڑا ہے، دار العلم و العمل فرنگی محل کی کہنہ عمارتوں میں فضل و کمال، اخلاق و ایمان، اور زہد و ورع کی جو آخری شمع جل رہی تھی وہ ۱۹-۲۰ کی درمیانی شب میں ہمیشہ کے لیے بجھ گئی،

فرنگی محل کے متاخرین میں حضرت استاذ استاذی مولانا عبد الحئی کے بعد مولانا عبد الباری کی ذات نمایاں ہوئی تھی، جو بزرگ اجداد کی بہت سی روایات کی حامل تھی، ارشاد و ہدایت، وعظ و نصیحت، درس و تدریس، تلاش و مطالعہ، تحریر و تالیف، ان کے روزانہ مشاغل تھے، ان دینی و علمی مناقب کے ساتھ دین و ملت کی راہ میں ان کا جانفروشانہ جذبہ اور مجاہدانہ اخلاص ہمرنگ شہدا تھا،

ذاتی اخلاق، جود و سخا، تواضع و انکسار، علم کی عزت، صداقت، حق گوئی، ان کے اوصاف نمایاں تھے، وہ بیکسوں کے ملجا، مسافروں کے ماوی، اور تنگدستوں کے دستگیر تھے، عبادت گذار شب زندہ دار اور حق کے طلبگار تھے، ہندوستان میں اونکی ذات ذی اقتدار علما کی حیثیت

سے اس وقت فروتھی، جدید تعلیم یافتوں کی سیاسی جدوجہد کو مذہبی تحریک بنا دینا یقیناً اونھیں کا کارنامہ شمار کیا جائے گا، اسلیے اونکی یہ غیر متوقع موت صرف فرنگی محل کا نہیں، بلکہ اسلام کا سانحہ ہے، اور بنابریں اونکی جوانا مرگی ہمیشہ کے لیے تاریخ اسلام کا ایک اندوہناک واقعہ شمار ہوگا،

شمع بجھ گئی، مگر اوس کے دھوئیں کی سیاہی سے جریدۂ عالم پر یہ ہمیشہ لکھا نظر آئے گا،

رفتم و از رفتن من عالمے تاریک شد

من مگر شمعم چو رفتم بزم برہم ساختم

مولانا مرحوم کا سن غالباً ۵۰ کے قریب ہوگا، مولانا عبد الحیٰ صاحب کے شاگرد خاص مولانا عین القضاۃ صاحب سے لکھنؤ میں تحصیل کی، پھر حجاز گئے، وہاں حدیث کی سند لی، ملک شام کا سفر کیا، علما سے فیض اٹھایا، مدینہ منورہ سے ہندوستان واپس آئے، اور خدام کعبہ میں پرجوش شرکت کی، پھر مجلس خلافت اور جمعیۃ العلما کی تاسیس میں حصہ لیا، ترک موالات کے علمبردار بنے،

دوسری طرف فرنگی محل میں مدرسۂ نظامیہ کے نام سے ایک باقاعدہ مدرسۂ عربیہ کی بنیاد ڈالی اور اسکو ایک باقاعدہ مدرسہ بنایا جس سے متعدد اصحاب فکر اور اہل قلم طلبہ پیدا ہوئے،

انھوں نے اپنے بعد اپنی تالیفات و تصنیفات کی فہرست یادگار چھوڑی ہے، وہ فقہ حنفی کے پرجوش حامی تھے، اور اونکی قلمی و علمی کوششیں زیادہ تر اسی کے متعلق صرف ہوتی رہیں، اون کی چھوٹی بڑی تصنیفات و رسائل کی فہرست ۰۰ اکے قریب ہوگی جنمیں سب سے زیادہ مفید کارآمد ان کی اردو تفسیر تھی جو افسوس کہ ناتمام رہی، امام محمد کی سیر کبیر کا کام بھی ان کے پیش نظر تھا، علم حدیث میں بھی ان کے ایک دو رسالے ہیں،

افسوس کہ یہ چشمۂ فیض اب ہمیشہ کے لیے خشک ہو گیا،

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۝

مجلد ہفدہم | ماہ جمادی الثانی ۱۳۴۴ھ مطابق ماہ جنوری ۱۹۲۶ء | عدد اوّل

مضامین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

شذرات

سال کے اختتامی ہفتہ میں کانپور اور علی گڈہ کے ہنگامے یادگار رہیں گے، کانگریس میں پانچ چھ برسوں سے جو انقلاب پیدا ہو گیا ہے وہ مخفی نہیں، کانگریس اب خوشنما لباسوں، گداگرانہ تجویزوں، اور فصاحت و بلاغت کی نمائشوں سے خالی ہو گئی ہے، اب وہ صرف کام کرنے والوں کی جماعت بنگئی ہے، اس کا تخاطب اب حکومت سے نہیں، ملک سے ہے، اس کو اب آزادی کا مطالبہ گورنمنٹ سے نہیں بلکہ خود قوم سے ہے، مسلمانوں کی [illegible] ہمتوں [illegible]،

[illegible]

ہم سال بھر تک ہندو مسلم بگاڑ کے افسانے بہت سنتے رہے، اور یہ واقعہ بھی ہے کہ ہندوؤں کی ایک تعداد مسلمانوں ہی سے لڑنا ہندوستان کی آزادی سمجھتی ہے اور ان کا اکھاڑا ہندو مہا سبھا ہے، لیکن کانپور کی کانگریس نے یہ بات ثابت کر دی کہ ابھی تک سمجھدار ہندو مسلمانوں کی تعداد ملک میں کافی موجود ہے، مالوی جی اور [illegible] لالہ [illegible] ایک خاص تحریک سے متعلق تھی، مگر درحقیقت وہ محض تجویز و ترمیم کی جنگ نہ تھی، بلکہ دو مقابل کے نظام کار اور طرز عمل کی لڑائی تھی جس میں مالوی جی کو شکست فاش حاصل ہوئی،

امسال کی کانگریس کے متعلق یہ شکایت بجا ہے کہ اس کے اعلانات اور سائن بورڈوں اور کتبوں

میں اردو کو جگہ نہیں دیگئی تھی جسکی وجہ سے ہندی نہ جاننے والوں کو دقتیں پیش آتی رہیں، تاہم اسکی داد دینی چاہئیے کہ صدر استقبالی نے اپنا پورا خطبہ صاف ستھری اردو میں پڑھا، کانگریس کی صدر محترمہ نے بھی اپنی آدھی تقریر اردو ہی میں کی، اور آدھی انگریزی میں اور اپنی لکھی ہوئی تقریر اردو اور انگریزی اور ہندی تینوں زبانوں میں چھپوا کر تقسیم کی، پنڈت موتی لال نہرو اور دیگر اکابر نے اردو ہی میں تقریریں کیں،

خلافت کا اجلاس کانپور گو تزک و احتشام سے خالی تھا، مگر تین چیزیں بالکل صاف اور کھلی تھیں، یہاں اعزاز و احترام کا مدار جیب کی گرانی اور دنیاوی اعزاز پر نہ تھا، کام پر تھا، تمام مہمانوں میں سلوک اور برتاؤ کی یکسانی اور مساوات کار فرما تھی، دوسری چیز یہ تھی کہ یہ محض خوش پوش بات بنانے والے لوگوں کا مجموعہ نہ تھا، بلکہ صرف کام کرنیوالوں اور کام چاہنے والوں کا مجمع تھا، تیسری چیز یہ تھی کہ اس کے احاطہ میں مذہب صرف فیشن کے لیے نہ تھا، بلکہ دل اور عمل کے لیے تھا،

مجلس خلافت کے متعلق ایک بات صاف صاف کہنی چاہیے کہ اس مجلس کی اصل بنیاد گو خلافت کے قیام اور حجاز کی حقیقی آزادی پر رکھی گئی تھی، تاہم کچھ ملکی کام بھی اس نے اپنے ہاتھ میں لیے تھے، خارجی ممالک کے معاملات میں ہم عملی کام بجز تہنیت اور اظہار افسوس اور وفد بھیجنے مشورہ دینے اور روپیہ جمع کرنے کے اور کیا کر سکتے ہیں؟ حالات بدلتے جا رہے ہیں، اور اسی نسبت سے ہم کو اپنے رویہ میں بھی تبدیلی کرنی چاہیئے، نئے انقلاب کی سب سے بڑی یادگار ہمارے پاس جامعہ ملیہ ہے، مجلس خلافت کو اب اس کو اپنا کام سمجھنا چاہیئے، اور اسی اصل کے ماتحت اوس کو اپنی تمام تعلیمی و تبلیغی سرگرمیوں کا آغاز کرنا چاہیے،

امسال کے اجلاس خلافت میں سب نے اس کو محسوس کیا ہے کہ کوئی بڑا کام استقلال اور مضبوطی سے

مسلمانوں سے اس وقت تک بن نہیں آسکتا جب تک ان میں دماغی انقلاب و اصلاح پیدا نہ ہوں، اور اسکے لیے ضرورت ہے کہ مسلمانوں کے چھوٹے چھوٹے گاؤں تک میں کتب، دارالمطالعہ، اور مدرسہ شبینہ کا جال بچھا دیا جائے، اسکے متعلق اسسال ایک برمحل تجویز منظور کیگئی ہے، اور گویا یہی تجویز اسسال کے اجلاس کا حاصل ہے اور یہی اصل کار ہے،

اسسال کانپور سے علی گڈہ جانے والوں کو یہ صاف نظر آگیا کہ دونوں مجمعوں کی ذہنیتوں میں کیا فرق ہے؟ علی گڈہ کے میدان میں داخل ہونے کے ساتھ چہل پہل، رونق اور نمائش کا پوری طرح اظہار ہو رہا تھا، ڈھائی ہزار طلبہ کے ساتھ چند ہزار مہمانوں کی لال ٹوپیوں اور سیاہ کپڑوں میں آمد و رفت نظر فریب منظر تھا، اور یہ جلی صورتیں شرکائے جلسہ کی کثرت و قلت کے مسئلہ کے لیے ہمیشہ پردہ پوش رہیں، معلوم ہوتا تھا کہ ادھر پانچ چھ برسوں سے جن جنٹلمین ایبل لیڈروں، رہنماؤں، سرکاری عہدہ داروں، رئیسوں اور قومی تماشائیوں کو اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کا موقع نہیں ملتا تھا، وہ سب کے سب ایک دفعہ ابل پڑے تھے، کہ ہمارا پرانا زمانہ قسمت سے پھر عود کر آیا، ہمارے جاہ و جلال کا تخت دوبارہ بچھے گا اور قوم کی باگ ایک دفعہ پھر ہمارے ہاتھوں میں آگئی،

علی گڈہ کی سب سے نمایاں جگہ یعنی صدر نشین کی نشستگاہ کے اوپر علی گڈہ کے کسی خوش مذاق شاعر کا جلی حرفوں میں کپڑے پر لکھکر یہ شعر آویزاں کیا گیا تھا،

وفا شعاری و حبِ وطنی و دیں پرستی کی علامت

کہ اپنے قومی نشان میں تاج اور کھجور اور ہلال بھی ہے

یہ صحیح و فصیح و بلیغ شعر جس کے موزوں پڑھنے میں متعدد باکمال شاعروں کو کافی زحمت اٹھانی پڑی، درحقیقت علی گڈہ کی اصلی اور اندرونی ذہنیت تھی، جو اس کے ذرہ ذرہ سے نمایاں تھی، منتظمین کار کو داد دینی چاہیے

کہ انھوں نے علی گڈہ کا دل نکالکر سب کے سامنے رکھدیا تھا،

اردو کی بیکسی کا یہاں بھی وہی عالم تھا، کانفرنس تک تو کچھ خیریت تھی ورنہ سات روز کے اندر کم کسی مشہور لیڈر نے اردو کو شرف بخشا، الا یہ کہ انگریزی نے خود ان کو اپنی واقفیت کے شرف سے محروم کیا ہو تاہم دو چار سیکھے اور رٹے ہوئے فقروں کا برمحل اور بے محل بولدینا تو ضروری تھا، اردو کتب فروشوں نے بھی مسلم یونیورسٹی کا نام سنکر اپنی کتابوں کی دکانیں سجائی تھیں، مگر شاید ہی کسی سپید پوش سیاہ پوش نے ادہر نظر اٹھائی ہو اور اس پر اردو کی بیکسی کا ادسی اسٹیج پر ماتم ہے،

وہی ذبح بھی کرے ہے وہی لے ثواب الٹا
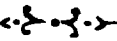
جوبلی کا اجلاس ہر حیثیت سے نہایت شاندار تھا، کئی ہزار کا مجمع تھا، بجز و طبقہ کے ہر طبقہ کے مسلمان بھی تھے انگلستان اور ہندوستان کی متعدد یونیورسٹیوں کے نمایندے بھی تھے، دلیسرائے، حضور نظام دیگر حکام اور مسلمان رؤسا کے تہنیت نامے بھی آئے تھے، افغانستان کی تعلیمی نمایندگی بھی ہورہی تھی اور لوگوں کو اس سے بیحد دلچسپی بھی تھی، قوم کے مدعیان رہنمائی اور مشاہیر بھی تھے، اور یہ ایک دلچسپ نظارہ تھا، مگر ان لال ٹوپیوں کے بیچ میں ہماری آنکھیں جبہ و دستار کو بھی ڈھونڈرہی تھیں، السنۂ مغربی کی یونیورسٹیوں کے نمایندوں کی صف میں ہم اپنی مشرقی درسگاہوں کے فضلاء کو بھی دیکھنے کی آرزو رکھتے تھے، مگر وہ نہ تھے،

بہرحال ایک خاص خیال کے مسلمانوں کا نہایت مغتنم مجمع فراہم ہوگیا تھا، موقع تھا کہ واقعی علی گڈہ تحریک کے پنجاہ سالہ جد و جہد پر ایک تبصرہ کیا جاتا، اور اگر مسلمان دوسرے رہنماؤں کی غلط پیروی میں برباد ہورہے ہیں، تو ان کو صحیح ہدایت کیجاتی، اور مسلم یونیورسٹی کو صحیح مسلمان یونیورسٹی بنانے کے لیے غور کیا جاتا

امراء کی جیبوں کو ٹٹولنے کے علاوہ ارباب دانش کے سینے بھی ٹٹولے جاتے اور آئندہ کیلئے قوم کی تعلیمی علمی جد و جہد کیلئے ایک پروگرام بنایا جاتا، علی گڈھ تحریک نے مسلمانوں کو فائدہ بھی پہنچایا ہے اور نقصان بھی پہنچایا ہے، کاش اصحاب علیگڈھ سکون خاطر کیساتھ پچاس برس کے قطع مسافت کے بعد ایک دفعہ پیچھے مڑ کر دیکھ بھی لیتے کہ ہم کہاں تک صحیح راستہ پر چلے اور آئندہ منزلوں کے طے کرنے کیلئے کیا ضروریتیں ہیں! اور کیا صحیح مشورے ہیں؟
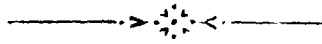
قیامت ہے ہ مسلم یونیورسٹی کی پنجاہ سالہ جوبلی کا نادر موقع جو پچاس برس کے بعد آیا تھا، اور اب پچاس ہی برس کے بعد آئے گا، اوسکی افتتاحی اور صدارتی تقریر جو پنجاہ سالہ تجربوں کا نچوڑ اور حسب وعدہ قوم کی پنجاہ سالہ جد و جہد اور سعی و کوشش کا جائزہ اور آیندہ پچاس برس کا پروگرام ہوتی، وہ محض وقتی زبانی خوش کن ظرافتوں چٹکلوں اور گذشتہ دعووں کا اعادہ تھی، اللھم ارحم امۃ محمد صلی اللہ علیہ وسلم،

تعلیمی اور علمی حیثیت سے جوبلی میں سب سے بہتر تقریر شیخ عبدالقادر صاحب بیرسٹر (پنجاب) کی تھی، انھوں نے بالکل بجا طور پر مسلم یونیورسٹی کو ایک علمی یونیورسٹی بنانے کا صحیح مشورہ اور صحیح نقشہ پیش کیا، جس میں مشرقیات، علوم عربیہ، اور اردو کو صحیح جگہ دیگئی تھی، کاش شیخ صاحب کی یہ مفید تقریر آیندہ ہماری مسلم یونیورسٹی کا نظام عمل اور طریقۂ کار بن سکتی جامعۂ عثمانیہ کے کامیاب تجربہ کے بعد اب اردو کے ذریعۂ تعلیم بننے میں کسی کو کیا عذر ہو سکتا ہے

ایجوکیشنل کانفرنس کی بہار کے دن تو مدت ہوئے گذر چکے، امسال توقع تھی کہ اس غیر معمولی مجمع کے موقع پر اسکی کرسیاں بھی خالی نہ رہیں گی، مگر واقعہ ایسا نہ ہوا، لوگوں کو اس سے کوئی دلچسپی نہ تھی اور اپنے قدیم طلبگاروں کی موجودگی میں بھی اسکی یہ بے رونقی افسوس کا باعث تھی، چند سال سے مسلمان خواتین کو کانفرنس میں اپنے مناسب حق نہ ملنے کی پرخاش تھی، امسال یہ حق زبردستی حاصل کر لیا گیا، اور خود کانفرنس کے اسٹیج سے دو خاتونوں کی طلب حق کے لیے بغاوت انگیز تقریریں ہوئیں، کانفرنس کی تجویزیں اسی پرانی بولی اور

اصطلاحوں میں تعین جواب صرف ایجوکیشنل کانفرنس کے "نوری ممبروں" کی زبانوں سے سنی جاتی ہیں، سمجھ میں نہیں آتا کہ اس سالانہ عرض و معروض کا آخر حاصل کیا ہے؟ بجز اس کے کہ

حافظ وظیفۂ تو دعا کردن است وبس
دربند آن مباش کہ نشنید یا شنید

ایجوکیشنل کانفرنس کے صدر صاحبزادہ سر عبد القیوم کی طرف سے جو صدارتی خطبہ پڑھا گیا ہمارے خیال میں خیالات اور مشوروں کے لحاظ سے اوس کے اکثر حصے بیحد عمدہ تھے، خصوصاً تعلیمی نصب العین، مطالعۂ و تحقیق (طلبہ میں) اور ذریعۂ تعلیم کے عنوانوں کے ماتحت نہایت عاقلانہ اور سودمند تجویزیں پیش کیگئی ہیں، صاحبزادہ صاحب کا یہ پورا خطبہ علمی نقطۂ نظر سے صد درجہ قابل غور ہے، اور یہ وہی روح ہے جو ان کے ماتحت اسلامیہ کالج کے بعض مسلمان فاضل پروفیسروں میں ہے،

متاعِ خویش زہر دکان کہ باشد

امید ہے کہ اسلامیہ کالج پشاور بھی ان سے عملاً فائدہ اُٹھائے گا،

تنظیم کانفرنس، علی گڈہ میں ہوئی، مگر اس کا علی گڈہ میں ہونا پسند نہ آیا، اور آج نہیں تو کل تنظیم کے کارفرماؤں کو اس بے جوڑ اور انمل صحبت پر خود افسوس آئیگا، تنظیم کے مقاصد سے کسی مسلمان کو شاید ہی اختلاف ہو سکتا ہو، بحث صرف اسکی ہے کہ آیا اس کام کے لیے کسی الگ مجلس کی بھی ضرورت ہے یا نہیں؟ اور جن لوگوں کو ملانے کے لیے یہ الگ بن رہی ہے، وہ آگے چلکر کچھ مفید بھی ہو سکیں گے یا نہیں؟ بہرحال اس قابل غور نقطہ سے آگے بڑھکر جو کچھ بھی اس کے ہال میں کہا گیا درست تھا، شیخ عبد اللہ علی یوسف صاحب کی تقریر میں صحیح ضرورتوں کا احساس اور صحیح علاج درج ہے، تنظیم کی تجویزوں میں سب سے اہم چیز ایک خدام الاسلام تربیت گاہ کا قیام ہے،

مسلم یونیورسٹی کا نو دکیشن میں سب سے پہلے ڈاکٹر کی اعزازی ڈگری کے لیے ہمارے کاروان کے آخری نقش قدم نواب عماد الملک مولوی سید حسین بلگرامی کا نام پیش ہوا، موصوف کا اس اعزاز کے لیے استحقاق بداہت سے بھی زیادہ روشن ہے کہ اس سے اگر نواب صاحب کے سابق علمی اعزاز میں کوئی اضافہ نہیں ہوا، تو ہماری یونیورسٹی کے سابق علمی اعزاز میں ضرور اضافہ ہوا،

منت شناس از وکہ بخدمت بداشتت

مئی گذشتہ میں ہز ہائنس مہاراجہ الور کی تشریف آوری کئی حیثیتوں سے یادگار رہی، اوّلاً تو نفس ایک والی ملک کی ایک علمی تعلیمی مجمع میں آمد، دوسرے اس موقع پر ملک کے مسلمان والیان ریاست کا تغافل اور ہندو خود مختار رئیس کی فرض شناسی، پھر نہ صرف آنا، بلکہ تقریر کرنا، اور ایسی تقریر کرنا کہ اسکی فصاحت و بلاغت، شاعرانہ نزاکت، تاریخی حوالوں، اخلاص و محبت کی زبان، ہندو مسلم اتحاد کی خواہش، مذاہب کا سچا ادب دیکھ کر لوگ عش عش تھے، اور بڑے بڑے طمطراق والے بھی حیرت سے انگشت بدنداں تھے، اور اسی تعجب و حیرت کے سکون اور جوش و خروش کے نعروں میں مہاراجہ صاحب نے ۲۵ ہزار کے عطیہ کا اعلان کیا،

مہاراجہ صاحب کو جو ایڈریس یونیورسٹی کی طرف سے دیا گیا، اس میں اس بات کا خاص طور سے تذکرہ تھا، کہ افسوس ہے کہ "ہمارے پاس **دینیات** کے صیغہ کے لیے سرمایہ نہیں" ہندو والی ملک نے نہایت خندہ جبینی سے مسلمانوں کی دینیات کی تعلیم کے لیے ۵ برس کے لیے ۸ ہزار سالانہ کا عطیہ پیش کیا، اور انھوں نے قبول کیا، اور صدر سے لیکر پائیں تک اس کے لیے اس زور شور کی تالیاں گونجیں کہ کان کے پردے اڑ گئے، اس خوشی اور شادمانی کے غل میں ایک حزیں و مغموم آواز عالم سروش سے آئی،

نام رقیب بر لب جانان من گذشت　　واقف نشد کسے کہ چہ بر جانِ من گذشت

اورکسی کے متعلق تو معلوم نہیں لیکن نواب صدر یار جنگ مولنا حبیب الرحمن خاں شروانی کے متعلق سنا ہو کہ انھوں نے یہ آواز سنی! کیا ہمارے رؤسائے دین پرور اس پانچ سال کی رقم کو خود دائمی نہیں بنا سکتے؟

مسلم لیگ کا اکھاڑا امسال نہایت شاندار تھا، وہ تمام سیاسی رہنما جو اسی مسلم لیگ کی کرسی سے اٹھ اٹھکر سرکاری مناصب عالیہ حاصل کرچکے تھے، اپنی اپنی باری پوری کرکے پھر اسی مسلم لیگ کی کرسیوں پر فرصت کے خالی گھنٹوں کو پُر کرنے کیلئے جلوہ فرما تھے، سر عبدالرحیم کا خطبۂ صدارت اون کے عظیم الشان روایات کے بالکل خلاف تھا، اور صرف اسلیے اوسکو پسند کیا جاسکتا ہے کہ وہ مہاسبھا کی صدائی تقریروں کا جواب بالمثل تھا، دوروز کے اجلاس میں جو کچھ ہوا وہ الفاظ کی سحرکاری، مذہب کی نمائش اور لفظ آزادی کے مجازی استعمال سے زیادہ نہ تھا،

علمی دنیا میں نئے سال کا سب سے افسوسناک سانحہ مشہور انگریز مستشرق پروفیسر ایڈورڈ جی براؤن کی وفات ہے، موصوف نے اس مہینہ کے آغاز میں غالباً ساٹھ پینسٹھ سال کی تخمینی عمر میں انتقال کیا، وہ پہلے کیمبرج میں فارسی کے لکچرر تھے، پھر ۱۹۰۲ء میں وہ عربی کے پروفیسر مقرر ہوئے، انھوں نے طب کی تعلیم بھی حاصل کی تھی، عربی میں وہ پروفیسر پامر کے شاگرد تھے، انکی سب سے جامع، مبسوط اور مشہور تصنیف لٹریری ہسٹری آف پرشیا کی ضخیم جلدیں ہیں، موصوف نہ صرف علمی حیثیت سے، بلکہ ایک بے تعصب عالم، ایک ہمدرد مشرق، اور ایک شریف انسان ہونے کے لحاظ سے بھی نہایت بلند درجہ تھے، قومی تنگ ظرفی، اور مذہبی عصبیت سے وہ قطعاً مبرا تھے، ان آنکھوں کو یہ عزت حاصل ہے کہ انھوں نے مرنے والے کی زیارت کی تھی آیندہ معارف میں ان کے کچھ حالات سپرد قلم ہونگے، ہندوستان میں ان کو ہم سے بہتر جاننے والے اشخاص بلکہ ان کے شاگرد موجود ہیں، کیا بہتر ہو اگر ان میں سے کوئی صاحب ہماری مدد فرمائیں اور براؤن پر ایک عمدہ مضمون لکھکر عنایت فرمائیں، اور اگر احباب پسند کریں تو معارف کا ایک نمبر صرف براؤن پر شایع کیا جائے کہ انکے احسانات کا یہ ادنی ترین معاوضہ ہے،

مقالات

محمد بن عمر الواقدی

اور سیرۃ میں

علمائے مستشرقین کی ایک نئی غلطی

سیرۃ کے مشہور راویوں میں سے ایک محمد بن عمر واقدی ہے، سنہ ۱۳۰ھ میں پیدا ہوا، اور سنہ ۲۰۷ھ میں وفات پائی، مدینہ منورہ میں پیدائش ہوئی، اور بغداد میں سکونت اختیار کی، اور قضا کا منصب حاصل کیا، ابتدائی مصنفین سیرت میں اس کا شمار ہے، سیرت میں اسکی ایک کتاب ہے جس کا نام کتاب **المغازی** ہے، جس میں عہد نبوت کی لڑائیوں کا حال لکھا ہے، اگلے مصنفین کا یہ حال تھا کہ چونکہ وہ ہر واقعہ کو اور واقعہ کے ایک ایک جزء کو الگ الگ سلسلہ سے بیان کرتے تھے اس لیے واقعہ کا تسلسل بیچ بیچ سے ٹوٹ ٹوٹ جاتا تھا جس سے عام لوگوں کی دلچسپی کم ہو جاتی تھی، واقدی نے یہ طرز اختیار کیا کہ پورے واقعہ یا پورے غزوہ کے سارے راویوں کا نام شروع میں گنا دیا اور ایک دلچسپ مسلسل داستان کی صورت میں پورے واقعہ یا پورے غزوہ کو بیان کر دیا، اس طرز سے عام لوگ جو روایتوں کے پرپیچ عالمانہ سلسلوں میں پھنسکر اپنا لطف مطالعہ نہیں کھونا چاہتے تھے، انھوں نے اسکی کتاب کو بیحد پسند کیا، اور خلفائے عباسیہ اور دیگر امرائے بغداد کی نگاہوں میں اس نے بڑا رتبہ پیدا کیا، لیکن جس قدر امراء اور سلاطین کے ہاں اسکی قدر و منزلت میں اضافہ ہوا اسی قدر علمائے زمانہ، ائمہ حدیث اور معتبر بزرگوں کی مسند اعتبار سے اسکو دوری حاصل ہوتی گئی،

اس بات پر مخالف وموافق رائے شہادتیں متفق ہیں کہ اس کا حافظہ نہایت قوی تھا، اور اسی قوت حافظہ کی بنا پر اوس کو خاص امتیاز ہے، چنانچہ اس کے کاتب محمد بن سعد نے طبقات (۵-۴-۳۱) میں لکھا ہے،

وکان عالماً بالمغازی والسیرة والفتوح وباختلاف الناس فی الحدیث والاحکام واجتماعهم علی ما اجتمعوا علیه، — وہ مغازی، سیرة، فتوحات اور حدیث واحکام میں لوگوں کے اختلافات اور جن امور پر اون کا اجماع ہے، اونکا عالم تھا،

مجاہد بن موسیٰ کا قول ہے کہ میں نے واقدی سے زیادہ حفظ یاد رکھنے والے سے نہیں لکھا، حافظ ذہبی میزان میں اس قول کو لکھکر کہتے ہیں،

قلت وصدق کان الی حفظه المنتهی فی الاخبار والسیر والمغازی والحوادث وایام الناس والفقه وغیرذلك — میں کہتا ہوں کہ یہ بات سچ ہے، واقدی کے حافظہ، تاریخ، سیر، غزوات، وقائع اور لوگوں کے حالات اور فقہ میں انتہا ہے،

مصعب زبیری کہتے ہیں،

واللہ ما رأینا مثل الواقدی قط — بخدا ہم نے واقدی کا مثل نہیں دیکھا،

خطیب بغدادی اپنی تاریخ میں کہتے ہیں

هو ممن طبق الارض شرقها وغربها ذکره ولم یخف علی احد عرف اخبار الناس امره، وسارت الرکبان بکتبه فی فنون العلم من المغازی والسیر والطبقات واخبار النبی صلعم والاحداث الكائنة فی وقته وبعد وفاته — یہ ان لوگوں میں سے ہے جنکی شہرت نے زمین کے مشرق ومغرب کو گھیر لیا ہے، اور جو شخص کہ تاریخ سے واقف ہے اس سے اس کا حال چھپا نہیں ہے، مغازی، سیر اور طبقات اور آنحضرت صلعم کے حالات اور جو واقعات آپ کے زمانہ میں ہوئے اور آپکی وفات کے بعد ہوئے، ان چیزوں میں اسکی کتابوں کو لوگ ہر جگہ لیے پھرتے ہیں،

یہ واقدی کے علم وحفظ کے وہ واقعات ہیں جنپر سب کا اتفاق ہے، لیکن سوال یہ ہے کہ واقدی وثوق،

اعتبار اور سند کے لحاظ سے کس رتبہ کا آدمی ہے، بعض لوگوں نے اس کے موافق شہادت دی ہے، مگر فن کے ناقدوں اور رجال کے واقفکاروں کا بڑا حصہ جس میں امام شافعی، امام ابن حنبل، امام بخاری وغیرہ داخل ہیں، اوس کو بے اعتبار، جھوٹا اور دروغگو کہتا ہے، اور اسی لیے اوسکی روایتوں کو محدثوں نے حدیث اور احکام کی کتابوں میں جگہ نہیں دی ہے، اور نیز علما کے نزدیک اوسکی کتاب المغازی کو وہ حیثیت نہیں حاصل ہوئی، جو محمد بن اسحاق کی سیرت کو حاصل ہوئی، بہرحال واقدی کی کتاب المغازی ایک نادر و کمیاب کتاب تھی اور ہم علمائے مستشرقین کے ممنون ہیں کہ انھوں نے اس کتاب کو چھاپکر وقف عام کیا،

۱۸۵۰ء کے پس و پیش عہد میں جرمن عالم ڈاکٹر اسپرنگر کے بدولت ہندوستان میں عربی کتابوں کی اشاعت کا نادر موقع ہم پہنچا، ایشیاٹک سوسائٹی بنگال نے اس باب میں خاص اہمیت حاصل کی، صحابہ کے حالات میں حافظ ابن حجر کی تصنیف الاصابہ فی تمیز الصحابہ کی اشاعت سے ڈاکٹر اسپرنگر اور ایشیاٹک سوسائٹی کو خاص شہرت حاصل ہوئی، اور اسی کے ساتھ ڈاکٹر اسپرنگر پہلے یورپین عالم ہیں جنھوں نے عربی ماخذوں سے "دی لائف آف محمد" ترتیب دی، اور اسلیے اس نے یورپ کے علمی حلقوں میں ایک جگہ پیدا کرلی،

لے، وان کریمر (A. VAN KREMER) جو مشہور یورپین مستشرق ہیں، اور سرکاری تعلق یعنی آسٹریا کے وکیل مطلق کنسولیٹ جنرل کی حیثیت سے اسکندریہ (مصر) میں مقیم تھے، انھوں نے واقدی کی کتاب المغازی کا واحد نایاب نسخہ دمشق کے ایک کتبخانہ میں پایا، جون ۱۸۵۴ء میں ڈاکٹر اسپرنگر نے اسکندریہ میں الفرڈ وان کریمر صاحب سے ملاقات کی، اور اونکی کتاب المغازی واقدی کا نسخہ دیکھا، اور ان کو آمادہ کیا کہ ببلوتھیکا انڈیکا کے سلسلہ میں وہ اس کو مرتب (اڈٹ) کریں اور بنگال ایشیاٹک سوسائٹی میں چھپوائیں، فروری ۱۸۵۶ء میں جب وہ ہندوستان آئے تو یہ کتاب چھپ چکی ہے (یعنی ۱۸۵۵ء میں وہ چھپ چکی تھی، بہرحال ابن ہشام کے بعد سیرۂ نبوی میں یہ دوسرا ابتدائی ماخذ تھا، جو یورپ کے ہاتھ آیا، اس لئے اس کے ساتھ خاص اہتمام برتا گیا، ولہاوسن نے ۱۸۸۲ء میں "محمد مدینہ میں" کے عنوان سے جرمنی میں اس کا ترجمہ شائع کیا، اور یہ بڑی حد تک یورپ کے

مستشرقوں میں سند اور ماخذ قرار پایا، چنانچہ ۱۹۰۵ء میں پروفیسر مارگیولیوتھ نے انگریزی میں محمد اور ترقی اسلام کے نام سے سیرۃ میں جو فاضلانہ کتاب تصنیف کی ہے، اور جس میں پہلی دفعہ ایک مستشرق نے سیرۃ میں احادیث کو ماخذ قرار دیا ہے، اور اسلیے وہ خاص اعتنا کی مستحق ہے، اس میں بھی وہ ولہاؤسن سے مستغنی نہ ہوسکے، اور کتاب المغازی کے اصل عربی نسخہ کے بجائے ولہاؤسن ہی کے ترجمہ کو اونھوں نے قابل قبول سمجھا،

اتنی تمہید کے بعد اب اصل مقصد سنئے، ابھی حال میں مانچسٹر گارجین اخبار (انگلستان) میں ایک مضمون نکلا ہے جس میں مضمون نگار نے ایسے فقرے لکھے ہیں جنسے حضور انور صلعم کی شان میں گستاخی ہوتی ہے منجملہ اُن کے ایک فقرہ یہ ہے کہ "آپ ایسے بزدل اور ڈرپوک تھے کہ بدر میں جب خون بہتے دیکھا تو آپ کو غش آگیا"، ایک مسلمان نے مضمون نگار سے اس واقعہ کا حوالہ دریافت کیا، تو اس نے مارگیولیوتھ کی کتاب کا حوالہ دیا، مارگیولیوتھ نے اس واقعہ کو اپنی کتاب میں (صفحہ ۲۵۹) میں بے حوالہ نقل کیا ہے، اسلیے مارگیولیوتھ صاحب سے اس کا ماخذ دریافت کیا گیا تو انھوں نے واقدی کے جرمن ترجمہ ولہاؤسن کا حوالہ دیا، اس پر واقدی کے معتبر و غیر معتبر ہونے کی بحث چھڑ گئی، جناب خواجہ کمال الدین صاحب نے پچھلی ڈاک سے یہ پوری خط و کتابت میرے پاس بھیجدی ہے، اس کو پڑھکر یورپین مستشرقین کے علمی تبحر اور فضل و کمال کی ایک اور عمدہ مثال ہاتھ آگئی، پروفیسر مارگیولیوتھ اپنے کرمنامہ میں لکھتے ہیں،

مورخہ ۴ نومبر ۱۹۲۵ء 	اوکسفورڈ

"جناب من! میرا خیال ہے کہ مضمون نگار نے محمد اور ترقی اسلام کے حسب ذیل فقرہ کا حوالہ دیا ہے (صفحہ ۲۵۹)

"جب خون کا پہلا قطرہ بہایا گیا تو پیغمبر اپنے جھونپڑے میں واپس آئے اور نڈھال ہو کر غش کھا گئے" FAINTED

یہ بعینہ واقدی کے الفاظ ہیں، برٹش میوزیم ۱۶۱۷ جس کا ترجمہ ولہاؤسن نے "محمد مدینہ میں" کے عنوان سے برلن میں ۱۸۸۲ء میں کیا ہے، (صفحہ ۴۹) وہ کہ جب فوجیں ایک دوسرے کے مقابل آئیں تو محمد نڈھال ہو کر غش کھا گئے FAINTED

واقدی آگے کہتا ہے کہ محمد بہرحال بہت جلد ہوش میں آگئے" یہ روایت کی دوسری شکل میں ہے (صفحہ ۵۰) کہ جب لڑائی شروع ہوئی تو محمد نے دعا کی، ابوبکر نے تسلی دی" صحیح مسلم مطبوعہ قاہرہ ۱۲۹۰ھ جلد ۲ صفحہ ۵ اور واقدی صفحہ

سے یہ ظاہر ہے کہ یہ دعا اس بیہوشی کے دورہ سے افاقہ کے بعد مانگی گئی تھی یعنی واقدی کے اس فقرہ کو کہ جب خونین ایک دوسرے کے مقابل آئیں" اس طرح ادا کرنے میں کہ جب خون کا پہلا قطرہ گرایا گیا، خود واقدی کا مطلب ادا کر دیا ہے!؟

خواجہ صاحب نے جب پروفیسر مارگولیتھ کو لکھا کہ واقدی کا حوالہ بیکار ہے کہ وہ مسلمانوں میں معتبر نہیں، تو موصوف نے یاقوت حموی کی کتاب معجم الادبا کی جلد، کا جو ہنوز اونکی اڈیٹرشپ میں زیر طبع ہے اس کا حوالہ دیا کہ یاقوت نے لوگوں سے اوسکی توثیق نقل کی ہے، خط کی عبارت یہ ہے ؛:-

مورخہ ۷ نومبر ۱۹۲۵ء

جناب من! میں فرصت کے وقت اوس نقطہ پہ غور کرونگا جدھر آپ نے مجھکو متوجہ کیا ہے، اور یہ مجھکو اس صدمہ سے بھی نجات دلانے کیلئے تھوڑا سا وقت دیگا کہ آپ واقدی ایک مسلمان مورخ کو جو بہت سے مستند اصحاب کے نزدیک سب سے زیادہ معتبر ہے "ایک مشہور دروغگو کہتے ہیں، وہ ائمہ اسلام جو واقدی کو اس نظر سے دیکھتے ہیں یعنی یہ کہ وہ ہر حیثیت سے بالکل معتبر ہے، یاقوت نے معجم الادبا کی ... یں جلد میں جو ابھی زیر طبع ہے "ان کو گنایا ہے"

سب سے پہلے ہم کو پروفیسر مارگولیتھ صاحب کے اس احسان کا شکریہ ادا کرنا ہے، کہ انھوں نے واقدی کی توثیق اور معتبر ہونے کے لیے یاقوت کا حوالہ دیا ہے، دنیا جانتی ہے کہ یاقوت کا شمار ناقدین حدیث اور علمائے اصول میں نہیں ہے، وہ صرف ادب وجغرافیہ وتاریخ کا آدمی ہے، اوسکو اشخاص کی جرح وتعدیل سے کیا تعلق ہے؟ ہمارے پروفیسر صاحب کو واقدی کے معتبر شمار کرانے میں خاص انہماک ہے، ۱۹۱۵ یا ۱۹۱۶ء میں جب وہ پنجاب یونیورسٹی کے بلاوے پر ہندوستان آئے تھے تو لکھنؤ میں گھنٹہ دو گھنٹہ کے لیے ان سے ملاقات کا اتفاق ہوا تھا، لیکن اس ملاقات میں بھی دانستہ یا نادانستہ واقدی ہی کی معتبری ونامعتبری کی بحث چھڑ گئی تھی، میں نے کہا تھا کہ واقدی کی حیثیت ایک داستان گو کی ہے، جسکا شمار معتبر مورخین میں نہیں ہو سکتا، تاریخ وسیرت میں اس کا حوالہ دینا ایسا ہی ہے جیسے آپ ملکہ الزبتھ کی سوانحعمری میں رینالڈس کا حوالہ دیں، پروفیسر صاحب نے فرمایا کہ امام شافعی کی نسبت کیا کہتے ہو کہ وہ اس سے روایت کرتے ہیں؟ میں نے کہا اگر یہ درست ہے تو نفس روایت کرنا یہ معنی نہیں رکھتا کہ

امام نے اوسکی توثیق کی ہے، درانحالیکہ کتب نقد میں یہ صاف تصریح ہے کہ امام موصوف اوسکی تصنیفات کو جھوٹ کا انبار کہا کرتے تھے،

بہر حال اب معجم الادبا کی اڈیٹری کی تقریب سے پروفیسر صاحب کو واقدی کے مداحوں کے چند نام اور ہاتھ آئے ہیں، لیکن میں بتانا چاہتا ہوں کہ واقدی کی توثیق کے لیے ایک ادیب و جغرافی و اخباری کی تصنیف کے حوالہ کی ضرورت نہیں، واقدی کی حمایت میں جو اقوال اسکے اندر ہونگے، وہ ہماری نگاہوں سے مخفی نہیں ہیں، آٹھویں صدی میں یاقوت نے جو کچھ جمع کیا ہے، وہ سب آٹھ صدیوں کی جرح و تعدیل کی کتابوں میں مذکور ہے، محمد بن اسحاق اور محمد بن عمر واقدی کا حامی اور مدافع علامہ ابن سید الناس اندلسی المتوفی سنہ ھ سے زیادہ کوئی نہیں، انھوں نے ان دونوں کے متعلق جسقدر توثیق اور استناد کے اقوال تھے سب کو اپنی کتاب عیون الاثر فی فنون المغازی والتاریخ والسیر کے مقدمہ میں سب یکجا کر دیا ہے، اسی کے ساتھ امام ذہبی نے میزان الاعتدال میں اور حافظ ابن حجر نے تہذیب التہذیب میں اون کے مخالف و موافق جو کچھ کہا گیا ہے سب جمع کر دیا ہے، اس سے کچھ زیادہ یاقوت کی متوقع جلد میں ہوگا،

نفس واقعۂ کی تحقیق کے لیے بحث کی تین منزلیں ہیں، واقدی کی حیثیت، اس کی کتاب المغازی کی حیثیت، اصل واقعہ کی صورت،

واقدی کی حیثیت | واقدی کے حافظہ اور کثرت معلومات کی شہادتیں اوپر گذر چکی ہیں، امام شاذکونی نے اسکے متعلق ایک نہایت ظریفانہ فقرہ کہا ہے کہ "واقدی بہرحال بہت بڑا آدمی تھا، اگر وہ جھوٹا تھا تب بھی بہت بڑا آدمی تھا اور اگر سچا تھا تب بھی بہت بڑا تھا" واقدی کی ذات آج نہیں بلکہ ہمیشہ سے معرض بحث میں رہی ہے اور اس کا سلسلہ خود اوسکی زندگی میں شروع ہو چکا تھا جھوٹے سے جھوٹا کوئی ایسا بدقسمت راوی شاید ہی ملے گا جسکی ایک آدھ نے توثیق نہ کر دی ہو، اس لیے علمائے اصول کا قاعدہ یہ ہے کہ وہ مخالف یا موافق دونوں پہلوؤں کو سامنے رکھکر اور اون کو باہم تول کر اوس کے متعلق قطعی فیصلہ کر دیتے ہیں، واقدی کا بھی یہی حال ہے، چنانچہ اوس کے متعلق مخالف و موافق دونوں پہلو حسب ذیل ہیں،

اوس کے موافق پہلو کا روشن حصہ یہ ہے کہ اوس کے علم و حافظہ کی سبنے تعریف کی ہے، یعقوب بن شیبہ کا بیان ہے کہ ایک دفعہ امام مالک سے قتل ساحرہ کی نسبت دریافت کیا گیا تو امام نے فرمایا دیکھو واقدی کے پاس اس کے متعلق کچھ ہے، لوگوں نے اوس سے پوچھ کر امام کو اطلاع دی، تو لوگ کہتے ہیں کہ امام نے اس پر قناعت کی، اسی طرح ایک دفعہ اور امام سے کسی نے دریافت کیا کہ خیبر کی اوس یہودی عورت کو جس نے آپ کے کھانے میں زہر ملایا تھا، آپ نے کیا سزا دی، امام نے فرمایا کہ مجھکو اس کے متعلق کوئی علم نہیں، اہل علم سے دریافت کروں گا، چنانچہ امام نے واقدی سے ملاقات کی تو دریافت کیا، اور حلقہ میں آکر فرمایا کہ اہل علم نے یہ جواب دیا، دراوردی ایک ناقد حدیث ہیں اون سے کسی نے پوچھا کہ واقدی کے متعلق آپکی کیا رائے ہے؟ انھون نے جواب دیا تم واقدی کو مجھسے پوچھتے ہو، تم واقدی سے مجھ کو پوچھو، یہی جواب ابو عامر عقدی اور معن بن عیسیٰ نے بھی دیا ہے،

ان اقوال کے علاوہ میزان الاعتدال، تہذیب التہذیب اور عیون الاثر میں جن علمار نے جن الفاظ میں اسکی توثیق کی ہے، وہ حسب ذیل ہین،

نام	اصل قول	ترجمہ
دراوردی،	الواقدی امیر المؤمنین فی الحدیث	واقدی حدیث میں مسلمانون کا امیر ہے،
یعقوب بن شیبہ،	حدثنی بعض اصحابنا انہ ثقۃ	ہمارے بعض اصحاب نے کہا کہ وہ ثقہ ہے،
مصعب زبیری،	هو ثقۃ مامون	وہ ثقہ اور مامون ہے،
ابن نمیر،	اما حدیثہ هنا فهو مستو اما حدیث اهل المدینۃ فهم اعلم بہ،	اسکی حدیث یہان تو برابر ہے لیکن اہل مدینہ کی حدیث تو وہ اس سے زیادہ واقف ہیں، (یعنی اس کے متعلق وہ فیصلہ کرین)
ابراہیم حربی،	الواقدی امین الناس فی الاسلام،	واقدی اسلام میں لوگوں کا امین ہے،
محمد بن اسحاق الصنعانی	لولا انہ عندی ثقۃ ما حدثت بہ،	اگر وہ میرے نزدیک ثقہ نہ ہوتا تو میں اس سے روایت نہ کرتا

یزید بن ہارون،	الواقدی ثقۃ	واقدی ثقہ ہے،
عباس عنبری،	ھو احب الی من عبد الرزاق	وہ مجھے عبد الرزاق سے زیادہ پسند ہے،
ابو عبید القسم بن سلام،	ثقۃ،	وہ ثقہ ہے،
مسیّبی،	ثقۃ	وہ ثقہ ہے،

یہ واقدی کے طرفداروں کی سب سے بڑی فہرست ہے مگر یہ دیکھو کیا ان میں کوئی بھی مشہور امام ہے، فن نقد کے اساطین اعلام میں سے کسی کا نام ہے؟ بے شبہہ یہ لوگ بھی قابل وقعت ہیں اور ان سے بڑی مخالف شہادتیں اگر موجود نہ ہوتیں، تو اونکی موافق شہادتیں بڑا درجہ رکھتیں، مگر حالت یہ ہے کہ خود ان طرفداروں میں سے بھی جو لوگ اوسکی حالت سے واقف ہو گئے انھوں نے اس کو چھوڑ دیا، چنانچہ ابن نمیر جنھوں نے یہ کہا ہے کہ "اوسکی حدیث بیان ٹھیک ہے" انھوں نے بھی اوسکو چھوڑ دیا (تہذیب) ابن سعد جو واقدی کا کاتب تھا اور جس سے اوسکی حمایت کی امید ہوسکتی ہے، دو صفحوں میں اس نے اوس کا حال لکھا ہے، مگر ایک حرف بھی اوسکی توثیق اور اعتبار و استناد کے متعلق نہیں لکھا، امام شافعی فرماتے ہیں کہ "اوسکی کتابیں جھوٹ کا انبار ہیں"۔ سب سے بڑے ناقد فن اور امام حدیث امام بخاری اپنی تاریخ صغیر میں جو اس وقت اسمار الرجال کی سب سے پرانی دستاویز ہمارے پاس ہے، واقدی کے متعلق محدثین کا یہ طرز عمل ظاہر کرتے ہیں، (مطبوعہ الہ آباد صفحہ ۲۲۸)

محمد بن عمر الواقدی ابو عبد اللّٰہ الاسلمی مدنی قاضی بغداد ترکوہ،	محمد بن عمر واقدی، ابو عبد اللہ اسلمی، مدینہ کے ہیں، بغداد کے قاضی تھے، محدثین نے اونکو چھوڑ دیا ہے،

امام ممدوح کتاب الضعفاء الصغیر میں فرماتے ہیں، (مطبوعہ الہ آباد صفحہ ۳۲)

متروک الحدیث،	وہ متروک الحدیث ہے،

امام نسائی المتوفی ۳۰۳ھ جنکی تصنیف حدیث کی چھ معتبر کتابوں میں سے ایک ہے، اپنی تصنیف کتاب الضعفاء والمتروکین میں لکھتے ہیں،

متروك الحديث (الہ آباد صفحہ ۲۲۰)

وہ متروک الحدیث ہے۔

امام موصوف اسی کتاب میں لکھتے ہیں (صفحہ ۵۳)

والكذابون المعروفون بوضع الحديث على رسول الله صلعم اربعة ابن ابى يحيى بالمدينة والواقدى ببغداد ومقاتل بن سليمان بخراسان ومحمد بن سعيد بالشام،

اور وہ جھوٹے جو حضور انور صلعم پر حدیث گھڑ کر بیان کرنے میں مشہور ہیں، چار شخص ہیں، ابن ابی یحیی مدینہ میں، واقدی بغداد میں، مقاتل بن سلیمان خراسان میں، اور محمد بن سعید شام میں،

ان متفق علیہ اماموں کے فتوی کے بعد واقدی کے طرفداروں کی حیثیت جس قدر رہجاتی ہے وہ ظاہر ہے،

اب آگے چلیے، رجال کی عام کتابوں تہذیب التہذیب ابن حجر، میزان الاعتدال ذہبی، وغیرہ کا جائزہ لیجئے۔ امام بخاری کے استاد ابن مدینی کہتے ہیں،

عنده عشرون الف حديث يعنى ما لها اصل وقال فى موضع آخر ليس هو بموضع للرواية وابراهيم بن يحيى كذاب وهو عندى احسن حالا من الواقدى (تهذيب)

واقدی کے پاس ۲۰ ہزار حدیثیں ہیں یعنی انکی کوئی اصل نہیں ہے، دوسری جگہ وہ کہتے ہیں کہ واقدی روایت کے کسی مرتبہ میں نہیں ہے ابراہیم بن یحیی بڑا جھوٹا ہے، مگر واقدی میرے نزدیک اچھا ہے،

ایک اور ان کا قول ہے،

الهيثم بن عدى اوثق عندى من الواقدى ولا ارضاه فى الحديث ولا فى الانساب ولا فى شيء (تهذيب)

ہیثم بن عدی میرے نزدیک واقدی سے زیادہ قابل اعتبار ہیں واقدی کو حدیث میں اور نہ نسبوں کے بیان میں اور نہ کسی چیز میں پسند کرتا ہوں

الواقدى يضع الحديث، (ميزان)

واقدی حدیث جعلی بنایا کرتا ہے،

امام شافعی فرماتے ہیں،

كان بالمدينة سبع رجال يضعون الاسانيد واحد هم الواقدى (تهذيب)

مدینہ میں سات آدمی تھے جو سند جعلی بنایا کرتے تھے ان میں ایک واقدی ہے،

اہل سنت کے امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں

الواقدی کذاب (تہذیب) — واقدی بڑا جھوٹا ہے،

لم یزل احمد لواقدی یدافع حتی روی عن معمر عن الزهری عن نبهان عن ام سلمة افعیاوان انما جاء بشئ لاحیلة فیه (تہذیب) — واقدی کی طرف سے ہمیشہ مدافعت کیجاتی رہی، یہاں تک کہ انھنے معمر، زہری، نبہان اور ام سلمہ کے مسلسل واسطہ سے روایت کی تو اب اسکی مدافعت کا کوئی حیلہ باقی نہ رہا،

هو کذاب یقلب الاحادیث (میزان) — وہ بڑا جھوٹا ہے، حدیثیں الٹ پلٹ ڈالتا ہے،

دیکھو فن کے اماموں نے اس کے ساتھ کیا برتاؤ کیا ہے،

قال البخاری الواقدی متروک الحدیث ترکه احمد وابن المبارک وابن نمیر واسمٰعیل بن زکریا، (تہذیب) — بخاری نے کہا واقدی متروک الحدیث ہے، امام احمد، عبد اللہ بن مبارک، ابن نمیر اور اسماعیل بن زکریا نے اس کو چھوڑ دیا،

علی بن مدینی بغداد آئے تو وہاں کے شیوخ کے حلقوں میں پھرے، واقدی کے حلقہ میں چلنے کی انکے رفیق نے سفارش کی تو ان کو متردد پایا، بالآخر بغداد کے امام احمد بن حنبل کو لکھکر استصواب کیا، امام نے یہ جواب دیا،

کیف تستحل ان تکتب حدیث رجل روی عن معمر حدیث نبهان، (تہذیب) — تم اس شخص سے حدیث لکھنا کیسے جائز سمجھتے ہو جس نے معمر سے نبہان والی حدیث روایت کی،

فن نقد کے امام یحییٰ بن معین فرماتے ہیں،

ضعیف، لیس بشئ، کان یقلب حدیث یونس بغیرہ عن معمر، لیس بثقة (تہذیب) — ضعیف ہے، وہ کچھ نہیں، وہ یونس والی حدیث دوسرے کے نام بدل دیتا تھا، وہ ثقہ نہیں ہے،

لیس بثقة لا یکتب حدیثه (میزان) — وہ ثقہ نہیں، اسکی حدیث نہ لکھی جائے،

صحاح ستہ کے مصنفین میں سے ایک ابو داؤد کہتے ہیں،

اکتب حدیثه ولا احدث عنه ما اشک انه — میں اوسکی حدیث نہیں لکھتا، اور نہ اس سے روایت کرتا، مجھے

کان یفتعل الحدیث، (تہذیب) — کوئی شک نہیں ہے کہ وہ حدیث جعلی بنایا کرتا تھا،

امام ترمذی کے شیخ بندار کہتے ہیں،

ما رأیت اکذب منه (تہذیب) — میں نے اس سے زیادہ جھوٹا نہیں دیکھا،

اسحاق بن راہویہ کہتے ہیں،

هو عندی ممن یضع الحدیث (تہذیب) — میرے نزدیک وہ ان لوگوں میں ہے جو حدیث وضع کیا کرتے تھے

ابو زرعہ رازی، ابو بشر دولابی اور عقیلی کہتے ہیں،

متروک الحدیث، (تہذیب) — اسکی حدیث چھوڑ دیگئی ہے،

ناقد حدیث ابو حاتم رازی کہتے ہیں، کہ انھوں نے اور محدثین نے کیونکر اس کا امتحان لیا،

وجدنا حدیثه عن المدنیین عن شیوخ مجہولین — ہمنے مدینہ والوں سے اوسکی حدیث نامعلوم شیوخ سے روایت کی ہوئی

مناکیر قلنا یحتمل ان تکون تلک الاحادیث منه — منکر پائی، ہمنے کہا کہ ممکن ہو کہ یہ اسکی کارروائی ہے، یا اس کے ان

ویحتمل ان تکون منهم ثم نظرنا الی حدیثه — نامعلوم استادوں کی ہو، پھر ہمنے غور سے اوسکی حدیث کو جو ابن ابی

من ابی ذئب ومعمر فانه یضبط حدیثهم — ذئب اور معمر سے تھی، دیکھا کیونکہ وہ ان لوگوں کی حدیثوں میں ضبط

فوجدناه قد حدث عنهما بالمناکیر فعلمنا انه — رکھتا تھا، تو پایا کہ اوس نے ان دونوں بزرگوں سے بھی منکر روایتیں

منه فترکنا حدیثه (تہذیب) — کی ہیں، تو ہمنے جان لیا کہ اسی کی کارروائی ہو، تو پھر ہمنے اوسکی حدیث چھوڑ دی

ابو حاتم اور نسائی کا بیان ہے،

یضع الحدیث، (میزان) — وہ حدیث وضع کرتا تھا

دارقطنی،

فیه ضعف (میزان) — اس میں کمزوری ہے،

جوزجانی

لم یکن مقنعا، (تہذیب) وہ تسلی دینے والا نہیں،

ابن عدی،

احادیثہ غیر محفوظۃ والبلاء منہ (عیون الاثر) اسکی حدیثیں غیر محفوظ ہیں، اور آفت اوسی سے ہے

واقدی کے متعلق اس کے معاصرین اور اس کے قریب العہد ناقدین کی جنمیں اسلام کے نامورترین علما اور ائمہ داخل ہیں، یہ رائیں ہیں، غور کرو کہ ایسا شخص سیرۃ کے اہم مباحث میں کوئی قابل وقعت سند بن سکتا ہے؟ متاخرین نے اوسکی نسبت جو آخری اور اختتامی فیصلہ کیا ہے وہ بھی سن لیجئے،

امام نودی (صحیح مسلم کے شارح) شرح مہذب کتاب الغسل میں لکھتے ہیں،

الواقدی ضعیف باتفاقھم (تہذیب) واقدی بالاتفاق ضعیف ہے،

امام ذہبی میزان میں کہتے ہیں،

استقر الاجماع علی وھن الواقدی، واقدی کے ضعیف ہونے پر اجماع ہو چکا ہے،

علامہ زرقانی مالکی سیرۃ کی سب سے مشرح ومبسوط کتاب شرح مواہب میں غزوۂ بدر کے بیان میں واقدی کی نسبت لکھتے ہیں،

الحافظ المتروک مع سعۃ علمہ (جلد اول صفحہ ... مطبوعہ مصر) حافظ در باوجود اپنی وسعت علم کے متروک،

غرض وہ بالاتفاق متروک ہے یعنی چھوڑ دیا گیا ہے، اور اسکی روایت سے پرہیز کیا جاتا ہے، اسلیے وہ استناد کے قابل نہیں، ابن سید الناس نے عیون الاثر میں محمد بن اسحاق اور محمد بن عمر الواقدی دونوں کی توثیق وجرح کے اقوال یکجا کئے ہیں، اور جرح کے جوابات دینا چاہتے ہیں، چنانچہ محمد بن اسحاق کی جرح کے جوابات بہت جوش وخروش سے دئیے ہیں، مگر محمد بن عمر واقدی کی جرح کے جوابات نہ دیسکے، اور شروع ہی میں سپر ڈالدیا کہ

اما الکلام فیہ فکثیر اس پر اعتراضات بہت زیادہ ہیں،

واقدی کی کتاب کی حیثیت | خود مصنف کی حیثیت متعین ہو جانے کے بعد اسکی تصنیف کی حیثیت بھی متعین ہو جاتی ہے ایسے غیر معتبر، دروغگو اور جھوٹے کی روایتوں کے مجموعہ کا کیا درجۂ استناد ہو سکتا ہے، اسی لیے امام شافعی فرماتے ہیں،

کتب الواقدی کلہا کذب — واقدی کی تمام کتابیں جھوٹ ہیں،

امام دارقطنی فرماتے ہیں،

الضعف یتبین علی حدیثہ — اسکی روایت پر ضعف نمایاں ہے،

واقدی کا طرزِ تصنیف بتا چکا ہوں کہ وہ راویوں کے متعدد ناموں کو یکجا کر کے پورا واقعہ بلکہ پوری کتاب قصہ کی طرح بیان کر دیتا ہے جس سے یہ بالکل نہیں معلوم ہوتا کہ یہ خاص خاص روایتیں اس نے کہاں سے لی ہیں اور اسی لیے اسکی کتابیں غیر معتبر سمجھی جاتی ہیں، اب اسی کتاب المغازی کو لیجئے، جو وان کریمر کے جمع و تحشیہ سے کلکتہ میں چھپی تھی کہ اس کے شروع میں ایک ہی جگہ اپنے ۲۵ شیوخ کے نام لکھدیئے ہیں، اور کہدیا کہ ان میں سے بعض کی باتیں بعض میں ملگئی ہیں اور اس کے بعد بے سند مسلسل ایک کہانی کی طرح غزوات کے تمام حالات بیان کر دیئے ہیں، کہیں کہیں سند الگ بھی آتی جاتی ہے مگر منقطع، بہرحال یہ ابتدائی سند بھی صرف اس کے شیوخ کی ہیں، اون کے آگے کے راویوں کا اوس نے کوئی پتہ نہیں دیا ہے، سمجھ لیجئے کہ ایسی روایتوں کے مجموعہ کی محدثین میں کیا وقعت ہو سکتی ہے، اور اسی لیے واقدی کی کتاب المغازی اہل نقد میں کوئی درجہ نہیں رکھتی، چنانچہ امام احمد بن حنبل نے واقدی کی اسی طرز تالیف کی بنا پر اسکی کتاب کو غیر مسلّم ٹھہرایا ہے، (عیون الاثر) البتہ حربی واقدی کے ایک طرفدار نے یہ کہا ہے کہ "اگر یہ واقدی کا عیب ہے تو زہری اور ابن اسحاق نے بھی یہ طرز اختیار کیا ہے" مگر یہ جواب اسلئے صحیح نہیں کہ زہری اور ابن اسحاق کی شخصیت بجائے خود بلند ہے، اس کے علاوہ انھوں نے کہیں کہیں یہ طرز اختیار کیا ہے، پوری کتاب کی کتاب کی یہ حالت انھوں نے یہ نہیں بنا دی ہے، اور واقدی نے اپنی ذاتی کمزوری، اور بے اعتباری کے ساتھ ساتھ عموماً اپنا یہ وتیرہ اختیار کر لیا، اس سے اسکی کتاب گر گئی، اور سند کے قابل نہیں رہی، پوری کتاب میں شاذ و نادر ہی اس کے یہاں پوری سند موجود ہے، اگر کہیں کہیں ہے بھی تو کسی

ابتدائی عینی شاہد تک تو وہ پہنچتی ہی نہیں، اور جو پہنچے بھی تو رواۃ ناقابل اعتبار، اسلئے اس کتاب کے ایسے واقعات جو دوسری معتبر کتابوں میں موجود نہ ہوں ناقابل تسلیم ہیں،

واقعہ کی اصلیت اب اتنی تمہیدوں کے بعد بدر میں آپ کے ڈر کر بیہوش ہوجانے کی روایت پر غور کیجئے اگر یہ واقعہ بالفرض واقدی کی کتاب المغازی میں ہو بھی تو اوسکی حیثیت کا اندازہ آپ مصنف اور تصنیف کی حیثیت سے لگا چکے ہونگے اور آپ نے سمجھ لیا ہوگا کہ ایسے جھوٹے، بے اعتبار، جعلی حدیث بنانے والے کی روایت کا کیا درجہ ہوگا؟ یہ واقعہ واقدی کی جس روایت پر مبنی ہے، واقدی نے اوسکا سلسلہ سند مطلق نہیں بیان کیا ہے، کہ اس سے کس نے یہ بیان کیا، اور اوس نے کس سے سنا، اور اس کا آخری شریک واقعہ عینی گواہ کون ہے، غرض مطلق بے سند بات ہے، اور سیرت اور حدیث کی کس کتاب سے اسکی تصدیق و تائید ہوتی ہے،

بہرحال اس خاص واقعہ کی تحقیق کے سلسلہ میں جب مارگولیتھ صاحب کی کتاب محمد اور ترقی اسلام (محمد اینڈ دی رائز آف اسلام) اور ولہاؤسن کی "محمد مدینہ میں" کا اقتباس مذکور دیکھا، اور اس کا واقدی کریم کے شایع کردہ اصل عربی متن سے مقابلہ کیا تو معلوم ہوا کہ اس دروغبانی میں بیچارہ واقدی کا اوتنا قصور نہیں جسقدر ولہاؤسن صاحب اور مارگولیتھ صاحب کا ہے، "اوّل ظلم درجہان اندک بود، ہر کہ آمد برآن مزید کرد" سب سے پہلے آپ مارگولیتھ صاحب کی روایت پڑھیے:-

"جب خون کا پہلا قطرہ گر پایا گیا، تو پیغمبر اپنے جھونپڑی میں واپس آیا، اور غش کھا گیا، جب وہ ہوش میں آیا تو اس نے اپنا وقت دعا کے نذر کیا، تاکہ وہ یہ دکھائے کہ وہ بالکل ہوشیار تھا" (صفحہ ۲۵۹)

مارگولیتھ صاحب اپنے اس اختراع فائقہ کا ماخذ واقدی کے جرمن ترجمہ کو بتاتے ہیں، جسکا مترجم ولہاؤسن ہے، اور جس نے اس کا نام "محمد مدینہ میں" رکھا ہے:-

"جب فوجیں ایک دوسرے کے مقابل آئیں تو محمد کو غش آگیا۔ . . . بہرحال وہ بہت جلد ہوش میں آگئے" (برلن ۱۸۸۲ء صفحہ ۵۰)

اب آئیے اور واقدی کی کتاب المغازی کھولیں، اس میں کیا ہے؟ لفظی ترجمہ یہ ہے،

پھر عتبہ نے اپنے مقابلہ کے لیے (مسلمانوں کو) پکارا، اور رسول اللہ صلعم اپنے عریشہ میں تھے، اور آپکے صحابہ اپنی صفوں میں تھے، تو آپ لیٹ گئے تو آپ کو نیند نے چھالیا، جو آپ پر غالب آگئی تھی، اور فرمایا تم اس وقت تک نہ لڑو، جب تک میں تم کو اجازت نہ دوں، اور اگر وہ تمھارے قریب آجائیں تو ان کو تیر مارو، اور تلوار اس وقت تک نہ کھینچو جب تک وہ تم پر چھا نہ جائیں، ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یا رسول اللہ! لوگ قریب آگئے، اور انھوں نے ہمیں پا لیا، تو رسول اللہ صلعم بیدار ہوئے، اور خدا نے آپ کو کافروں کو خواب میں تھوڑا کرکے دکھایا، اور بعض کو بعض کی آنکھوں میں تھوڑا کرکے دکھایا، تو رسول اللہ بے قرار ہوئے اور دونوں ہاتھ اپنے اٹھائے تھے اپنے رب سے موعودہ نصرت مانگ رہے تھے، (کتاب المغازی واقدی مطبوعہ کلکتہ ۱۸۵۵ء (دان کریر)

ناظرین! غور کریں، بات کہاں سے کہاں گئی، واقدی تو نیند کا ذکر کرتا ہے، ولہا ذ سن اس کا ترجمہ غشی کرتے ہیں، مارگولیتھ صاحب ڈر سے غش کھا کر گر جانا (FAINTED) اس سے مطلب نکالتے ہیں، کیا یورپین مستشرقانہ تحریف کی اس سے بہتر کوئی مثال ہو سکتی ہے؟ عربی جاننے والوں کے لیے ہم واقدی کی کتاب کی اصل عبارت نقل کر دیتے ہیں،

"ثم دعا عتبة الى المبارزة ورسول الله صلعم فى العريش واصحابه على صفوفهم، فاضطجع فغشيه نوم غلبه وقال لا تقاتلوا حتى اوذنكم وان ادنوكم فارموهم ولا تسلوا السيوف حتى يغشوكم، قال ابوبكر رض يارسول الله قد دنا القوم وقد نالوا منا فاستيقظ رسول الله وقد اراهم الله اياهم فى منامه قليلا وقلل بعضهم فى اعين بعض ففزع رسول الله صلعم وهو رافع يديه يناشد ربه ما وعده من النصر"

ہمارے عربی خوان طلبہ غور سے اس عبارت کا ایک ایک لفظ پڑھ جائیں اور بتائیں کہ اس میں کون لفظ ہے جس کا ترجمہ آکسفورڈ اور جرمنی کے عربی پروفیسروں نے ڈر کر غش کھا کر گر جانا کیا ہے، نہ تو اس میں خوف

کے پہلے قطرہ کے گرنے" کا لفظ ہے، نہ اس میں اس موقع پر" باہر سے اندر بستر میں آنے کا لفظ" ہے، نہ فوجوں کے باہم مقابل آنے کا لفظ" ہے نہ "غش کھانے کا لفظ" ہے، نہ پھر ہوش میں آئے" کا لفظ ہے، کیا مستشرقانہ ژرف نگاہی کی اس سے اور زیادہ بہتر دلیل چاہیئے؟ کیا یہ علمائے یورپ کے ناطرفدارانہ مطالعۂ مشرقیات کی سب سے اچھی مثال نہیں؟ اور اوکسفورڈ کے عربی پروفیسر کے تبحر اور فضل و کمال اور بے تعصبی کی عمدہ نمایش نہیں؟

اب میں بتاتا ہوں کہ ان فضلائے روزگار کی غلطی کا کیا منشا ہے؟ واقدی نے اس موقع پر غشیہ نوم غلبہ (نیند آپ پر چھا گئی جو آپ پر غالب آگئی تھی) غشی کا لفظ اس میں ہے، جس کے معنی عربی میں چھا جانے کے ہیں جیسے قرآن مجید میں ہے،

واللیل اذا یغشیٰ   قسم ہے رات کی جب وہ چھا جائے،

اوکسفورڈ اور جرمنی کے فاضلوں نے غشی کو غشی اور بیہوشی سمجھا، حالانکہ عربی کا ایک معمولی طالب العلم یہ جانتا ہے کہ جب غشی اور بیہوشی کے معنی اس لفظ سے ادا کرنا چاہیں گے تو باب افعال کا صیغہ مجہول استعمال کیا جائیگا، یعنی اُغشیَ، پھر جب اس میں مجرد ثلاثی کے فعل معروف کے ساتھ غشیہ موجود ہے، اس کے بعد اس کا فاعل لفظ نوم (نیند) موجود ہے، اسکے بعد استیقظ، نیند سے بیدار ہونا موجود ہے، پھر خواب کا دیکھنا مذکور ہے، تو پھر اس موقع پر سو جانے کے بجائے غش کھانا ترجمہ کرنا کس درجہ نادانی اور جہالت ہے، اسی کے ساتھ سونے کے وقت جنگ کا نقشہ اور تدبیر بھی آپ بتا رہے ہیں کیا کوئی ایسی اضطراری غشی بھی ممکن ہے، جسکو تھوڑی دیر رہ کے کوئی جنگ کی اہم بحث کا فیصلہ بھی کرتا جائے،

نیند کے چھانے کا محاورہ قرآن میں اسی موقع پر آیا ہے،

اِذْ یُغَشِّیْکُمُ النُّعَاسَ اَمَنَۃً مِّنْہُ (انفال)   یاد کرو جب خدا اپنے امن سے تم پر نیند کو چھا رہا تھا،

کیا یہاں بھی ترجمہ "بیہوش کر رہا تھا" مناسب ہوگا؟

اب رہی واقدی کی اصل روایت یعنی اس وقت آنحضرت صلعم کے سونے اور بیدار ہونے اور خواب میں

فوج کو کم تعداد میں دیکھنے کی روایت تو یہ سرتاپا لغو ہے، اس موقع پر کے تمام واقعات احادیث اور معتبر کتب مغازی میں مذکور ہیں، لیکن اس موقع پر تو نیند، بیداری اور خواب کا مطلق ذکر نہیں، بلکہ اس وقت بیداری اور عام مصروفیت کا بیان بتصریح ہے، یہ مشہور و معروف واقعہ کہ جب عتبہ نے مبارزت طلب کی تو پہلے تین انصاری جوان مقابلہ کو نکلے، عتبہ نے ان سے لڑنے سے انکار کر دیا، اور چلا کر کہا کہ محمد یہ لوگ ہمارے جوڑ کے نہیں، ہمکو اپنے برادر عم زادو سے غرض ہے، چنانچہ آنحضرت صلعم کے ارشاد کے مطابق انصار ہٹ آئے، اور آپ نے حضرت علیؓ حضرت حمزہؓ اور حضرت عبیدہؓ اپنے عزیزوں کو بھیجا، کہاں یہ واقعہ اور کہاں واقدی کا یہ بیان کہ عتبہ نے مبارزت طلب کی، آنحضرت صلعم پر اس وقت نیند چھائی جا رہی تھی، آپ سو گئے، اور پھر خواب دیکھا، اور حضرت ابوبکرؓ کے پکارنے سے پھر اُٹھے:

ابوداؤد میں اس واقعہ کی اصلی صورت موجود ہے،

عن الساعدی قال النبی صلعم یوم بدر اذا	ساعدی سے روایت ہو کہ آپ نے بدر کے دن فرمایا جب قریش تمہارے قریب آجائیں
اکثبوکم فارموھم بالنبل ولا تسلوا السیوف	تو ان کو تیر مارو اور تلوار اس وقت تک نہ کھینچو جب تک وہ تم کو چھا نہ لیں،
حتی یغشاکم[1] (کتاب الجهاد باب فی سل السیوف)	" " " " " " " " "
عن علی قال تقدم یعنی عتبة بن ربیعة	حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ وہ یعنی عتبہ آگے بڑھا، اور اس کے پیچھے
وتبعه ابنه واخوه فنادی من یبارز فانتدب	اس کا بیٹا اور اس کا بھائی آیا، اور عتبہ پکارا کہ کون مقابل آتا ہے؟ تو چند انصاری
له شباب من الانصار فقال من انتم فاخبروه	نوجوانوں نے ان کا جواب دیا، اس نے پوچھا تم کون ہو؟ انھوں نے بتایا،
فقال لا حاجة لنا فیکم انما اردنا بنی عمنا فقال	اس نے کہا، ہمکو تمہاری ضرورت نہیں ہمکو اپنے چچازاد بھائی چاہئیں، رسول اللہ

رسول الله صلعم قم یا حمزة قم یا علی قم یا عبیدة (ایضاً) صلعم نے فرمایا اے علی تم اُٹھو، اے حمزہ تم اٹھو، اے حارث تم اٹھو،

کیا یہ کسی بزدل بیہوش کے کام ہیں، پھر خود آنحضرت صلعم نے اپنے ہاتھ میں تیر لیکر مسلمانوں کی صفوں کو

[1] اسی معنی کی روایت صحیح بخاری جلد ۲ غزوۂ بدر میں بھی ہے،

درست کیا، اور ان کو برابر کیا، کیا یہ کسی بزدل اور بیہوش کا کام ہے؟ بدر کے ہیرو حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ ہم میں سے بہادر شخص وہ سمجھا جاتا تھا جو لڑائی میں آپ کے برابر کھڑا ہوتا تھا، کیا یہ کسی بزدل و بیہوش کا کام ہے؟ اُحد میں جب اکثروں کے پاؤں اکھڑ گئے تھے، کون حملوں کا نشانہ تھا، اور وہ اپنی جگہ پر کھڑا تھا؟ محمد رسول اللہ صلعم! کیا یہ کسی بزدل کا کام ہے؟ حنین میں جب دس ہزار صحابہ نے تھوڑی دیر کے لیے قدم پیچھے ہٹائے، تو پہاڑ کی طرح کون اپنی جگہ پر جما رہا؟ محمد رسول اللہ صلعم! ایک غزوہ کی واپسی میں ایک منزل پر دوپہر کو جب تمام صحابہ مختلف درختوں کے سایہ میں آرام کر رہے تھے اور ایک بدوی آپ ہی کی تلوار بے نیام کرکے آگے بڑھا، اور آپ سوتے سے جاگ پڑے، اور اس نے پوچھا کہ اے محمد! تم کو اب کون مجھ سے بچا سکتا ہے، آپنے جواب دیا اللہ! اور اسنے یہ معجزانہ سکون اور طمانیت دیکھکر تلوار نیام میں کر لی، تو یہ کارنامہ کسی بزدل کا ہے؟ یہ سچ ہے کہ آپ نے اپنا ہاتھ کسی کے خون سے رنگین نہیں کیا، یہ پیغمبرانہ پاکی تھی، مگر یہ قلب کے ضعف اور دل کی کمزوری کی علامت نہیں،

واقدی نے یہ روایت بنا کر حقیقت میں قرآن مجید کی اس آیت پاک کی تفسیر کرنی چاہی ہے جو واقعۂ بدر کے تعلق سے نازل ہوئی،

اِذْ یُرِیْکَھُمُ اللّٰہُ فِیْ مَنَامِکَ قَلِیْلاً وَلَوْ اَرٰکَھُمْ	یاد کر جب خدا نے تجکو تیری نیند میں ان لوگوں کو تھوڑا کرکے دکھایا، اگر
کَثِیْراً لَّفَشِلْتُمْ وَلَتَنَازَعْتُمْ فِی الْاَمْرِ (انفال)	ان کو زیادہ کرکے تجھے دکھاتا، تو تم سست ہوجاتے اور لڑائی کے فیصلہ میں باہم اختلاف کرلیتے

واقدی نے اپنی جہالت سے اس خواب کا موقع عین معرکہ کا وقت سمجھکر اس معجزانہ خواب کی روایت تیار کرلی، حالانکہ خود اسی آیت میں یہ موجود ہے کہ لڑائی کے متعلق فیصلہ ہوجانے سے پہلے ہی آنحضرتؐ کو یہ تمثیلی خواب دکھایا گیا تھا، جس میں انکی تعداد کی کثرت کو نتیجہ کے لحاظ سے کم تعداد کرکے دکھایا گیا تھا، یعنی قریش کی شکست کی یہ پیشگوئی عالم رؤیا میں دکھائی گئی تھی،

پروفیسر مارگولیتھ صاحب نے اس "فرضی واقعۂ بیہوشی" کے تذکرہ سے پہلے آنحضرت صلعم کی کمزوری کے ثبوت میں ایک دو اور بے جوڑ باتوں کی تمہید کی ہے، وہ بھی سرتاپا لغو ہیں، پروفیسر صاحب کو واقعات

کے بگاڑنے، واقعات کی غلط ترتیب دینے، اور اچھی سے اچھی بات کو بدنما صورت میں دکھانے میں ید طولیٰ حاصل ہے، جسکے لیے وہ عقل کے علاوہ صرف و نحو و ادب و لغت ہر فن کا گناہ کرنے کے لیے فوراً تیار ہو جاتے ہیں چنانچہ اسکی بدترین مثال ان کی کتاب کے صفحہ ۰ میں ہے، کہ :-

"محمد خدیجہ کے ساتھ ملکر ہر رات کو سونے سے پہلے ایک خانگی عبادت ایک دیبی کی تعظیم میں کیا کرتے تھے"

موصوف نے اسکے لیے مسند جلد ۴ صفحہ ۲۲۲ کا حوالہ دیا ہے، حالانکہ مسند کی روایت محولہ میں بالکل اس کے خلاف واقعہ درج ہے، اور آنحضرت صلعم اور حضرت خدیجہ کا نہیں بلکہ اہل عرب کا یہ دستور مذکور ہے کہ وہ عزّیٰ کی پوجا کر کے سویا کرتے تھے، چنانچہ عربی جاننے والے کے لیے اصل روایت لکھی جاتی ہے،

حدثنی جار لخدیجۃ بنت خویلد انہ سمع النبی	حضرت خدیجہؓ کے ایک ہمسایہ نے مجھ سے بیان کیا کہ انھوں نے آنحضرت صلعم کو
صلعم وھو یقول لخدیجۃ ای خدیجۃ واللہ	سنا کہ وہ حضرت خدیجہؓ سے فرما رہے تھے کہ اے خدیجہ خدا کی قسم میں لات و عزیٰ کی پرستش
لا اعبد اللات والعزیٰ واللہ لا اعبد ابدًا	نہیں کرونگا، خدا کی قسم نہیں کرونگا، حضرت خدیجہ کہتی تھیں لات کو جانے دیجئے
قال فیقول خدیجۃ خل اللات خل العزیٰ	عزیٰ کو جانے دیجئے (یعنی ان کا ذکر بھی نہ کیجئے) راوی کہتا ہے کہ یہ
قال کانت صنمھم التی کانوا یعبدون ثم یضطجعون	قریش کا وہ بت تھا جسکو وہ پوجتے تھے پھر لیٹتے تھے،

اللہ اکبر کتنی بڑی تحریف ہے، ایک معمولی عربی کا واقف سمجھ سکتا ہے، صنمھم الذی کانوا یعبدون، اور یضطجعون میں جمع کی ضمیر ہے، جو اہل عرب اور قریش کی طرف پھرتی ہے، اور "وہ" یعنی (محمد صلعم اور حضرت خدیجہؓ) کی طرف نہیں پھر سکتی، انھوں نے بجائے عربی کے شاید انگریزی قاعدہ کے مطابق جمع کی ضمیر تثنیہ کی طرف پھیر کر ایک ایسی بات کہی جو علمائے یورپ کے فضل و کمال کے دامن پر ہمیشہ داغ رہے گا،

قیاس کن زگلستان من بہار مرا

افسوس کہ معارف کے مختصر صفحات اس سے زیادہ کی گنجائش نہیں رکھتے اس کے لیے سیرت کی پانچویں جلد کا جو خاص اسی موضوع پر ہو گی ناظرین کو انتظار کرنا چاہیئے،

مساحتِ ذہنی

از جناب ظفر حسین خانصاحب سب ڈپٹی انسپکٹر مدارس فتحپور،

آج کل کے جدید دریافت شدہ مسائل میں ایک یہ مسئلہ بھی ہے، جسکی تعبیر مساحت ذہنی کے نام سے کیگئی ہے، اور جس کو فنِ تعلیم کے ساتھ ایک خاص مناسبت ہے، ہمارے دوست ظفر حسین خانصاحب سب ڈپٹی مدارس فتحپور، اپنی فلسفیانہ افتادِ طبع کے ساتھ ساتھ اپنے منصب کے لحاظ سے بھی پچھلی ششماہی میں اسی جدید نظریہ کے مطالعہ وتحقیق میں مصروف رہے، اور جسکا نتیجہ یہ اوراق ہیں جو آج ناظرین کے سامنے ہیں،

"معارف"

انسانی سیرت وباطن کا انکشاف، انسان کا ہمیشہ ہمیشہ کا مشغلہ ہے، اس معمہ کے حل کرنے میں اسنے اپنی دھن میں، دور ونزدیک، ممکن وغیر ممکن، متعلق وغیر متعلق، ہر قسم وہر قبیل کے وسائل و ذرائع استعمال کئے ہیں، سیاروں کی چال، کف دست کے خطوط، چہرہ کی ساخت، سر کی بناوٹ، رفتار، گفتار، غرضکہ جہاں سے ہوسکا اس نے اپنے مدعا کی لم لینے کی کاوش کی ہے، لیکن بالآخر یہ تمام کوششیں "اہل تدبیر کی واماندگیاں" ثابت ہوکر رہیں،

نشاۃ جدیدہ کے برکات میں سے ایک برکت یہ ہے کہ نفسیات جو دو ہزار برس سے زائد، مابعد الطبیعات کا جزو لاینفک بنا چلا آرہا تھا، ایک مستقل سائنس کے پیرایہ میں نمودار ہوا، اور ماہرِ نفسیات نے اپنی آرام کرسی دار الاختیار کی مشقت طلب میز سے، تبدیل کی، یہ، گویا، اسرارِ سیرت کی واکشائی کے حق میں فال نیک تھی، نفسیات کے مدارج ترقی کی تاریخ کہ کس طرح وہ محض علم نظری سے مفید علم عملی بنا اور پھر کس طرح عام خصوصیات نفس کے کلیات دریافت کرنے بعد مختلف افراد کے مختلف مزاجوں کی سراغ رسانی میں، کارآمد ثابت ہوکر، اسنے

م قیافہ، اور علم کاسہ سر وغیرہ کے نام سے ان علوم کو علمی حیثیت سے بدخل کیا، بیشک ایک نہایت دلچسپ مضمون ہے، لیکن چونکہ ہمارے موجودہ موضوعِ بحث سے غیر متعلق ہے، اس لیے قلم انداز کیا جاتا ہے، یہاں بحث مقدمہ سیرت شناس کے اس آخری فیصلہ سے ہے جس کا اصطلاحی نام "مساحت ذہن" ہے،

یورپ اور امریکہ میں "مساحت ذہنی" کے اغراض حسب ذیل ہیں،

(۱) طلبار کی ذہانت کے مختلف مدارج دریافت کرنا، تاکہ ذکی وغبی طلبا کی دفعہ بندی علحدہ علیحدہ ہوسکے اور بلید الذہن طلبا کی سست رفتاری کی وجہ سے تیز طبع بچوں کا ہرج نہ ہو،

(۲) طلبا کا میلانِ طبع معلوم کرنا اور ان کے مناسب حال طریقِ تعلیم تجویز کرنا،

(۳) طلبار اور بالغ العمر اشخاص کے قوائے ذہنیہ کا تناسب دریافت کرنا،

(۴) طلبار اور بالغ العمر اشخاص کے غالب ومغلوب جذبات کا تخمینہ کرنا،

(۵) مختلف پیشوں کے لیے معمول کی موزونیت کا اندازہ کرنا،

(۶) معمول کے اخلاق ومزاج کا پتہ لگانا،

مذکورہ بالا اغراض حاصل کرنے کے لیے، مساحت ذہنی کے متداول نظام یہ ہیں،

(۱) انفرادی مساحتِ ذہنی، جس میں فرداً فرداً معمول کا امتحان لیا جاتا ہے، اس میں تنہائی کی سخت تاکید ہے، عامل ومعمول کے علاوہ تیسرے شخص کی موجودگی ممنوع ہے، حتیٰ کہ امتحان کا کمرہ بھی نہایت سادہ وضع کا ہونا چاہیئے تاکہ معمول کا دھیان نہ بٹے،

(۲) عملی مساحتِ ذہنی، جس میں معمول اپنے ہاتھ سے کچھ آزمائشیں حل کرتا ہے،

(۳) اجتماعی مساحتِ ذہنی، جس کے ذریعہ سے متعدد افراد کی ایک وقت میں جانچ کیجا سکتی ہے،

(۴) حرفی ومزاجی مساحتِ ذہنی، جس میں کسی پیشہ کے لیے معمول کی صلاحیت اور اس کے مزاج کی حقیقت کی پرتال کیجاتی ہے،

(۵) درسی مساحتِ ذہنی جس میں نصابِ تعلیم کے مختلف مضامین کے ذریعہ سے مساحتِ ذہنی کیجاتی ہے، متذکرۂ بالا نظامات سے، اگر ہر ایک سے بالاستیعاب بحث کیجائے، تو ہر نظام اپنے لیے ایک مستقل ضخیم رسالہ کا طالب ہوگا، اس مختصر مضمون میں محض ان کی روشناسی ممکن ہے اور سردست یہی مقصود ہے،

(۱) انفرادی مساحتِ ذہنی،

مساحتِ ذہنی کو، ایک مستقل فن بنا دینے کا شرف، فرانس کے ایک ماہر نفسیات مسمی بہ الفرِڈ بنے (Bi NET) کو حاصل ہے، حکومت فرانس کی جانب سے یہ اس کارِ خاص پر مامور ہوا تھا کہ غبی اور ذہین طلبہ کے مدرسہ میں داخلہ کے وقت، ذہنی قابلیت کے اندازہ کا کوئی طریقہ نکالے، تاکہ کند ذہن طلبا کی سست رفتاری کی وجہ سے، تیز بچوں کا ہرج واقع نہ ہو اور جو عام غبی طلبا درسی تعلیم کے لیے موزوں نہیں ہیں ان کو ابتدا ہی سے ان کے مناسب حال مشاغل میں لگا یا جائے، جس میں وہ ترقی کر سکیں اور اپنی لائن میں ملک کے مفید فرد بن سکیں، اس طرح حکومت بے نتیجہ صرف خطیر سے بچ جائے گی اور ملک کے بچوں کا فضول وقت بھی ضائع نہ ہوگا،

چنانچہ اس تقریب سے ۱۹۰۵ء میں بنے نے ذہنی پیمائش کا سب سے پہلا پیمانہ تیار کیا، ۱۹۰۸ء میں اس پر نظرثانی کی اور ۱۹۱۱ء میں مزید اصلاح کی، حتیٰ کہ ۱۹۱۳ء میں، جب وہ مرا ہے، اپنا آخری پیمانۂ عقل ضروری ترمیم و اصلاح کے بعد شائع کرنے والا تھا،

یہ ظاہر ہے کہ کسی متعلم کی نفسی کیفیت پر نسبتہً قطعی اطلاع پانے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ ایک ماہر نفسیات، اپنی نگرانی تعلیم میں اس متعلم کا "مطالعہ" کرے یعنی اس کے ذہنی رجحانات، طبعی میلانات، مختلف مضامین درسیہ میں اس کی ترقی و عدم ترقی اور ان کے اسباب پر بغور نظر کرے اور اپنے مشاہدات سے تشخیصی نتائج اخذ کرے، لیکن یہ عمل ایک طویل وقت چاہتا ہے اور صحیح معنی میں ماہر نفسیات معلم، ابتدائی درسگاہوں کا عنقا ہے، لہٰذا کیوں نہ عقل کے تخمینہ کا کوئی ایسا آلہ تیار کیا جائے جو قلیل وقت میں متعلم کی ذہنی حالت کو

متعین کر دے، اور جس کو معلمین مبادیٔ نفسیات سے واقف ہونے کے بعد استعمال کر سکیں، یہ سوال فن مساحت عقل کی تدوین کی بنیادی خواہش تھی،

انفرادی مساحت ذہنی کا پیمانہ سہ سالہ بچہ سے لیکر بالغ العمر انسان تک کی عقل کی پیمائش کے لئے وضع کیا گیا ہے مثال کے طور پر جستہ جستہ آزمائشین جو مختلف سن کے بچوں کے لئے موزوں ہیں نقل کیجاتی ہیں، زیر بحث پیمانہ، ایجوکیشنل کمشنر، حکومت ہند کی جانب سے بنے کی اصول پر شائع ہوا ہے جو ہر صوبہ کے مقامی حالات کے لیے موزوں نہیں ہے، اصل یہ ہے کہ اس ملک میں جسطرح ناپ تول کے پیمانہ جدا جدا ہیں اسی طرح ہر صوبہ کی عقل کا پیمانہ بھی علیحدہ ہونا چاہیئے، چنانچہ راقم الحروف نے اپنے صوبہ کے مقامی حالات کے لحاظ سے سوالوں میں جا بجا ترمیم کر دی ہے، اور تبصرہ میں آزمایش کی نفسیاتی تنقید کی ہے، اخیر میں اپنے تجربات ختم کر دیئے ہیں،

عمر آٹھ سال،

آزمایش اول،

۲۰ سے ایک تک الٹی گنتی گننا

عمل۔ معمول سے کہو، "کیا تم الٹی گنتی گن سکتے ہو؟ اچھا بیس سے ایک تک الٹی گنتی گن تو جاؤ، اسطرح ۲۳، ۲۲، ۲۱، ۲۰، ہاں آگے چلو"

ہدایت۔ اگر بچہ ہراساں ہو تو اس کی ہمت افزائی کرو، ہمیشہ اوپر کے اعداد کی مثالیں جیسے ۲۴، ۲۳، ۲۲، ۲۱، جلدی نہ کرو، غلطی پر معمول کو ٹوکو نہیں،

تخمینہ۔ اگر ۲۰ سکنڈ میں معمول، ۲۰ سے ایک الٹی گنتی گن جائے اور ایک سے زائد غلطی نہ کرے تو اسے کامیاب سمجھو جو غلطیاں معمول خود صحیح کرے، انھیں غلطیاں شمار نہ کرو،

تبصرہ۔ اس عمل میں دو ذہنی قوتیں مشتمل ہیں، ایک مسلسل توجہ قائم رکھنے کی قوت، دوسری عادت بن

کے خلاف عمل کرنے کی قدرت، یہ دونوں قوتیں ذہانت کے ضروری اجزا ہیں، احمق اور مجانین کسی شے پر مقررہ اصول کے ماتحت اپنی توجہ قائم نہیں رکھ سکتے اور حیوانات کی طرح جدید حالات کے مطابق اپنے قدیم طرز عمل کو تبدیل نہیں کر سکتے، اس آزمائش سے بچوں کی ذہنی تکان کا بھی اندازہ کر سکتے ہو بعض بچے، دس تک الٹی گنتی گن کر پھر سیدھی گننے لگتے ہیں، بعض اس سے زائد گن سکتے ہیں اور بعض چار یا پانچ ہندسوں سے زائد آگے نہیں بڑھ سکتے، چنانچہ اس طور پر ان کی حدا گانہ توجہ کے ظرف کا اندازہ کیا جا سکتا ہے اور ریاضی کے اصول سے ان کی توجہ کا جذر نکالا جا سکتا ہے،

تجربہ۔ ۲۰ سکنڈ کی مدت کم معلوم ہوتی ہے، اس صوبہ کے لیے، شہری طلبا کے لیے ۳۰ اور دیہاتی طلبا کے لیے ۴۰ سکنڈ ہونا چاہئیں، اس عمر کے لیے یہ آزمایش موزوں ہے،

آزمایش دوم

دو چیزوں میں امتیاز کرنا،

عمل بتاؤ۔ دودھ اور پانی میں کیا فرق ہے، اگر معمول نہ سمجھے تو کہو، تم دودھ کو جانتے ہو، جانتے ہو یا نہیں اور پانی کو بھی جانتے ہو، اچھا تو بتاؤ "دودھ اور پانی میں کیا فرق ہے" اسی طرح پوچھو کہ پتھر اور انڈے میں کیا فرق ہے، لکڑی اور شیشہ میں کیا فرق ہے؟

ہدایت۔ اشارتی سوالات سے پرہیز کرو، لڑکے کا جواب اگر واضح نہ ہو تو سوال کرکے اسے صاف کراؤ

تخمینہ۔ اگر تین سوالوں میں سے دو کا جواب صحیح ہے تو لڑکا پاس ہے، صحیح صحیح منطقی تفریق کی طلبا سے توقع نہ کرو،

تبصرہ۔ قوت امتیاز، عقل کا مخصوص جوہر ہے، نفسی ارتقا کے رو سے بچہ میں اول تفریق کی قوت پیدا ہوتی ہے، اس کے بعد دو یا دو سے زائد چیزوں میں قدر مشترک معلوم کرنے کی قوت پیدا ہوتی ہے، اسلیے دو یا زائد چیزوں کے مابہ الاشتراک تہائی کے سوالات آئندہ عمروں کے لیے وضع کیے گئے ہیں،

تجربہ۔ طلبار کے سوالات کو نوٹ کرنا اور ان کی نوعیت پر غور کرنا چاہیئے، ان جوابات سے ان کی نفسی حالت کا پتہ چلے گا، اکثر دیہاتی بچوں کی جانب سے جو ادنیٰ طبقہ کے گھرانوں سے مدرسہ میں آتے تھے، مجھے یہ جواب ملا ہے کہ "صاحب دودھ اجل ہوتا ہے اور پانی میلونس" (یعنی دودھ سفید ہوتا ہے اور پانی اسکے مقابلہ میں میلا) لیکن انھوں نے اپنی "اجل اور میلونس" کی منطق باقی دو سوالوں میں بھی چلائی یعنی انڈے اور پتھر اور لکڑی اور شیشہ کے درمیان بھی ان کے نزدیک یہی فرق تھا، دیہاتی بچوں کے لیے اس عمر میں یہ سوال موزوں نہیں، ۹ برس کے بچوں کے لیے میں نے اسے موزوں پایا، شہری بچے کیلئے موزوں ہے،

آزمائش سوم

معاملہ فہمی،

عمل، (۱) اگر مدرسہ آتے ہوئے راستہ میں تمھیں معلوم ہو کہ دیر ہو گئی ہے تو کیا کروگے،

(۲) اگر تمھارے پاس سے کسی اور لڑکے کا قلم کھو جائے تو تم کیا کروگے،

(۳) اگر کسی لڑکے کے ہاتھ سے تمھارے چوٹ لگ جائے، جان کر نہیں، ویسے ہی تو تم کیا کروگے،

ہدایت:۔ ہر سوال کا جواب ۲۰ سکنڈ میں ملنا چاہیئے، ضرورت ہو تو سوال کا اعادہ کرو، لیکن سوال کی عبارت میں فرق نہ ہو، عموماً یا تو جواب فوراً ملے گا یا بالکل نہیں ملے گا،

تخمینہ۔ دو جواب صحیح ہونا چاہئیں،

تبصرہ، اس آزمائش سے یہ معلوم کیا جا سکتا ہے کہ معمول میں فرضی معاملات تصور کرنے اور ان کی نسبت فیصلہ کرنے کی قوت کہاں تک ہے، یہ گویا قوت تخیل اور قوت فیصلہ کا امتحان ہے جو بعض ماہر نفسیات کے نزدیک، دانشمندی کا مایۂ خمیر ہیں،

تجربہ۔ پہلے سوال کا جواب مجھے ۸۰ فیصدی کے قریب اب تک غلط ملے ہیں، اس سے اسکی نامناسبت کا پتہ چلتا ہے، اس کا جواب یا تو یہ ملا کہ گھر پلٹ جائیں گے یا کچھ نہیں ملا، وجہ یہ ہے کہ پابندی وقت کا احساس

ملک میں مفقود ہے، میرے خیال میں جبتک جبری تعلیم جاری نہ ہو جائے اس وقت تک اس قبیل کے سوالات کو ملتوی رکھا جائے،

آزمائش چہارم

تعریفات

عمل۔ کرسی کسے کہتے ہیں، تیر کسے کہتے ہیں، سپاہی کسے کہتے ہیں، دکان کسے کہتے ہیں۔

ہدایت، امداد ممنوع،

تخمینہ، دو جواب صحیح ہونا چاہئیں،

تبصرہ، نفس انسانی اور حیوانی میں ما بہ الامتیاز صرف یہ امر ہے کہ اول الذکر، تجرید تصورات و اخذ کلیات پر قادر ہے اور حیوان نہیں، یہ امتحان اسی قوت کے ابتدائی مدارج کا پیمانہ ہے اسی سے بچہ کے شعور کے ارتقار کا پتہ چلتا ہے، جوابات کی نوعیت پر غور کرنا چاہئے، بعض بچے ان چیزوں کی شکل کے بیان کرنے پر اکتفا کرتے ہیں، اور بعض ان کے اجزار کے نام لیکر سمجھانے کی کوشش کرتے ہیں، لیکن بعض اپنے سن و سال اور محدود معلومات کے مطابق خاص جنس و فصل تلاش کرنے اور بتانے کی کوشش کرتے ہیں،

تجربہ، اس میں شک نہیں کہ اس آزمائش میں زبان کے مشکلات لاحق ہیں، بہت سے معمول اپنے صحیح خیالات کو بیان کرنے پر قادر نہیں لیکن، میرے خیال میں قوت گویائی بجائے خود ذہانت کی ایک دلیل ہے، باتونی بچے اکثر بڑے ذہین بھی ہوتے ہیں، اسلئے کہ زبان پر قدرت، ایک خاص حد و قسم کی ذہنی ترقی کو مستلزم ہے،

آزمائش پنجم،

پانچ ہندسوں کا اعادہ،

عمل، معمول سے کہو، وہ غور سے سنے اور جو تم کہو اُسے دہرائے، اس کے بعد حسب ذیل اعداد کا

سلسلہ ایک ایک کرکے اسے سناؤ، ہر سلسلہ آہستہ آہستہ اور صاف صاف سنایا جائے، لہجہ اور وقت میں اختلاف نہ ہو، یعنی تقریباً دو سکنڈ کی رفتار سے اعداد بولے جائیں اور لہجہ میں موسیقیت پیدا نہ ہونے پائے،

(۱۴، ۱۱، ۷۷، ۵، ۹۱ - ۴، ۱۲، ۳، ۸، ۵، ۹۔ ۸، ۱، ۱، ۱، ۷۶۸)

ہدایت، معمول کو اعداد کی تعداد نہ بتانا چاہیے لیکن ہر سلسلۂ اعداد کو سنانے سے قبل، اس کی توجہ مائل کرلینا شرط ہے، جب بچہ اعادہ کررہا ہو، اس کی جانب نہ دیکھو،

تخمینہ، ایک سلسلہ کا صحیح ہونا کافی ہے،

تبصرہ، یہ دراصل صوتی، تلازمات ذہنی کے بنا پر حافظہ کی قوت کا امتحان ہے، احمق اس امتحان میں کامیاب نہیں ہو سکتے،

تجربہ، اس سن کے لیے موزوں ہے، میرے تجربہ کا فی صدی اوسط امید افزا ہے،

عمر بارہ سال

آزمائش اول،

غیر مرتب، جملے،

سامان، تین کارڈوں پر علیحدہ علیحدہ حسب ذیل جملے تحریر ہیں،

(۱) شہر روانہ ہم کو ہوئے علی الصباح،

(۲) سے استاد کھانے مین اپنے لیے اصلاح کی کاپی،

(۳) ہے کتا آقا حفاظت کی کرتا وفادار،

عمل، معمول کو ایک کارڈ دیکر اس سے کہو" دیکھو اس کارڈ پر ایک جملہ لکھا ہوا ہے مگر اس کے لفظ الٹ پلٹ گئے ہیں اور اسلیے مطلب سمجھ میں نہیں آتا، ان لفظوں کو ٹھیک کرکے ایک عمدہ سا جملہ تو بناؤ، جس کے معنی سب سمجھ سکیں" یہی عمل دیگر کارڈوں کے ساتھ کرو، ہر جملہ کے لیے ایک منٹ دو،

ہدایت: جواب لینے میں عجلت نہ کرو، اگر معمول کامیاب نہ ہو تو اس جملہ کو صحیح پڑھ کے سنا دو اور ہر لفظ کی طرف اشارہ کرتے جاؤ، تنقید و توضیح بالکل نہ کرو،

تخمینہ، دو جملے صحیح ہونا چاہئیں، اگر کسی جملہ میں کوئی لفظ رہجائے یا بدل جائے تو اسے صحیح نہیں شمار کیا جا سکتا، اگر جملہ معنی خیز ہو خواہ ترکیب اس کی غلط ہو تو آدھے نمبر دیئے جا سکتے ہیں،

تبصرہ، اکثر محققین کی رائے میں ذہانت کا یہ بہترین امتحان ہے، اسلیے کہ معمول اپنی ذہانت کے وسیلہ سے مہمل عبارت میں ایسے اشارات تلاش کرتا ہے جن کی مدد سے معنی خیز جملہ بن سکے،

تجربہ، معمول جس وقت تک یہ امر اچھی طرح نہ سمجھ لے کہ اسے کیا کرنا ہے، آزمائش بے سود ہے، اسلیے اولاً نمونہ کے طور پر دو جملے درست کر کے اسے آزمائش کا منشا سمجھا دینا ضروری ہے،

آزمائش دوم

استدلال

معمول کو ایک پرچہ کو جس پر حسب ذیل عبارت لکھی ہوتی ہے کہو کہ وہ اسے پڑھکر جواب دے،

"میں مدرسہ روانہ ہو کر سو گز چلا،

پھر داہنی جانب موڑ کر پچاس گز گیا،

پھر داہنی جانب موڑا اور سو گز چلا،

تو بتاؤ کہ میں اسکول سے کتنے دور چلا آیا،

ہدایت: معمول سے عبارت بآواز بلند پڑھواؤ اور حل دل میں کرنے دو، کسی طرح کی امداد نہ دو، اگر پہلی بار کامیاب نہ ہو تو دوبارہ کوشش کرنے کا موقع دو،

تخمینہ: اگر دوبارہ لڑکا صحیح بتائے تو آدھے نمبر دیئے جا سکتے ہیں، صحیح جواب عبارت پڑھنے کے بعد ایک منٹ کے اندر مل جانا چاہیئے،

تبصرہ۔ اس قبیل کے سوال کرنے میں ممول کو تخیل، تقابل اور ترتیب مقدمات اور استنباط سے کام لینا پڑتا ہے جو ذہانت کے اربعہ عناصر ہیں،

تجربہ۔ اس عمر کے لیے موزون ہے، دو سوال اسی قبیل کے اور ہونا چاہئیں،

آزمائش سوم

تصویر فہمی

سامان۔ چار مختلف تصویریں،

عمل۔ پہلی تصویر لڑکے کو دکھا کر تصویر کا منشا دریافت کرو،

ہدایت۔ اگر جواب مختصر ہو تو کہو "اپنا مطلب صاف صاف بیان کرو" دوران امتحان میں ممول کے جواب کی نسبت اپنی پسندیدگی یا ناپسندیدگی کا اظہار نہ کرو،

تخمینہ۔ تین تصویرون کا مطلب صحیح بتانا چاہیئے،

تبصرہ۔ تصویر کے امتحان کے تین درجے ہیں، تین سال کے بچون سے صرف یہ پوچھا جاتا ہے کہ یہ کس شے کی تصویر ہے مقصود یہ معلوم کرنا ہوتا ہے کہ اس کے ذہن میں اشیا و اسما کا تعلق کہان تک مرکوز ہو چکا ہے دوسرے درجہ پر تصویر کا بیان پوچھا جاتا ہے، یہ چھٹے سال کے لیے مخصوص ہے، لیکن تصویر کا مفہوم یا منشا ۱۰ سال سے قبل کبھی نہ پوچھنا چاہیئے، راقم الحروف اس عمر میں اکثر کارٹونوں کا منشا سمجھنے سے عاجز ہے

تجربہ۔ طلبا اس آزمائش میں کمال دلچسپی لیتے ہیں،

آزمائش چہارم

الفاظ کا جملون میں استعمال،

عمل:۔ دیکھو میں تین لفظ لیتا ہوں، اور ایک جملہ بناؤں گا جس میں یہ تینوں لفظ کھپ جائیں گے یہ تین الفاظ یہ ہیں:۔ "پرند، درخت، اور گھونسلہ، ان تینوں لفظون سے میں یہ جملہ بناتا ہوں، "پرند

درخت میں گھونسلہ لگاتے ہیں"، اب میں تمھیں بھی تین لفظ دیتا ہوں، تم بھی ایک جملہ بناؤ جس میں یہ تینوں لفظ آجائیں،

لڑکے، گیند، دریا،

اس کے بعد اسی طرح یہ دو سوال دو،

(۲) کام، روپیہ، آدمی،

(۳) سڑک، بازار، باغ،

ہدایت۔ اگر معمول یہ سمجھتا ہو کہ جملہ میں ان تین لفظوں کے علاوہ چوتھا لفظ نہ آئے تو اُسے اچھی طرح سمجھا دو کہ یہ تین لفظ دیگر الفاظ کے ساتھ استعمال کئے جائیں، ایک منٹ میں جواب نہ ملنے پر، دوسرا سوال بولو صرف ایک بار حل کرنے کی کوشش کا موقع دو،

تخمینہ:۔ دو جواب صحیح ہونا چاہئیں، صحت جواب کا معیار یہ ہے کہ جواب مفرد جملوں میں ہو، اگر دو جملوں میں بھی ہو، تو دو تصورات سے زائد اس میں نہ آنے پائیں، مثلاً یہ جواب غلط ہوگا، لڑکے کی گیند کھو گئی، اور ہم دریا گئے، اسی کے ساتھ جملہ مہمل نہ ہونا چاہیے، جیسے لڑکے کے پاس ایک گیند اور ایک دریا ہے واحد، جمع یا الفاظ کے صرفی تغیرات میں طلبا کو آزادی دینا چاہیئے،

تبصرہ۔ حماقت کی نمایاں خصوصیت، ائتلافات ذہنی کی کمی ہے، یہ آزمائش اس کمزوری کو آشکار کر دیتی ہے،

دیہاتی مدارس کے اس عمر کے طلبا کی کامیابی کا اوسط فیصدی امید افزا نہیں ہے، زیادہ عمر کے طلبا پر تجربہ نہیں کیا گیا، اسلیے اسکی موزونیت کے متعلق کوئی قطعی رائے ابھی نہیں دیجا سکتی،

آزمائش پنجم،

پانچ اعداد کا اعادۂ معکوس

عمل۔ جو عدد ہم تمھیں سنائیں گے ان کو الٹا دہرانا، جیسے اگر ہم کہیں ۱-۲-۳-، تو تم کہو گے ۳-

۲-۱، ۳-۱، ۸یا ۷، ۹-۶، ۶، ۹، ۴، ۸، ۲-۱، ۷یا ۶، ۹، ۲، ۵،

ہدایت: سلسلۂ اعداد کا دہرانا ممنوع ہے، اس وقت تک اعداد نہ سناؤ، جبتک معمول اچھی طرح تمھارا منشا نہ سمجھ لے، اگر معمول سیدھا اعادہ شروع کرے تو اسے ٹوک دو، اور الٹا اعادہ کرنے کو کہو، ہر سلسلہ سنانے سے قبل معمول سے بغور سننے کی فہائش کرو،

تخمینہ: ایک سلسلہ صحیح ہونا کافی ہے،

تبصرہ: اعادۂ معکوس، غائر توجہ کا طالب ہے، ذہین بچے دو دو اعداد کے مجموعے توڑکر اپنے ذہن میں قائم کر لیتے ہیں اور فوراً الٹا اعادہ کرجاتے ہیں یا جنکی قوت تخئیل زبردست ہے، وہ اپنی تخئیل سے کام لیتے ہیں،

تجربہ: نتائج امید افزا نہیں ہیں، بجائے پانچ، چار ہندسوں کا اعادہ مناسب معلوم ہوتا ہے، لیکن ابھی کوئی قطعی رائے نہیں دیجاسکتی،

غرضکہ اسی طرح اور عمروں کے لیے بھی آزمائشیں مقرر ہیں، مذکورہ بالا عمروں کی آزمائشوں میں کچھ عملی آزمائشیں بھی شامل تھیں، یعنی آٹھ سال کی عمر میں لکڑی کے چار مربعوں کو پانچویں مربع سے ایک خاص ترتیب میں کھٹکھٹانا اور معمول سے کہنا کہ وہ بھی اسی عمل کا اعادہ کرے یا ۱۲ سال کے معمول کو ایک لفافہ اور دو کاغذ دینا ایک صحیح تہ کیا ہوا اور دوسرا کھلا ہوا، اور معمول سے کہنا کہ وہ بھی کھلے ہوئے کاغذ کو اس طرح تہ کردے کہ لفافہ میں ٹھیک آجائے،

دیگر عمروں کی جستہ جستہ آزمائشیں مثالاً درج ذیل ہیں،

۹ سال، دو چیزوں کے درمیان مابہ الاشتراک بتانا، "آم اور نارنگی میں کونسی بات ایک ہے"

۱۰ سال، ۶۰ مختلف چیزوں کے نام دو منٹ کے اندر لینا، ذہین لڑکے اطلاقات ذہنی سے مدد لیتے ہیں، مثلاً انھوں نے پہلے "آدمی" لیا اور اس کے اعضا بتا گئے، اس کا ذخیرہ جب ختم ہوا تو دوسری شی لیکر اس کے متعلقات بتانے لگے، بلید الذہن ایک شے آسمان کی لیتے ہیں تو دوسری زمین کی اور

مشکل سے آٹھ دس نام لے پاتے ہیں کہ وقت ختم ہو جاتا ہے،

۱۱ سال، نفس میں کوئی خاص ارتقار نہیں ہوتا، اسلیے کوئی آزمائش مقرر نہیں،

۱۲ سال، آزمائشیں مع تنقید تفصیل سے اوپر دیجا چکیں،

۱۳ سال بھی ارتقائے نفسی کا عالم برزخ ہے، کوئی آزمائش اس سن کے لیے مقرر نہیں ہے،

۱۴ سال ایک کاغذ کے پرچہ کی چار تہیں کرکے معمول سے پوچھنا کہ اگر ہم اس مقام پر سوراخ کریں اور کاغذ کو کھولکر دیکھیں تو اسکی شکل کیسی ہوگی، دوسرا کاغذ دیکر اس پر نشانات لگوانا،

(۲) رحم، انتقام، فیاضی وغیرہم کی تعریف کرانا،

(۳) تین اشیا کا قدر مشترک دریافت کرنا، مثلاً گائے، سانپ، پرند،

بعض محققین نے تین سال سے سولہ سال تک فرداً فرداً آزمائشیں مقرر کی ہیں لیکن سولہ سال کے اوپر کوئی نہیں جاتا ہے کہ ارتقائے ذہن کی حد ۱۶ سال تک ہے، انسان کا دماغ اس عمر میں اپنے انتہائی وزن کو پہنچ جاتا ہے، اور بعد ازاں اس کی مقدار میں سر مو اضافہ نہیں ہوتا، بعض کے خیال میں ۱۵ برس انتہائی ہے لیکن اس میں اختلاف مرزبوم کے مطابق، اختلاف ہونا، لازمی ہے،

انفرادی مساحت ذہنی کا طریقہ یہ ہے کہ اول اس عمر کے سوالات کئے جاتے ہیں جو فی الواقع معمول کی ہے، اگر وہ صحیح جوابات دے تو اس سے اونچی عمر کے سوالات کیے جاتے ہیں یہاں تک کہ جواب دینے سے وہ قاصر رہے لیکن اس کے خلاف اگر معمول اپنی عمر کی آزمائشوں میں پورا نہیں اترتا ہے تو نیچی عمر کے سوالات کئے جاتے ہیں، یہانتک کہ وہ پاس ہو جائے، فرض کرو آٹھ سال کا معمول بارہ سال تک کی آزمائشوں میں کامیاب ہوتا ہے تو اس کی ذہنی عمر بارہ سال ہوئی، حالانکہ طبعی عمر ۸ سال ہے، ذہنی اور طبعی عمر کی نسبت اصطلاح میں معمول کا "ذہنی خارج قسمت" کہلاتا ہے، اگر ذہنی و طبعی عمر مساوی ہے تو ذہنی خارج قسمت ۱۰۰ اگر وانا جائے گا، لیکن بالفرض عمر طبعی ۸ اور ذہنی عمر ۱۲ ہے تو عقلی خارج قسمت برابر ہوگا $\frac{12}{8}$ × ۱۰۰ یعنی

۱۰۰ × ۷۱ء، اسی طرح اگر کسی ۱۲ سال کے معمول کی ذہنی عمر ۸ سال ثابت ہو تو اس کا ذہنی خارج قسمت برابر ہوگا ۸/۱۲ × ۱۰۰ یعنی ۶۶ اعشاریہ ۶ کے،

محققین فن بجائے ذہین و غبی کے غیر متعین الفاظ بولنے کے ذہنی خارج قسمت کی زبان میں گفتگو کرتے ہیں، چنانچہ اوسط درجہ کے طلبا کا ذہنی خارج قسمت ۹۰ سے ۱۱۰ تک کہا جاتا ہے، ذکی الطبع طلبا کا ۱۱۰ سے ۱۳۰ تک بولا جاتا ہے، اور بجائے اس کے کہ یہ لوگ یہ کہیں کہ فلاں شخص بڑا فطین ہے، یہ کہتے ہیں کہ اسکا ذہنی خارج قسمت ۱۳۰ سے اوپر ہے یعنی ۱۳۵-۱۴۰ وغیرہ ہے،

عملی مساحت ذہنی،

یہ نظام دراصل گونگے، بہرے اور غیر ملک کے بچوں کی ذہانت کی آزمائش کے لیے وضع کیا گیا تھا، اس نظام کا آلۂ امتحان زبان نہیں بلکہ عمل ہے، اکثر طلبا کو اشارہ سے بتا دینا کافی ہوتا ہے،

اس امتحان کا اندازہ ان مثالوں سے ہو سکتا ہے، ایک ہی قسم کی دو تصویریں لو، ایک کے قینچی سے کاٹ کر آٹھ ٹکڑے کرو، سالم تصویر، اور ٹکڑے معمول کے سامنے رکھ کر ٹکڑوں کو سالم تصویر کی شکل میں ترتیب دلاؤ، ایک تصویر بھی اس عمل کے لیے کافی ہے، اسی قبیل کے ہر سن و سال کے لیے آزمائشیں مقرر ہیں،

اسی اصول پر بعض ماہرین فن نے لکڑی کے تختے تیار کیے ہیں، جن میں اقلیدس کی مختلف شکلیں کٹی ہوتی ہیں، اور ان شکلوں میں صحیح صحیح پیوست ہو جانے والے لکڑی کے ٹکڑے علیحدہ علیحدہ ہوتے ہیں، معمول سے یہ ٹکڑے ان شکلوں میں رکھدینے کو کہا جاتا ہے، معمول کے حرکات کو بہ غور دیکھا جاتا ہے، غبی غلط شکلوں میں ٹکڑے رکھدیتے ہیں اور انھیں کچھ احساس نہیں ہوتا ہے اور ذہین، اگر ٹکڑے کا ٹکڑا غلط خانہ پر لا کر پلٹا لیجاتے ہیں اور اس کے مخصوص خانہ میں اُسے نصب کر دیتے ہیں، اگر خانہ کے اوپر لکڑی کا ٹکڑا لا کر معمول واپس لے جائے تو اس کے نمبر نہیں کاٹے جاتے ہیں، عمل میں وقت کی قید ہے، اس قسم کے بہت سے تختے وضع کئے گئے ہیں، جن میں مختلف شکلیں، مختلف اصول کے ماتحت بنائی گئی ہیں، مثلاً بعض تختے ایسے ہیں

جس میں دو دو ٹکڑے رکھے جاتے ہیں، سن و سال کے اعتبار سے مختلف آزمائشیں مقرر ہیں، مثلاً معمول کے داہنے بائیں ہاتھوں سے علحدہ علحدہ رکھوانا، دونوں ہاتھوں سے رکھوانا، آنکھوں پر پٹی باندھ کر بھی عمل کرانا وغیرہ وغیرہ،

ذیل میں اسی قسم کے ایک تختہ کی شکل دیجاتی ہے جو "تختۂ گاڈرڈ" کے نام سے موسوم ہے،
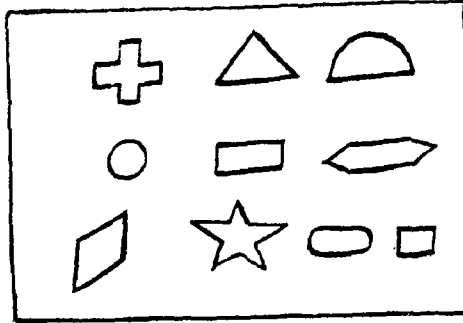
(باقی)

فلسفۂ اقبال،

از

جناب اکرام الحق صاحب سلیم، بی، اے،

در دیدۂ معنی نگہاں حضرت اقبال،
پیغمبری کرد و پیمبر نتواں گفت
(گرامی)

مغرب کے نقادانِ سخن کہتے ہیں، کہ "زمانہ اپنی رفتار کے مطابق شاعر پیدا کرتا رہتا ہے، اور ہر شاعر اپنے زمانہ کے حالات کا ایک مجسمہ ہوتا ہے" شاعری کی تاریخ اس دعویٰ کا ایک بیّن ثبوت پیش کرتی ہے، اور اقوامِ عالم کے مختلف زمانوں کی حالت اوسکی صداقت کی ایک مکمل دلیل ہے،

جب کسی قوم میں شجاعت اور جوانمردی کا جوہر کمال پر ہوتا ہے، اوس کے افراد میدانِ کارزار کو عیش ونشاط کا ایوان خیال کرتے ہیں شمشیر کی عریانی، ہلالِ عید کی تابانی کا لطف پیدا کرتی ہے، تو شاعر نعرۂ جنگ بلند کرتا ہے، اور قتل وغارت کا طبل بجاتا ہوا اُٹھتا ہے، وہ گوہر افشاں نہیں شرر ریز ہوتا ہے، اس کے منہ سے پھول نہیں جھڑتے چنگاریاں برستی ہیں، اس کے اشعار خنجر براں سے تیز تر ہوتے ہیں، انکی شعلہ بیانی میں ایک داستانِ شجاعت پنہاں ہوتی ہے جو ملکوں اور قوموں کو زیروزبر کر دیتی ہے، اس نوع کے شاعر ازمنۂ تاریک میں سینکڑوں کی تعداد میں پیدا ہوتے، سپارٹا کی فتوحات کا باعث ایک نحیف البدن شاعر تھا جسے یونانیوں نے فوجی خدمت کے ناقابل سمجھ رکھا تھا، عرب کا نابینا شاعر قیس اعشیٰ قبیلوں کی قسمت کا مالک سمجھا جاتا تھا کیونکہ اس کا ایک شعر ہنگامۂ قتال کی آتش افروزی کے لیے کافی تھا،

قوم کی ہستی میں ایک اور دور آتا ہے، جب قوم حکمراں ہوتی ہے اس وقت جدوجہدِ زندگانی اور معاش

کا فقدان قوائے حیات میں اضمحلال اور سکون پیدا کر دیتا ہے، اور ابتدائی ذوقِ نشو و نما مسلک قناعت سے متبدل ہو جاتا ہے، شاعر ایک بے قاعدہ ہستی ہوتی ہے جو ارباب دولت اور ثروت کی چوکھٹ پر جبیں سائی کرتی رہتی ہے، صنف شاعری میں قصائد اور غزل کو فروغ ہوتا ہے، مگر اول الذکر کسی صاحب اقبال کی تعریف اور توصیف اور مؤخر الذکر حسن و عشق کے چرچے کی مدد ہوتی ہے، حقیقتہً شاعری میں ایک تنزل شروع ہو جاتا ہے جس کی ابتدا قوم کے آفتاب ترقی کے زوال کیساتھ ہونے لگتی ہے،

(۳) اس حالت سے گرنے پر ایک تیسرا دور آتا ہے، جب قوم کی حالت ایک عبرت انگیز انجام کو پہنچ چکتی ہے، اسے اپنی پستی اور تنزل کا کوئی احساس نہیں ہوتا، غیر ٹھوکریں مارتے ہیں ظلم کرتے ہیں، ان کا حق دبا بیٹھتے ہیں مگر افراد قوم کچھ ایسے قعر ذلت میں گرے ہوتے ہیں کہ چپکے سے بے شرمی کی باتیں سہے جاتے ہیں، اور اپنے انحطاط کو انتہائی تہذیب اور اپنی بے غیرتی کو قناعت اور صبر کے الفاظ سے ادا کرتے ہیں، اس وقت نظام طبعی کے توازن کو قائم رکھنے کے لیے قدرت کروٹ بدلتی ہے، اور اس زمین شور سے ایسے پیغمبران سخن اٹھاتی ہے جو اپنی اعجاز بیانیوں سے نیم مردہ قوم کے یخ بستہ جذبات کو سخن کی آگ سے گرما دیتے ہیں، اور ملت کی مردہ رگوں میں خونِ زندگی کی ایک لہر دوڑا دیتے ہیں، قوم کو اسلاف کے کارناموں کی خبر دیکر یقین دلاتے ہیں کہ اس قوم میں ابتک بھی ترقی کے اجزاء موجود ہیں، ؎

نوا ز دمید گل و لالہ نا امید مشو ، کہ شاخ زندگیِ ما ہنوز نمناک است (اقبال)

جب ملت بیضا کا آفتاب ترقی "توارت بالحجاب" ہوگیا اور "رفتہ رفتہ افراد قوم پر فرسودہ، سست رگی اور زندگی سے گریز کرنے والی عجمیت غالب آگئی"، اور ان کے طبائع پر مسلسل جمود و سکون مستولی ہوگیا یعنی جیسا کہ علامہ اقبال اس کا خاکہ کھینچتے ہیں،

بطحی در دشت خویش از راہ رفت　　از دم او سوز الا اللہ رفت

مصریان افتادہ در گرداب نیل　　سست رگ تورانیان ژندہ پیل

آل عثمان در شکنجِ روزگار　　مشرق و مغرب زخونش لالہ زار

مسلم ہندی شکم را بندہ	خود فروشی دل ز دیں برکندہ

در مسلماں شانِ محبوبی نماند

خالدؓ و فاروقؓ و ایوبیؒ نماند

تو اس وقت ملت کو بیدار کرنے اور آیۂ انتم الاعلون کے تعین اور استحکام کے لیے ضروری ہوا، کہ ایسے ایسے رسولانِ سخن اٹھیں جو قوم میں حسیات نفس و حیات کا اعادہ کر دیں،

ہندوستان کی اسلامی دنیا میں حالی اس سلسلہ کا پہلا پیغامبر تھا جس نے اپنے دلگداز نغموں سے خوابیدہ قوم کو جگایا، اکبر کے طعنہ زن اور پر درد نغموں نے اس پر تیل چھڑکا، مگر یہ علامہ اقبال ہی کا حصہ تھا کہ ان کی شعلہ نوائی سے یہ آگ دنیائے اسلام کے گوشوں تک پہنچی، وہ خود فرماتے ہیں،

زجانِ بیقرار آتش کشادم	دمے در سینۂ مشرق نہادم

گلِ او شعلہ زار از نالۂ من	چو برق اندر نہادِ او فتادم

ملت کی پر درد اور عبرت انگیز تباہی کو دیکھ کر اقبال خون کے آنسو رویا اور سب سے پہلے اس کی دقیقہ رس نگاہ نے حیرت انگیز دور بینی سے محسوس کیا کہ یورپ کی مادی تہذیب دنیا کو بامِ ترقی کی طرف نہیں بلکہ غارِ تنزل کی طرف سے لیجا رہی ہے، دولت کی قدر پرستش کے درجہ کو پہنچ چکی ہے افراد میں جذبۂ روحانیت بالکل مفقود ہو چکا ہے، اور مادیت مذہب کے خلاف مکمل جنگ کر رہی ہے، نتیجہ ظاہر تھا، اقبال نے یورپ کو متنبہ کیا،

دیارِ مغرب کے رہنے والو خدا کی بستی دکاں نہیں ہے	جسے کھرا تم سمجھ رہے ہو وہ اب زرِ کم عیار ہوگا

طلوعِ اسلام میں بھی فرمایا ہے، ؎

نظر کو خیرہ کرتی ہے چمک تہذیبِ حاضر کی	یہ صناعی مگر جھوٹے نگوں کی ریزہ کاری ہے

علامہ اقبال کی شاعری کا مطمحِ نظر خصوصاً اسلامی ہے اور وہ اپنے گرانقدر اصولِ ترقی کی تعلیم کے لیے

آیات شریفہ، احادیث صحیحہ اور آثار سلف کے استنباط سے اکثر کام لیتے ہیں، اور یہی وجہ ہے کہ ان کے اشعار کے معانی کے صحیح ادراک کے لیے قرآن کریم اور احادیث اور اسلامی تواریخ سے اچھی خاصی واقفیت لازمی ہے، ان کا ایک خاص طرز یہ ہے کہ قوم کے گذشتہ کارناموں کو یاد دلا کر ان کے تقابل سے، اسے اپنے موجودہ انحطاط کا احساس کرانا چاہتے ہیں، ؎

اے پر بہا جوہر اندر قافِ تو ذوالفقار حیدر از اسلافِ تو

ملت کے قوائے حیات کے احیاء کے لئے ان کے نزدیک صرف ایک تدبیر ہو سکتی ہے اور وہ یہ ہے کہ ہم بھی عرب کی طرف متوجہ ہوں، اور رسول عربی کے احکام کی پیروی اپنا خاصہ بنائیں، فرماتے ہیں،

دل بہ سلمائے[1] عرب باید سپرد تا دمد صبحِ حجاز از شامِ کرد

از چمن زارِ عجم گل چیدۂ نوبہار ہند و ایراں دیدۂ

اندکے از گرمیٔ صحرا بخور بادۂ دیرینہ از خرما بخور

اخوت اسلامی یہ مسلم امر ہے، کہ ملت بیضا اپنی موجودہ پراگندہ صورت میں اقوام مخالف کے حملوں سے مشکل سے جانبر ہو سکتی ہے، اس کے تسلسل اور استحکام کا راز فقط اس کے اجتماع میں مضمر ہے، علامہ اقبال "پیام مشرق" کے دیباچہ میں لکھتے ہیں کہ

"اس وقت دنیا میں اور بالخصوص اسلامی ممالک میں، ہر ایسی کوشش جس کا مقصد افراد و اقوام کی نگاہ کو جغرافی حدود سے بالاتر کر کے ان میں ایک صحیح اور قوی انسانی سیرت کی تجدید اور تولید ہو، قابل احترام ہے"

اور یہی مقصود علامہ اقبال کی تمام تر سعی کا ہے، وہ چاہتے ہیں، کہ ملت کے پراگندہ افراد کو ایک ہی رشتہ میں منسلک کر دیں تاکہ انفرادی اعمال کا تباین اور تناقض مٹ کر تمام قوم کے لیے ایک قلب مشترک پیدا

[1] سلمیٰ، ادبیات عرب میں معشوقہ کا نام ہے، اس جگہ پر قرآن کریم اور اسکی تعلیم مراد ہے،

ہو جائے" اور اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ کا اصلی مفہوم عوام کے دلوں میں جاگزیں ہو، فرماتے ہیں ؎

نہ افغانیم و نے ترک و تتاریم چمن زادیم از یک شاخساریم
تمیز رنگ و بو برما حرام است کہ ما پروردۂ یک نوبہاریم

اسلام بذاتہ ایک ہمہ گیر اخوت اور الفت کا مرکز ہے اور اس کا مدعا یہ ہے کہ اس کے منتشر افراد ایک ہی شیرازہ میں مجتمع نظر آئیں، اس عظیم الشان مقصود کے حصول میں اسلام ملک و ملت کی قیود اور نہایت مکانی سے آزاد ہے، ؎

قلب ما از ہند و روم و شام نیست مرز و بوم او بجز اسلام نیست
عقدۂ قومیت مسلم کشود از وطن آقائے ما ہجرت نمود

یاس اور حزن؛ علامہ اقبال کے نزدیک استحکام حیات تخلیق و تولید مقاصد سے وابستہ ہے، یاس و حزن ام الخبائث اور قاطع حیات ہیں اور جیسا کہ وہ خود فرماتے ہیں صرف توحید ہی ان امراض خبیثہ کا ازالہ کر سکتی ہے، ان کا ہر شعر شعاع اُمید و آرزو سے تابندہ نظر آتا ہے، اگرچہ وہ خود ملت بیضا کے ظاہری اور باطنی اضطراب سے متأثر ہیں اور اس کے مصائب پر اشک ریز، تاہم آیہ "لا تقنطوا" پر انھیں کامل بھروسہ ہے اور وہ محسوس کرتے ہیں، ؎

مرگ را سامان ز قطع آرزو ست زندگانی محکم از لا تقنطوا ست

حضرت اقبال ہمہ تن اس کوشش میں مصروف ہیں کہ مسلمانوں کو یاس کے خواب اور اثر سے نجات دلا کر اُن کے دلوں کی ظلمت کو امید کی تنویر سے متبدل کر دیں، تاکہ پھر قوم کے افراد جذبۂ عمل اور رجحان خود شناسی سے متمیز نظر آئیں، ؎

اے کہ در زندان غم باشی اسیر از نبی تعلیم لا تحزن بگیر

جد و جہد زندگانی کا فقدان انحطاط کا پیش خیمہ ہے، اور افرادی یا ملی زندگی کے تدریجی نشو و نما

اور تسلسل کا راز فقط یقینِ عمل سے وابستہ ہے، علامہ اقبال اس نکتہ کو بار بار بیان فرماتے ہیں اگر بہترین پیرایہ اس شعر میں اختیار کیا ہے،

پختہ تر ہے گردشِ پیہم سے جامِ زندگی　　ہے یہی اے بیخبر رازِ دوامِ زندگی

یاس بھی ایک ایسی چیز ہے جو عمل کیلئے سمِ قاتل کا حکم رکھتی ہے، یہی وجہ ہے کہ تمام تصنیفات جن میں یاس اور حزن کا عنصر مستولی ہو قوموں کے جادۂ ترقی میں عوائق پیدا کر دیتے ہیں، حتیٰ کہ اُن خیالات کی توسیع سے معتد بہ جسمانی اور روحانی تنزل رونما ہو جاتا ہے عجمی تصوف کے زیر اثر جتنی کتابیں لکھی گئی ہیں، اُن میں یہ عنصر نمایاں ہے،

آن نہالِ سربلند و استوار　　مسلمِ صحرائے اُشتر سوار
آن چناں کاہید از بادِ عجم　　ہمچو نے گردید از بادِ عجم

باوجود ان تمام مشکلات کے جو اس وقت دنیائے اسلام کو محتوی ہیں اور جنکا انھیں کامل احساس ہے، حضرت اقبال اسلام کے لیے ایک منور مستقبل کی پیشگوئی فرماتے ہیں، اور بار بار مسلمانوں کو فہمائش کرتے ہیں، کہ خدا کی رحمت سے انھیں نا امید نہیں ہونا چاہیئے، وہ وقت قریب آنیوالا ہے جب آفتابِ اسلام پھر قدیم سطوت اور درخشندگی سے طلوع ہوگا، فرماتے ہیں، ؎

کھول کر آنکھیں مرے آئینۂ گفتار میں　　آنے والے دور کی دھندلی سی اک تصویر دیکھ

. . . .

. . . .

مسلم استی سینہ را از آرزو آباد دار،
ہر زماں پیشِ نظر لا یخلف المیعاد دار،

خود اعتمادی و خودداری، خود اعتمادی اور خودداری کا عدمِ وجود انحطاطِ قومی کا لازمی نتیجہ ہے، جب کسی قوم

میں تنزل رونما ہوتا ہے۔ اس کے افراد میں جذبۂ غیرت اس قدر مفقود ہو جاتا ہے کہ وہ اپنی ذلت اور فرومائگی کے احساس سے قاصر ہوتے ہیں، ہر چیز میں انھیں اغیار کا دست نگر ہونا پڑتا ہے، حتیٰ کہ اپنی ترقی کیلئے بھی دوسروں کی یامردی پر حصر کرنے لگ جاتے ہیں، بہرحال یہ انھیں محسوس کر لینا چاہیئے کہ قوم کی خارجی ترقی اس وقت تک ظہور پذیر نہیں ہو سکتی جب تک کہ ترقی کے اجزا کا استیناف اس کے افراد کے دلوں میں نہ ہو، اور بلا استظہار غیرے وہ اس کے حصول میں کوشاں نہ ہوں،

حضرت اقبال نے خود اس نکتہ کو پیام مشرق کے دیباچہ میں بخوبی واضح کر دیا ہے، لکھتے ہیں کہ:-

. . . . . زندگی اپنے حوالی میں کسی قسم کا انقلاب پیدا نہیں کر سکتی جب تک کہ پہلے اس کی اندرونی گہرائیوں میں انقلاب نہ ہو، اور کوئی نئی دنیا خارجی وجود میں نہیں آسکتی جب تک کہ اسکا وجود انسانوں کی ضمیر میں متشکل نہ ہو فطرت کا یہ اٹل قانون جسکو قرآن نے " ان اللہ لا یغیر ما بقوم حتیٰ یغیروا ما بانفسھم " کے سادہ اور بلیغ الفاظ میں بیان کیا ہے، زندگی کے فردی اور اجتماعی دونوں پہلوؤں پر حاوی ہے، اور میں نے اپنی فارسی تصانیف میں اس صداقت کو مدِ نظر رکھنے کی کوشش کی ہے۔

غرضکہ اقوام و افراد کا تسلسل جہاد، دوام عمل، پختگی یقین، اور احساس خودی پر مبنی ہے، ؎

پیکرِ ہستی ز آثار خودی است　　　ہر چہ می بینی ز اسرار خودی است

اور انا کی حفاظت، اسکی تربیت، اور استحکام کا راز خودداری اور استغنا سے وابستہ ہے، سوال خودی کو ضعیف کر دیتا ہے، قوائے حیات میں اس سے جمود پیدا ہو جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ سر اقبال خودداری کے بہت زبردست حامی ہیں اور بار بار اس کی تلقین مختلف پیرایہ میں فرماتے ہیں،

تو اگر خوددار ہے منت کشِ ساقی نہ ہو　　　عین دریا میں حباب آسا نگوں پیمانہ کر

"خضر راہ" میں فرماتے ہیں،

مومیائی کی گدائی سے تو بہتر ہے شکست　　　مور بے پر حاجتے پیشِ سلیمانے مبر

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ بحالت سواری اشتر حضرت فاروق اعظمؓ کا تازیانہ ہاتھ سے گر گیا، اسے زمین پر سے اٹھانے کے لیے آپ خود زمین سے اترے اور اس معمولی کام کے لیے بھی کسی کا احسان گوارا نہ فرمایا، اس واقعہ کی طرف تلمیح کرتے ہوئے فرماتے ہیں،

خود فرود آ از شتر مثل عمرؓ الحذر از منت غیر الحذر

علامۂ اقبال خود بھی بہت مستغنی المزاج واقع ہوئے ہیں، چنانچہ اپنے متعلق فرماتے ہیں،

من فقیر بے نیازم مشربم این است و بس مومیائے خواستن نتواں شکستن می تواں

اقبال کا فلسفہ خالص اسلامی فلسفہ ہے، اور اقبال کا تخیل اور احساس اسلام سے وابستہ ہے، ڈکنسن صاحب اور ان کے ہمخیال نقاد فلسفۂ اقبال کو یورپ کے فلسفہ کے زیر اثر ٹھہرانے کی کتنی ہی کوشش کیوں نہ کریں اور ان کے "نائب حق" کے تخیل کو نیتشا کے "فوق الانسان" کا مرہون منت کیوں نہ سمجھیں، مگر لاحاصل سوائے اس کے کہ انکی لاعلمی ثابت ہو، اور کوئی مفاد نہیں، ایسے خیالات کی تردید تو علامۂ اقبال نے خود "کونسٹ" میں کر دی ہے، لکھا ہے،

> "وہ مقام تاسف ہے کہ مغرب اسلامی فلسفہ سے اس قدر ناآشنا ہے، کہ مجھے اگر اس بحث پر ایک ضخیم کتاب لکھنے کی فرصت ہوتی تو میں یورپ کے علمائے فلسفہ کو بتا سکتا، کہ ہمارے اور ان کے فلسفہ میں کس بڑی حد تک اشتراک ہے، . . . . " (معارف)

علامۂ اقبال کے نزدیک انسان ایک مستتر طاقت کا مرکز ہے، جس کے ممکنات زندگی ایک خاص طریق پر عمل پیرا ہونے سے ترقی پا سکتے ہیں، رسول اکرمؐ نے فرمایا ہے "تخلقوا باخلاق اللہ" اپنے اندر اخلاق اللہ پیدا کرو،

انسان جتنا ہی کہ خدا کے نزدیک تر ہو جاتا ہے اتنا ہی کامل تر ہو جاتا ہے، یہ نہیں کہ وہ فنا فی اللہ ہو جاتا ہے بلکہ اللہ کو اپنے اندر جذب کر لیتا ہے، ع یزداں بکمند آور اے ہمت مردانہ "

زندگی ایک حرکت جذب ہے، اک سعی آزادی، اک انتہائے سعی انسانی، جو اپنی پیش روی میں اپنے راستہ کی رکاوٹوں کو خود اپنے اندر جذب کر کے دور کر دیتی ہے،

زندگی کے راستہ میں سب سے بڑی رکاوٹ مادہ ہے یا یوں کہوں کہ نیچر تاہم نیچر اس لحاظ سے کہ وہ زندگی کی اندرونی طاقتوں کو اس قابل بناتی ہے، کہ وہ عدم سے وجود میں آئیں، اپنی ذات میں شر نہیں، انسان کے اندر زندگی کا مرکز "خودی" یا "انا" ہے، اسکی توسیع اور تربیت جد و جہد سے وابستہ ہے اور اس کا مرہم "عشق" سے ہے،

"عشق" کا استعمال بہت وسیع معنوں میں ہونا چاہیئے خودی کو اپنی تکمیل میں تین مراحل طے کرنے پڑتے ہیں مرحلۂ اول اطاعت، مرحلۂ دوم ضبط نفس، مرحلۂ سوم نیابت الٰہی، ذوق عمل کا عدم وجود انحطاط کا پیش خیمہ ہے اس لیے تمام ایسی چیزوں سے جو خودی کو ضعیف کر دیں، احتراز واجب ہے، ادبیات، مذہب، اخلاقیات کے اثرات کا صحیح اندازہ اسی معیار سے قائم کیا جاتا ہے،

اسی موضوع پر بحث کرتے ہوئے اقبال "نیو ایرا" (New Era) میں لکھتے ہیں

"تمام انسانی جد و جہد کا انجام نفس حیات ہے، اور تمام انسانی علوم و فنون اسی مقصد کے حصول کے تابع ہیں، اسلیے ہر علم و فن کی منفعت کا اندازہ اس کی حیات آفرین قوت ہی سے لگایا جاسکتا ہے، مثلاً اعلیٰ ترین فن وہ ہے جو کہ ہماری جبلی قوت ارادی کو بیدار کرے اور ہمیں مصاف زندگی میں مردانگی سے مقابلہ کرنے کی طاقت بخشے، تمام خواب آور اثرات "جو حقیقت" (Realism) سے گریز کرنے کی تعلیم دیں، فی نفسہ ایک پیغام انحطاط و ممات ہیں ادبیات کو "دنیائے افیون خوردہ" کے نقوش سے مبرا ہونا چاہیئے۔ ... العلم للعلم (Art for the sake of art) کا اصول ایک زمانۂ تنزل کی ایجاد ہے جس کا مقصد ہمیں ذوق حیات اور جذبۂ عمل سے محروم کر دینا ہے،"

افلاطون کے فلسفہ کی تنقید علامۂ اقبال نے اسی نقطۂ نگاہ سے کی ہے، ان کی یہ تنقید ان اصول کے

خلاف ہے جو اپنی انتہا بجائے زندگی کے موت قرار دیتے ہیں، یہی وہ اصول ہیں جو بجائے اس کے کہ ہمیں زندگی کے دشوار گذار مراحل کے طے کرنے کی تعلیم دیں اس سے گریز کرنا سکھاتے ہیں،

راہبِ اول فلاطونِ حکیم   از گروہ گوسفندانِ قدیم

گفت سرِ زندگی در مردن است   شمع را صد جلوہ از افسردن است

اس فلسفہ کا اثر مسلمانوں کے تخیل پر جس حد تک ہوا ہے، اس سے بہت کم لوگ کماحقہٗ آگاہ ہیں، جب مسلمانوں نے منشائے حیات اور مقصد تخلیق انسانی کی توضیح کے لیے فلسفۂ یونان بغور دیکھنا شروع کیا، تو وہ سب سے پہلے ارسطو کی طرف متوجہ ہوئے، مگر ارسطو کی اصلی اور مستند تصانیف کے دستیاب نہ ہونے کے سبب سے انھیں ان کتابوں کا مطالعہ کرنا پڑا جو ارسطو کی تصانیف کی تراجم بتائی جاتی تھیں، مگر در اصل پیروانِ اشراق ([illegible]) کی تالیف کا نتیجہ تھیں، یہی وجہ تھی کہ فلسفۂ ارسطو جس کو مسلمانوں نے پڑھا درحقیقت پلوٹینس پروقلس اور دیگر پیروانِ اشراق کی کاوش فکر کا نتیجہ تھا،

علامہ اقبال فرمایا کرتے ہیں، کہ وہ ابھی کیمبرج ہی میں تھے اور کسی انگریزی رسالہ کے لیے "سیاست اسلام" پر ایک مضمون لکھ رہے تھے کہ یکایک اُن کے دل میں یہ سوال پیدا ہوا کہ "خدا جانے مسلمانوں کے زوال کا نفسیاتی محرک کیا تھا"

اس سوال کے جواب کی تلاش میں انھوں نے عربی تواریخ کو چھان مارا، انگریزی مورخوں کی تصنیفات کو بھی دیکھا مگر بے سود،

اُن سے یہ معلوم نہ ہوسکا کہ کیا وجہ تھی کہ ایک ایسی جماعت جس میں استمرارِ عمل کا ہر ممکن عنصر موجود ہو، غیر معمولی تیزی سے اُبھرے اور پھر زوال پذیر ہو جائے درحقیقت اس سوال کا جواب جیسا کہ وہ اپنی فارسی تصانیف میں متعدد بار بیان فرما چکے ہیں، افکار و خیالات کا اثر اور عالمانِ کم نظر کا اجتہاد ہے،

عجمی تصوف پر جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے، افلاطون کے فلسفہ کا بہت گہرا اثر پڑا ہے، اور انہی خیالات کی توسیع ہے جو اسلام کے اختلاط کی وجہ ہو سکتی ہے، رسول مقبول صلعم کے بعد ان کا شخصی نفوذ صحابۂ کرام میں کام کرتا رہا، اور اسی کی بدولت تھا کہ مسلمان ایک ہمہ گیر سیلاب کی طرح تمام دنیا پر پھیل گئے، مگر جس قدر آپ کا زمانہ دور ہوتا گیا، لوگوں کا جذبۂ عمل کم ہوتا گیا حتی کہ بمصداق حدیث قدسی "خیر القرون قرنی ....." چوتھی نسل کے بعد زوال شروع ہو گیا، جب تک مسلمانوں کے سامنے "زندہ قرآن" موجود تھا، انھیں کسی قسم کے تجسس و تفحص کی ضرورت نہیں تھی مگر نبی کریم صلعم کے بعد اکثر علماء کو ایک ایک مطلب کی تشریح اور توضیح کے لیے یا تو یونان کے فلسفہ کی طرف متوجہ ہوئے اور یا آیات شریفہ کی تاویلیں کیں، رازی نے استدلال[1] سے کام لیا، غزالی نے فلسفہ یونان کی تردید کی، ائمہ نے احادیث نبوی کو جمع کیا، غرضکہ بہت کچھ ہوا جو بہت مفید تھا، مگر "ترک دنیا" اور اس قسم کے "رہبانی خیالات" جو لوگوں کے دلوں میں جاگزیں ہو چکے تھے مفقود نہ ہو سکے، علمائے تصوف اصلی مفہوم کو چھوڑ کر ظاہری رسوم میں محصور ہو گئے،

صوفی پشمینہ پوش حال مست	از شراب نغمۂ قوال مست
آتش از شعر عراقی در دلش	در نمی سازد بقرآں محفلش
از کلاہ و بوریا تاج و سریر	فقر او از خانقاہاں باج گیر
واعظ دستاں زن افسانہ بند	معنی او پست حرف او بلند
تنگ بر ما رہگذار دیں شد است	ہر لئیمے راز دار دیں شدہ است
گر تو می خواہی مسلماں زیستن	نیست ممکن جز بقرآن زیستن

رسکن کا قول ہے

---

[1] علامہ اقبال فرماتے ہیں، ز رازی معنی قرآن چہ پرسی ضمیر ما بآیاتش دلیل است،
مولانا روم نیز فرماتے ہیں، گر باستدلال کار دیں بدے فخر رازی راز دار دیں بدے

مد کہ اگر کسی مصنف میں کچھ قابلیت کا مادہ ہے تو تم اس کے معنی بادی النظر میں نہیں سمجھ سکتے،

بلکہ ان کے صحیح ادراک کے لیے کافی وقت چاہیئے"۔

یہی خصوصیت ہے جس سے علامہ اقبال کے اشعار متمیز نظر آتے ہیں ان کے ہر ایک شعر میں ایک جہانِ معنی مستور ہوتا ہے، اور ہر مصرع میں حقائق اور معارف جلوہ گر ہوتے ہیں، اسی وجہ سے ان کا مکمل ادراک بادی النظر میں دشوار ہوتا ہے مگر ذرا سی کوشش سے تمام غوامض آشکارا ہو جاتے ہیں، یہ نہیں کہ ادق الفاظ کا استعمال بے وجہ عام ہوتا ہے، نہیں بلکہ الفاظ کی موزونیت، کلام کا اختصار اور اسکی جامعیت اسکو مشکل بنا دیتی ہے

نگاہ می رسد از نغمہ دل افروزے ... بمعنیٔ کہ بر و جامۂ سخن تنگ است

مغرب کے نقاد جہاں اقبال کی ہمہ گیر شخصیت کا اعتراف کرتے ہیں، وہاں یہ بھی کہدیتے ہیں، کہ ان کی تعلیم "ایک شگون نحس" ہے جو دنیا کو جنگ و جدال کی طرف لے جا رہی ہے، انھیں یہ خوف ہونے لگ گیا ہے کہ کہیں اسلام پھر اصلی قوت میں آکر مغرب کو تسخیر نہ کر ڈالے، اسلیے وہ اقبال کی تعلیم کو خونخواری کی تعلیم بتلاتے ہیں، اس خیال کے پیرو صرف انگریز ہی نہیں بلکہ چند ایک ہندو بھی ہیں حال ہی میں مسٹر میان آئی سی ایس نے "انڈین ریویو" میں جو مضمون اقبال پر لکھا ہے اس میں اسی بات کے ڈر کا اظہار کیا ہے،

مگر انھیں معلوم کرنا چاہیے، مردانگی شجاعت اور خودی کی تعلیم خونخواری کی تعلیم نہیں ہے، اقبال اخوت اسلامی کا علمبردار ہے اور رنگ و خون کے امتیازات کو مٹانے کے لیے آیا ہے، وہ ان عظیم الشان اصولوں کی تعلیم دیتا ہے جن سے انسان مکمل ہو سکے، وہ ایسا جادۂ عمل قوت کے سامنے پیش کرتا ہے جس پر گامزن ہو کر قوم منزل مقصود پر پہنچ سکے، اقبال کے ہر شعر میں ایک جہاں سوز پنہاں ہے اس کا ہر مصرع اک جذبۂ آتشین سے معمور ہے جسکی تاثیر سے دنیائے اسلام میں ایک ہیجان سا برپا ہو گیا ہے، اقبال شاعر بھی ہے عالم بھی ہے فلسفی بھی مگر یہ عوام کی کمنظری کا سبب ہے کہ وہ اسکی عظمت کا صحیح اندازہ نہیں کرسکتے،

ز اقبال فلک پیما چہ پرسی، ... حکیم نکتہ دانِ ما جنوں کرد،

عبدالستار بن قاسم لاہوری

اکبری عہد کا فرنگی زبان کا مترجم،

از

جناب حافظ احمد علی خانصاحب ناظم کتبخانہ ریاست رامپور،

کتاب خانۂ ریاست میں ثمرۃ الفلا[illegible] تاریخ فارسی میں ایک قلمی کتاب ہے، تقطیع کتاب ۳/۴-۱۰×۶ تقطیع کتابت ۱/۴، ۶×۲ ۱/۲ انچ، سطر ۱۵، خط نستعلیق، صفحات ۲۶۶ ہیں، فضل علی ولد قادربخش ساکن قصبہ سوز، نے ۱۲۶۶ھ میں اس کو نقل کیا ہے، کتابت نہایت غلط اور املا بھی نادرست ہے،

آغاز کتاب :- "سپاس الٰہی وستائش جان آفریں در آغازنامہا رسم است"

دیباچہ میں مترجم لکھتا ہے :-

"بندہ عبدالستار بن قاسم را از بخت مندی وسعادت سرمدی آرزو چو شید دپیاں بست کہ اگر آسمان دستگیری کند وکارساز ان آسانی درے از دانائی بریں پرستار طبعی برکشانید خدمتے کہ بہت انبازی برنتابد بہمت بادشاہ وصاحب روزگاران بجا آرد، ولیکن سراسیمگی درگرفت واز کم مایگی بحیرت شد کہ این شگفت آرزو چگونہ سامان گیرد واین گونہ خدمتے کہ ارمغانے بار یافتگان گوشہ مقدس باشد وتہمت انبازی برنتابد من کج مج زبان بے یاور راکجا ر دے نماید، روزہائے بسر آمد، وروزگار رواز بگذشت بدیں بودم کر (د) بدیں بیگذرانیدم، ناگاہ درے از دولت برکشادند وستارۂ بخت مندی بدرخشید، شہنشاہ غیب دان کو خواہش نوامی وکام بخشی خوئے پسندیدۂ اوست، ایں گمنام را طلب فرمود، فرمان شد کہ زبان فرنگی آموزد، واسرار ایں تمت داحوال سلاطین ایں گروہ حکمائے یونان زمین ولیتن از روے کتب ایشاں بفارسی گذارشہا

وہذا کہ آنچہ از بیگانگی زبان وبنو دن مترجم دو دری راہ ا ز نہان خانۂ خفا در روزگاران بیرون نیامدہ

است، ودریں زمان ہمیشہ بہار دانائی بر فراز پیدا ئے برآید، واین گروہ نصارا کہ ہمیشہ پیشانی نیازمندان

برآستان مقدس دانند (و) از درگاہ ہمایون کام دل برگیرند؟

مترجم نے فرنگی زبان لکھا ہے، اس عہد میں فرانسیسی، انگلستانی، اور پرتگیزی سب ہی آتے جاتے تھے،

نہیں معلوم اس سے کونسی زبان مراد ہے،

پھر کہتا ہے کہ ظل الٰہی کی فرمائش کو ایزدی فرمان سمجھکر کام شروع کیا، پادری جرونموشویر (Padre Geronimo-Xavier) دانایان فرنگ میں سے برگزیدہ شخص حال ہی میں دربار میں آیا ہے اس سے

زبان سیکھنا شروع کی، اقبال روز افزوں یاور ہوا، چھ مہینے میں اس زبان کے مطالب علمی وعملی سمجھنے کی طاقت

آگئی، بات چیت کم کرنے اور شغل ترجمہ کی وجہ سے اس زبان میں گفتگو کی مہارت نہین ہوئی ہے، لیکن

بادشاہ کی خواہش پوری ہوگئی، پادری جرونموشویر بادشاہ کو اس کتاب کے پورے مطالب سنا بھی نہ چکا تھا،

کہ میں نے یہ ترجمہ پورا کر لیا، الحمدللہ کہ تھوڑی ہی مدت میں غوامض اسرار علمی وعملی اس گروہ کے، احوال مسیح

و بادشاہان روم و یونان وحکما کے حالات لکھ گئے، یہ حالات انجیل اور کتاب سنت اتنین سے لیے ہیں البتہ

حکما کے حالات میں دوسری کتابوں سے بھی مدد ملی ہے، ہر بادشاہ کے حالات کے ساتھ اس کے عہد کے حکما

کے واقعات بھی بیان کر دیئے ہیں،

حکما کی نژاد و بوم کے متعلق مختلف روایتیں ہیں، کوئی ان کو رومی اور کوئی یونانی کہتا ہے، اس اختلاف

کی یہ بنا ہے کہ گرسیہ نے جسکو یونان بھی کہتے ہیں، ایتالیہ پر قبضہ کر لیا تو اس کو بھی گرسیہ کہنے کا حکم دیا، جب

سلاطین رومہ نے گرسیہ پر قبضہ کیا تو اس کو رومہ کہلوایا، پوشیدہ نہ رہے کہ ایتالیہ ملک گرسیہ سے مغرب میں

ہے، وہاں کی زبان لیٹن ہے، ایتالیہ، اسپانیہ، فرانسہ، المانیہ اور کستیلہ میں یہی زبان معتبر ہے، کتب علمی وعملی

اسی زبان میں ہیں،

اس کے بعد مترجم نے علیحدہ علیحدہ عنوان سلاطین کے قائم کرکے حالات لکھے ہیں،

داستان آبادی روم و سلطنت کردن در آن دیار ہفت تن و برانداختن اسم سلطنت ازملک خویش

اس عنوان کے ذیل میں لکھتا ہے کہ امولیس (amulius)

البا کا بادشاہ تھا، اپنے بڑے بھائی نومی تور (Numitor) کو علیحدہ کرکے خود بادشاہ ہوگیا

اور اپنی بھتیجی رمی ام یا ایلیا (Ilia) نامی کو ویستہ (Vesta) کے سپرد کردیا، ویستہ اس

زبان میں آگ کو کہتے ہیں، مطلب یہ تھا کہ وہ کنواری رہے اور کوئی اولاد پیدا نہ ہو جو نومی تور کا بدلہ لے، سرنوشت

آسمانی سے اس لڑکی کے دو لڑکے پیدا ہوئے، ایک کا نام رومل (Romalo) دوسرے کا نام رویم

(Remus) تھا فاسل نامی گڈریہ نے ان بچوں کی پرورش کی، جوان ہوکر ان بچوں نے امولیو کو

قتل کیا، اور پھر اطالیہ کو چلے گئے، وہاں آفرینش ابوالبشر سے چار ہزار چار سو پچاسویں سال، بڑا قلعہ بنایا، رویم

کو رومل نے قتل کرادیا، قلعہ آباد کرنے کے لیے سب ملک کے بدمعاشوں کو عام اجازت دیدی وہ آکر آباد ہوگئے

اخیر میں ایک ابر سیاہ پیدا ہوا اور رومل اس میں غائب ہوگیا، وہ زمانہ بنی اسرائیل میں اشعیا نبی کا تھا،

داستان نومہ نون پلو (Numa Pompilius) یہ شہر سبن (Sabine) کا رہنے والا

تھا، نیا مذہب ایجاد کیا، سال کے بارہ مہینے مقرر کئے، چالیس سال حکومت کی، تول (Tullus Hostilius)

جنگ دوست تھا،

(بادشاہ کا نام نہیں ہے) اس کے عہد میں بخت نصر والی بابل بیت المقدس میں آیا، بنی اسرائیل کو تباہ

اور شہر کو خراب کیا، ایک خواب دیکھ کر بھول گیا تھا، دانیال پیغمبر نے خواب بتایا اور تعبیر بیان کی،

داستان مارسیو (Marcius) داستان ترکین رول (Tarquinius)

داستان سرویوتولیو (Servius Tullius)

ترکین دویم اس کو ترکین مغرور بھی کہتے ہیں،

اس کے بعد مترجم لکھتا ہے، کہ اکبر بادشاہ کے سامنے مذکورۂ بالا عہد کے حکما کے حالات بیان ہو چکے ہیں، اسلیے میں یہاں نہیں لکھتا ہوں،

گریسیہ کی نسبت مترجم کہتا ہے " گریسیہ وہ جگہ ہے جہاں ایتھنس واقع ہے، زبان کا نام گریک ہے، یہ بالکل غلط ہے کہ یونان زیرآب ہے، لفظ یونان ان کی کتابوں میں نہیں ہے " اس کے بعد اسپین کا مختصر حال تا فتح عیسائیان لکھا ہے،

اس کے بعد اس نے داستان شہر بابل اور طبقہ حکمائے یونان کو لکھا ہے، کہتا ہے. شیر نواسہ ارنیائیس والی میدت ؟ ہے، اس کو شیروان بھی کہتے ہیں،

ارنیائیس نے خواب میں دیکھا کہ اسکی دختر کے پیٹ سے مانند وینن ؟ نام انگور کا درخت پیدا ہوا اور تھوڑے سے وقت میں اسقدر بالیدہ ہوا کہ تمام آریہ پر جو ثلث حصہ زمین ہے چھا گیا، علمار نے تعبیر کہی کہ تیری لڑکی سے ایک ایسا فرزند ہوگا کہ کل آریہ پر حکومت کریگا اور تجھ سے سلطنت چھین لے گا،

ارنیائیس نے اپنی لڑکی ایک کم حیثیت شخص سے منسوب کردی، اس سے ایک لڑکا ہوا، ارنیائیس نے اس بچہ کو قتل کے لیے ہرپاک نامی ایک شخص کے سپرد کیا، مگر اس نے اس کو قتل نہیں کیا، اس لڑکے کی پرورش گڈریے نے کی، جوان ہوکر اس نے ایرانیوں اور شیروانیوں کی جنگ میں بڑا کام کیا، پھر اس نے بابل پر حملہ کیا، بند باندھکر قلعۂ بابل کو دریا سے بہایا، اخیر میں اس کے عہد کے حکما کے حالات ہیں،

اسی طرح داستان کنبس بن تبرد (Cambyses) داستان شیرشش بن دریو (Xerxes Darius) داستان ازتشیرشش شیرشش ؟ (Artaxerxes Xerxes) داستان الی شاندر یونانی کہ سکندر رومی کے نام سے مشہور ہے، ان بادشاہوں کے حالات کے ساتھ اس عہد کے حکمار کے بھی حالات ہیں،

خاتمہ میں مترجم لکھتا ہے۔

سپاس تازہ سرایم وستایش دگر بگویم، ستایش دادم سر بنا ہنم و پرستش را کر بر میان بندم کراز

گزیدگی نیاز و پاس بندگی و تسبیح دست وکوشش حق گذار بتاریخ سیزدہم ربیع الاول روز جمعہ ہزار دو دوازدہ ہلالی و بست و نہم امرداد الہی روز از اسفندیار (اسفندار) چہل و ہشت از جلوس حضرت شاہنشاہی (ختم) شد . . . . واین خورد زادہ نو نہ ماہہ را کہ پیران کہن سال را تجربہ آموز و تجربہ کاران را روشنی افزوداست واز حضرت شاہی پناہی نامی واسم گرامی ثمرۃ القدسفہ نام در خدمت گیتی خداوند پیرایہ قبول ارزانی داراد،

صفحہ ۲۴۴ پر قیصر کے حالات میں لکھتا ہے:-

عجب آنکہ ہمان زمان ولادت مسیح علیہ السلام بود واین سال چہل و دو از سلطنت قیصر مذکور بودہ است ، وچگونگی ولادت این بزرگوار در کتاب دیگر کہ از حضرت شاہنشاہی خلد اللہ ملکہ وسلطانہ بنام نامی واسم گرامی مرآۃ القدس غازہ قبول یافتہ بتفصیل نوشتہ شدہ،

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مرآۃ القدس بھی غالباً اسی مترجم کی کتاب ہے، اس کا ایک نسخہ برٹش میوزیم کی فہرست کتب فارسی قلمی مرتبہ ریو کی جلد اول کے صفحہ تین پر درج ہے، اور پادری جرونو شویر کی تصنیف ظاہر کیا ہے، اس کتاب میں پادری مذکور دیباچہ میں لکھتا ہے کہ اکبر بادشاہ کے حکم سے میں نے سات آٹھ سال تک فارسی سیکھی، اور یہ کتاب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حالات میں لکھی اور اس فارسی ترجمہ میں عبدالستار بن قاسم لاہوری نے بھی مدد کی، اس کتاب کے چار باب ہیں، باب اول زمانہ طفلی حضرت عیسیٰ علیہ السلام، باب دوم تعلیم و معجزات، باب سوم رحلت، باب چہارم حیات ثانی،

پادری جرونو شویر نواری (Navare کا رہنے والا تھا اور آپاسٹل آف انڈیا، ایس، فرانسز شویر (S. Francis Xavier) کا رشتہ دار تھا، ۱۵۸۱ء میں جیسویٹ مشن گوا میں شریک ہوا، ۱۶۱۷ء میں گوا میں مرگیا، ایک تاریخ پادری مذکور نے اپنی زبان میں بھی لکھی ہے جس کا نام ہے (Historica relatio (ad Regnum magni Magar)

اس تاریخ میں اس نے دربار اکبری کے حالات، اور اکبر و جہانگیر کے ساتھ سفر کشمیر کے حالات لکھے ہیں،

عبدالستار بن قاسم لاہوری کا اور کوئی حال معلوم نہیں ہوا، ثمرة الفلاسفہ سنہ ۱۰۱۱ھ کی اور مرآة القدس سنہ ۱۰۱۲ھ کی تصنیف یا تالیف ہے، اس نے جہانگیر کے حکم سے سنہ جلوسی مطابق سنہ ۱۰۲۳ھ اجمیر میں ظفر نامہ کا انتخاب کیا اور وہ منتخب ظفر نامہ کے نام سے فہرست مرتبہ ریو قلمی فارسی کتب جلد اول کے صفحہ ۱۸۱ پر درج ہے، مرآة القدس کا نسخہ ہندوستان میں اور ثمرة الفلاسفہ کا انگلستان میں غالباً نہیں ہے،

میں نے یونانی ناموں کی فہرست میں کوشش کی مگر ناکام رہا، اب کوئی اور فاضل اس کام کو پورا کریں،

شعر الہند

از

مولانا عبدالسلام ندوی،

شروع سے آج تک کے اردو شعرا پر اور ان کے ہر قسم کے کلام کی تنقید اور اصناف شاعری پر بحث اور ہر صنف پر مستقل نقد، لکھائی چھپائی کاغذ اعلیٰ، قیمت :- للعہ

منیجر

تلخیص و تبصرہ

روس میں تعلیمی جدوجہد

روس میں انقلاب حکومت کے بعد سے وہاں کے عام حالات پر یورپ کے "عیار ہاتھوں" نے ایسا پردہ ڈالا کہ ہم وہاں کے نظام حکومت، اور داخلی اور خارجی سیاسیات کی لاعلمی کے ساتھ اس کے معاشرتی، تجارتی، صنعتی، علمی اور تعلیمی حالات سے بھی حقیقی معنوں میں بے خبر ہیں، اور کبھی کچھ حالات معلوم ہوئے ہیں تو ان کا ایک دوسرے کے متضاد ہونے کے علاوہ ان کے ذرائع معلومات اس قدر غیر مستند قرار پاتے ہیں کہ ہم ان خبروں سے روس کے متعلق کوئی قطعی رائے قائم نہیں کر سکتے، لیکن ماہ دسمبر ۱۹۲۵ء کے "الہلال" مصر میں مجلۂ ایشیا کے حوالہ سے ایک امریکن سیاح کے حالات سفر کے چند اقتباسات شائع ہوئے ہیں، جو ایک حد تک قابل اعتنا کہے جا سکتے ہیں، اسلئے ہم انھیں دیکھکر روس کے تعلیمی حالات کے متعلق کسی نتیجہ تک پہنچ سکتے ہیں، ذیل میں اس مضمون کی پوری تلخیص درج کیجاتی ہے،

عہد زار کے روسی طلبہ زار روس کی شہنشاہی میں روس کے مدرسوں میں صرف سرمایہ داروں کے بچے تعلیم حاصل کرتے تھے کیونکہ غرباء کے بچوں کے لیے اولاً نہ وہ آسانیاں موجود تھیں اور نہ انھیں اپنی ابتدائے طفولیت سے کاشتکاری کے کاموں اور کارخانوں کی ملازمت سے فرصت ملتی تھی، اسلئے زار کے ایام سلطنت میں روس کی تمام آبادی میں ۸۰ فیصدی سے زیادہ ناخواندہ اشخاص تھے،

انقلاب حکومت کا اثر طلبہ جب روس میں انقلاب حکومت ہوا اور زمام حکومت بالشویکوں کے ہاتھوں میں آئی تو انھوں نے غرباء اور مزدوروں کے بچوں کی تعلیم کی طرف اس بنا پر نہایت سرگرمی سے توجہ کی کہ کوئی تعلیم یافتہ مزدور تعلیم پانے اور اقتصادیات کی حقیقت اور حکومت کا مفہوم سمجھنے کے بعد شہنشاہی کی تائید کے لئے تیار نہ ہوگا، بلکہ

اس کے بجائے وہ بالشویک نظام حکومت کا حامی و مددگار ہوگا کہ اس نظام میں اسکی فلاح وبہبودی ہواوراگر غربار کی جماعت ناخواندہ رکھی جائیگی تو بہت ممکن ہے کہ اپنی جہالت سے مخالفین حکومت کے اغوا میں اگر قدیم شہنشاہی کو قبول کرنے کے لیے تیار ہوجائے،

اس نقطۂ نظر کی بنا پر نہ صرف مدرسوں میں غربار کے بچوں کو داخل کیا گیا بلکہ تمام مدارس سے سرمایہ داروں کے لڑکوں کو علٰحدہ کرکے غربا، اور کسانوں کے لڑکوں سے ان جگہوں کی خانہ پری کیگئی،

یہ نئے طلبہ علم وتعلیم سے قطعی نابلد تھے اس لیے ان کے دماغوں پرجہل وجمود کے تاریک پردے پڑے ہوئے تھے لیکن انکے شوق وشغف اور محنت وکاوش نے ان میں ایک ایسا ملکہ پیدا کردیا جس نے ان کے ذہنوں سے جہل کا تاریک پردہ ہٹادیا، اوران میں ضبط اور شغف علمی کا ایسا جوہر پیدا ہوگیا جسکی وجہ سے انکی تعلیم کے سالانہ نتائج سرمایہ داروں کے لڑکوں کے نتائج سے بدرجہا بہتر ثابت ہوئے،

تعلیم کی عام اشاعت | روس کے وزیر تعلیم یا ان کے الفاظ میں "کمشنر تعلیم" روس کے مشہور ادیب لوناخرسکی ہیں، انھوں نے اپنے صیغۂ تعلیم کے لیے ایک ایسا دستورالعمل مرتب کیا جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اگر اس کے مطابق عمل چلا تو روس میں ۱۹۲۸ء تک جہل کا خاتمہ ہوجائے گا، انھوں نے اپنے مقصد میں کامیاب ہونے کے لیے ابتدائی کتابیں تالیف کیں، اور یہ کتابیں کئی لاکھ کی تعداد میں روس کے مدرسوں میں بہت جلد تقسیم ہوگئیں، اس طریقۂ کار کا فوری نتیجہ یہ مرتب ہوا کہ ۱۹۲۱ء میں ساٹھ لاکھ روسی معمولی نوشت وخواند سے واقف ہوگئے، کہ یکایک اسی ۱۹۲۱ء میں روس میں عام قحط پڑا، اس قحط نے تعلیمی نظام کو سخت صدمہ پہنچایا کیونکہ تمام کام کرنے والے اپنے مشاغل چھوڑکر اس قحط کے انسداد میں حکومت کے شریک کار ہوگئے،

مدرسوں کے حالات | وہاں کے مدارس کے نصاب تعلیم میں علمی رنگ بہت غالب رکھا گیا ہے، مدارس چند اصول کے ماتحت چلتے ہیں، اس کے ابتدائی اصول میں سے ایک یہ ہے کہ طلبہ کو جسمانی سزا مطلق نہ دی جائے، اس اصول کی نہایت سختی سے پابندی کیجاتی ہے، کسی سخت سے سخت جرم کی سزا میں بھی بید سے کام نہیں لیا جاتا

اور وہاں کے مدارس میں ایک اور یہ جدت بھی ہے، عام ازین کہ یہ فی الواقع اصول معاشرت سے صحیح ہو یا نہ ہو کہ لڑکے اور لڑکیاں خواہ صغیر سن ہوں، یا عہد شباب میں ایک ہی مدرسہ میں ایک ساتھ پہلو بہ پہلو بیٹھ کر تعلیم حاصل کرتے ہیں، اسلیے وہاں دوسرے ممالک کی طرح لڑکے اور لڑکیوں کے لیے جدا جدا مدارس قائم نہیں ہیں جس سے نظام تعلیم میں ایک حد تک سہولت پیدا ہوتی ہے، وہاں کے مدارس میں ایک دوسری شے یہ بھی قابل لحاظ ہے کہ طلبہ کو ابتدائے عمر سے اپنے اوپر آپ حکومت کرنے کا طریقہ بتایا جاتا ہے، وہ اپنی تعلیم کے لیے خود بطیب خاطر مضامین منتخب کرتے ہیں، انھیں جو مضامین طبعاً ناپسند ہوں ان کے پڑھنے پر وہ مجبور نہیں کئے جاتے اور اپنے اوپر آپ حکومت کرنے کی صلاحیت پیدا کرنے کے لیے ان کے ذریعہ سے ان کے مدرسوں کے نظام کو ایک حکومت کی شکل میں مرتب کرایا جاتا ہے اور اس "نظام حکومت" کے تمام اعضا خود طلبہ ہوا کرتے ہیں، اس طرح آیندہ چلکر حقیقی نظام حکومت کے سنبھالنے کے قابل ہو جائیں گے، اس وقت یونیورسٹی کے تمام طلبہ کی تعداد میں لاکھ تک پہنچ گئی ہے، طلبہ کی یہ تعداد عہد زار کے طلبہ سے کئی گنا زیادہ ہے،

طلبہ کا شغف علمی فاضل امریکن سیاح روسی طلبہ کے شغف علمی کو ظاہر کرتے ہوئے، لکھتا ہے: "میں ایک دن ماسکو یونیورسٹی کے ایک کتب خانہ میں گیا، میں نے وہاں دروازے تک کی آخر آخر نشستوں کو بھرا ہوا دیکھا، وہاں طلبہ کو جنمیں لڑکے اور لڑکیاں دونوں تھے کرسیوں پر بیٹھنے کے بجائے زمین پر بیٹھے ہوئے پایا، کیونکہ وہاں کے کتب خانوں میں ہمارے امریکہ کے کتب خانوں جیسا نظام نہیں ہے، وہاں جو طلبہ بیٹھے ہوئے نہایت مستعدی سے مطالعہ میں مصروف تھے یا جو مختلف مسائل علمی کے حاصل کرنے کے لیے آہستہ آہستہ باتیں کر رہے تھے ان کے انہماک کا یہ عالم تھا کہ کتب خانہ کے آنے جانے والوں کی عام گفتگو یا عجلت کے لیے لوگوں کا اصرار سے کتابیں مانگنے میں ہنگامہ کرنا ان کی مصروفیت میں خلل انداز نہیں ہوتا، یہ ہیں آج کل کے روسی طلبہ؛ اور یہی ہیں وہ حالات جو ان طلبہ اور عہد زار کے طلبہ میں باعث امتیاز ہیں،

فوجی مجالس اور تعلیم بالشویکوں کے لیے چند فوجی مجالس کا وجود نہایت مغتنم ثابت ہوا، انھوں نے ان مجالس

...ملہ افزائی کی، اور ان مجالس کے ممبروں میں اشاعتِ تعلیم کے لیے ان مجالس سے مدرسوں کا الحاق کر...
...ا ہے کہ ان ممبروں کی مجموعی تعداد ایک لاکھ پچاس ہزار تھی، ان کے لیے محاضرات میں کتابیں لکھی گئیں اور...
...ف قسم کے ڈرامے تیار کرکے تقسیم کئے گئے، اس طریقۂ کار سے وہ بہت زیادہ مستفید ہوئے اور انھوں نے...
...بلد علمی معلومات کا کافی ذخیرہ حاصل کرلیا،

...تعلیم سے بالشویکوں کا مقصود | بالشویک روس میں اس عام تعلیم کی نشر و اشاعت سے چند مقاصد حاصل...
...ہتے ہیں، اولاً وہ چاہتے ہیں کہ روس میں مختلف علوم و فنون کے ماہرین کی ایک جماعت پیدا ہوجائے،
...ے وہ مزدوروں کے ایک ایسے گروہ کے خواہشمند ہیں جو اپنے علمی معلومات کے ذریعہ سے کارخانوں اور...
...ت کی ضروریات پوری کرسکیں، جس سے روس میں اقتصادی ترقی کا حصول ممکن ہو، اور ان سب سے...
...یہ کہ وہ تمام باشندگانِ روس میں ایک علمی روح پیدا کردینے کے خواہاں ہیں،

اسلام اور اصول حکومت

ان دنوں مصر میں وہاں کے ایک قاضی شیخ علی عبدالرزاق ازہری کی ایک کتاب پر جو انھوں نے...
...ِ حکومت پر لکھی ہے، اور جس میں انھوں نے اسلامی سیاسیات پر بحث کی ہے، سخت اختلافات پیدا ہوگئے...
...ور بعض لوگوں نے اس تصنیف کو احکامِ شرع کے خلاف ٹھہرایا ہے، ٹائمز (لندن) اپنے ادبی ضمیمہ میں اس...
...بد کرتے ہوئے لکھتا ہے:-

۱۲ اگست ۱۹۲۵ء کو ۲۴ علماء کی ایک مجلس نے جامع ازہر کے استاد اصول فقہ اور اس کتاب کے مصنف...
...نداو کا الزام لگاکر ان کو استاذی کے درجہ سے الگ کردیا ہے، اس کتاب کا جو اثر مسلمانوں پر ہوا ہے اسکو...
...ف کے لیے ہم کو یہ حقیقت پیشِ نظر رکھنی چاہیے کہ ہر تعلیم یافتہ مسلمان کے لیے مذہبی تعلیم ایک ضروری شئے ہے...
...ہر مسلمان کو جو صحیح اسلامی تعلیم حاصل کرنا چاہتا ہو، روزانہ کم از کم ایک گھنٹہ قرآن مجید، احادیث، اور اصول...
...م کے لیے وقف کرنا پڑتا ہے، اسلیے ہر مسلمان کو اپنے مذہبی اصول سے کچھ نہ کچھ واقفیت ہوتی ہے،

اسلیے جو شخص بھی ان بنیادی اصول کے خلاف کچھ لکھیگا اوسے نہ صرف علماء کا مقابلہ کرنا ہوگا بلکہ اوسے تمام تعلیم یافتہ مسلمانوں سے باہم دست وگریبان ہونا پڑے گا، اسلیے اس میں دونوں پہلو موجود ہیں، وہ فائدہ بھی اٹھا سکتا ہے اور نقصان بھی،

شیخ علی عبدالرزاق یقیناً ایک سچے اور اعلیٰ تعلیم یافتہ مسلمان ہیں، وہ اسلام کے دونون بنیادی اصول توحید باری تعالیٰ اور پیغمبر اسلام صلعم کے قائل ہیں، وہ قرآن مجید کو وحی اور کلام الٰہی مانتے ہیں، جہان کہیں بھی وہ موجودہ مذہبی تعصب کے خلاف اظہار خیال کرتے ہیں، اس مسئلہ کو قرآن مجید سے کوئی تعلق نہیں ہوتا، اسلامی احکام تمامتر قرآن واحادیث پر مبنی ہیں، مسئلہ خلافت کا انحصار تمامتر صرف احادیث پر ہے، قرآن مجید میں اس کے متعلق ایک لفظ بھی نہیں ہے، شیخ علی نے جو چیز ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، وہ یہ ہے کہ مندرجہ ذیل باتین نہ تو قرآن ہی میں ہیں اور نہ مستند صحیح احادیث میں،

(۱) رسول اللہ صلعم حضرت عیسیٰ یا حضرت موسیٰ علیہما السّلام سے کسی صورت سے بھی دنیاوی حکومت کے زیادہ حامی یا متمنی تھے، (۲) رسول اللہ صلعم نے مذہبی احکام واعمال کے علاوہ کوئی مزید تعلیم نہیں دی، اور نہ دینی چاہی، ان کا دعویٰ ہے کہ رسول اللہ صلعم نے اپنی حیات میں دنیاوی حکومت کے متعلق ہدایات واحکامات تو درکنار خود اپنے جانشین (خلیفہ) کے متعلق بھی کچھ نہیں کہا تھا، شیخ کا بیان ہے کہ قرآن کی اس آیت کا تعلق اطیعوا اللّٰہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم، جس مسئلہ پر خلافت کے سلسلہ میں اس قدر زور دیا جاتا ہے، اس مسئلہ سے کوئی بھی تعلق نہیں ہے، بلکہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کے اس قول کے مطابق ہے، کہ "قیصر کو وہ دو جو قیصر کا ہے" اسلیے یہ دیکھتے ہوئے کہ آپ خاتم النبیین تھے، اور آپ کے بعد کسی نے کوئی پیغام الٰہی پیش نہیں کیا اور آپ نے مذہبی احکام کے علاوہ کچھ اور نہیں فرمایا، ایک مسلمان کے لیے اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ وہ کفار ومشرکین میں حکومت کے متعلق جو بہتر چیز ہو اُسے اختیار کرے، اس سے شیخ کا مقصد یہ ہے کہ مسلمانوں کو عہد موجودہ کی ترقیون میں مساویانہ حصہ لینے سے کوئی چیز نہیں روکتی اور اسکو واضح طریقے سے یوں

ہے کہ شیخ اپنے ہم مذہبوں کے سامنے اپنے الفاظ میں وہ نظریہ پیش کرنا چاہتے ہیں، جو ترکوں نے ایک حد تک عملاً پیش کرنا شروع کیا ہو،

تاریخِ اسلام میں اس قسم کی بہت سی مثالیں ملیں گی جن جن لوگوں نے اپنے عہد کے علما کی تعلیمات کی سخت تنقید کی ہے، شیخ موصوف انھیں میں سے ایک ہیں، لیکن بعض مخصوص اسباب کی بنا پر انکی تصنیف کا خاص اثر ہو رہا ہے، ان کو مسند تدریس و عدالت سے الگ کر دیا گیا ہو، اس سے بھی کوئی زیادہ اہمیت پیدا نہ ہوتی، مگر جامع الازہر سے ان کو ہٹا کر اس مسئلہ کو ایک سیاسی رنگ دیدیا گیا، دوسرا سبب یہ ہو کہ مسئلہ خلافت کے متعلق ترکوں نے اس منصب کو موقوف کر کے جو حالت پیدا کر دی تھی اس کے بعد ہی یہ کتاب شائع ہوئی،

ہمارا خیال ہے کہ شیخ کے پیرودں کی بڑی جماعت موجود ہے، اگر دنیائے اسلام نے انکی نصیحت پر عمل کیا تو وہ بہت سی الجھنوں سے آزاد ہو جائیگی، ہمارا خیال ہو کہ اس کتاب کا انگریزی میں ترجمہ ہونا چاہیے کہ حال ہی میں اسی موضوع پر دو اور کتابیں شایع ہوئی ہیں، ایک سر آرنلڈ کی "خلافت" اور دوسرے پروفیسر گلیوسے کی "احادیث فی الاسلام" اوپر کی سطروں میں "ناظر" نے مسلمانوں کو موجودہ الجھنوں سے نجات پانے کے لیے جو تدبیر بتائی ہو، وہ اصلی حال ہو جسمیں یورپ مسلمانوں کو پھنسانے کے لیے مصروف ہو، دو چیزیں ہیں، ایک اسلام اور اسکے احکام، دوسرا جدید علم و تمدن، اب مسلمان دو فرقوں میں منقسم ہیں، ایک فرقہ قدیم الخیال اشخاص کا ہو جو یہ سمجھتا ہو کہ ہر نیا علم، نیا فلسفہ، نیا تمدن مذہب کا دشمن ہو، اسلیے ان سب سے بچنا چاہیئے، دوسرا ہمارا فرقہ یورپ کی تعلیم و تمدن سے متاثر ہے، اس کے نزدیک موجودہ عہد میں ترقی کی صرف ایک ہی صورت ہو جو ایرانی طالب اصلاح تقی زادہ کے الفاظ میں یہ ہو کہ "فرنگی مآب شوید" یعنی ہم کو ہر رنگ اور ہر طریق سے یورپین ہو جانا چاہیئے، پہلا فرقہ جدید علم و تمدن کے منافع اور ضروریات سے ناواقف ہو، اور دوسرا مذہب سے بیخبر ہو، اور اسی لیے دنیائے اسلام میں یہ ابتری اور یہ کشاکش ہو، علامہ شبلی مرحوم کا نظریہ یہ ہو کہ ہمکو ان دو چیزوں سے واقف ہو کر یہ فیصلہ کرنا چاہیئے کہ مذہب کے اصلی عناصر اور حقیقی احکام کیا ہیں، انکو قبول کرنا چاہیئے اور جدید علم و تمدن کے خلاف مذہب ادھر پہلو کیا کیا ہیں، اون سے پرہیز کرنا چاہیئے، اور اس طرح حقیقی مذہب اور حقیقی علم و تمدن میں مصالحت ممکن ہو،

ایکہ پرسی کہ مدیں کار چہ تدبیر بود، دین و دنیا ہمہ آمیز کہ اکسیر بود،

اخبار علمیہ

باشندگان امریکہ کی ایک نمایاں خصوصیت، امریکن اشخاص کے طرز زندگی میں "عجلت" ایک نمایاں خصوصیت ہے، جو انھیں دوسرے ممالک کے باشندوں سے ممتاز کرتی ہے، وہ جس کام میں ہات لگاتے ہیں اسے جلد از جلد اتمام تک پہنچانا چاہتے ہیں، امریکہ میں کوئی شخص ایسا نہیں ملے گا جو ٹھہر ٹھہر کر چلنے کا عادی ہو، اسلیے تمام روئے زمین پر جتنے موٹر کار موجود ہیں امریکہ میں انکی مجموعی تعداد سے کہیں زیادہ پائے جاتے ہیں، انکی عجلت کی یہ انتہا ہے کہ اگر انھیں کسی شہر کی تعمیر کی ضرورت ہوگی تو اوسکی بنا ڈال کر اسے جلد از جلد پایہ تکمیل تک پہنچا دیں گے، چنانچہ ۱۹۲۳ء کا واقعہ ہے کہ صوبہ واشنگٹن میں ایک نئے شہر کی تعمیر کی رائے قرار پائی، جسے اب نوتک دبو کہتے ہیں، ۱۹۲۵ء بھی نہ آنے پایا تھا کہ صرف دو برس کے اندر شہر کی تعمیر کے بعد سات ہزار آدمی وہاں سکونت پذیر ہوگئے، باشندوں کی دلچسپی کے لیے ایک تھیٹر ہال بھی قائم ہوگیا، جس کا مجموعی خرچ پچاس ہزار ڈالر ہے، اور اسی اثنا میں اس شہر کے مکانوں کی تعداد ۴۰۰ تک پہنچ گئی، نیز وہاں ایک شش منزلہ ہوٹل کھل گیا، جس مین ۱۲۰۰ اشخاص کے رہنے کی گنجائش ہے، اور ان سب سے زیادہ عجیب وغریب یہ ہے کہ اسی مدت میں وسط شہر میں ایک نہایت خوبصورت باغ بھی لگا دیا گیا، جو شہر کے لیے باعث رونق اور باشندوں کے لیے تفریح گاہ ہے،

آواز کا فوٹو، ایجاد واختراع نے اب ایک قدم اور آگے بڑھایا، پہلے اگر بولنے والوں اور گانے والوں کی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ گراموفون کے ریکارڈ میں مقید کئے جاتے تھے تو اب یہ بھی ممکن ہے کہ ایک جدید اختراع شدہ آلہ سے آواز کا فوٹو بھی اوتار لیا جائے، یہ جدید آلہ ممالک متحدہ امریکہ کی یو وا یونیورسٹی میں ایجاد ہوا ہے، اس آلہ کا سب سے اہم جزو ایک آئینہ ہے جو انسان کی آواز اور اسکی تموج کی حرکتوں کے ساتھ ساتھ آہستہ آہستہ

حرکت کرتا ہے، اور اسی آئینہ کی حرکت فوٹوگرافی کے آلہ پر جس میں سینما کے فلم جیسا ایک فلم ہوتا ہے اثر ڈالتی ہے، اور اس طرح اسی فلم پر آواز کے پیچ و خم کا فوٹو کھنچ جاتا ہے،

انگریزی خواتین معزز عہدوں پر۔ انگلستان میں خواتین کی روز افزوں علمی و تعلیمی ترقی روز بروز مردوں سے ان کے عہدے خالی کرا رہی ہے، وہ رفتہ رفتہ ملازمت کے ہر شعبہ میں نظر آنے لگی ہیں، چنانچہ ۱۹۲۲ء میں مسز الیس نے جانوروں کے علاج کرنے کی سارٹیفکٹ حاصل کی اور مسز ولیمز نے اسی سال وکالت کی سند پائی، ۱۹۱۲ء میں مسز کوسمان شہر نورٹلیش کی افسر اعلیٰ مقرر ہوئیں، ناظرین کے لیے ذیل کے اعداد و شمار دلچسپی سے خالی نہ ہوں گے جنمیں انگلستان کی عورتوں کے موجودہ منصبوں کا نقشہ پیش کیا گیا ہے:-

عہدے	تعداد	عہدے	تعداد
شہروں کے افسران اعلیٰ	۶	جج	۸۹۵
میونسپلٹیوں کی ممبر	۲۲۶	میونسپلٹیوں کے اعلیٰ افسروں کی مجلسوں کی ممبر	۷۰
دوسری نیابتی مجلسوں کی ممبر	۱۱۹		۱

بیس ہزار سال کی ایک قبر۔ یوگوسلافیہ کے ایک گاؤں بڑ ذموسٹ میں مٹی کے برتن بنانے کے لیے ایک کمپنی قائم تھی اس کمپنی نے ایک جگہ ایک قبر کا اکتشاف کیا جو کشتی کے مانند ہے، قبر کو کسی چیز سے بنانے کے بجائے پتھر کی سلوں سے ڈھک دیا گیا تھا، جب پروفیسر ابسولون نے اس قبر کی تحقیقات کی تو انھیں اس میں انسانوں کی بیس کھوپڑیاں ملیں جنمیں سے ۱۲ کھوپڑیاں جوان مردوں اور ۸ چھوٹے بچوں کی ہیں،

پروفیسر موصوف کا قیاس ہے کہ یہ بیس ہزار سال کی قبر ہے، انھوں نے اس قبر میں ایک چھوٹی گردن کے نزدیک چھوٹا سا ہار بھی پایا ہے، اس اکتشاف میں سب سے زیادہ عجیب و غریب یہ ہے کہ یہ کھوپڑیاں

ہماری کھوپڑیوں سے چھوٹی نہیں ہیں بلکہ ان میں سے بعض ہماری کھوپڑیوں سے بھی بڑی ہیں، اور ان کے دانت ہمارے دانتوں کی بہ نسبت زیادہ قوی اور منہ کے اندر زیادہ گھسے ہوئے ہیں،

تمام عالم میں پٹرول کا خرچ، تمام دنیا میں پٹرول کا خرچ روز افزوں ترقی پر ہے لیکن اس کا مصرف تمام اطراف عالم میں کسی ایک مقررہ اصول پر مبنی نہیں، کیونکہ ۱۹۱۳ء میں ساری دنیا میں جسقدر پٹرول صرف ہوا، اس کا چوتھائی حصہ صرف یورپ کے حصہ میں ہے، پھر ۱۹۲۰ء میں اسی یورپ میں ۱۹۱۳ء کے تناسب سے پندرہواں حصہ بھی خرچ نہ ہوسکا، ولایات متحدہ امریکہ میں اسکا خرچ سب سے بڑھا ہوا ہے، کیونکہ تمام دنیا میں جس قدر پٹرول صرف ہوتا ہے اس میں ۷۰ فیصدی صرف امریکہ کا حصہ ہے،

ذیل میں ۱۹۲۴ء میں پٹرول کے خرچ کا شمار دیا جاتا ہے جس سے واضح ہوگا کہ تمام اطراف عالم میں پٹرول کے لاکھوں پیپے کا صرف کس تناسب سے ہے:-

ملک	مقدار		
ولایات متحدہ امریکہ	۷۱۸	لاکھ	پیپے
میکسیکو	۱۴۵	"	"
روس	۴۹	"	"
ایران	۳۰	"	"
جزائر ہند مقبوضہ ہالینڈ	۱۵	"	"
رومانیہ	۱۳	"	"
ونزویلا	۸٫۲	"	"
پیرو	۵٫۳	"	"
ہندوستان	۷٫۵	"	"
پولینڈ	۵	"	"
بورنیو	۴٫۵	"	"
ارجنٹائن	۳٫۵	"	"
دوسرے ممالک	۸٫۷	"	"
مجموعہ	۱۰۱۳	لاکھ	پیپے

باب التقریظ والانتقاد

تاریخ اسلام

(از مولوی ابو الجلال صاحب ندوی)

جناب مولوی اکبر شاہ صاحب نجیب آبادی سے ناظرین معارف روشناس ہیں، وہ تاریخ سے خاص ذوق رکھتے ہیں، اور اکثر اسی کا مطالعہ رکھتے ہیں، اور اسی کی تحقیقات اور غور و خوض میں وقت صرف کرتے ہیں چنانچہ یہ کتاب بھی انکی اسی دلچسپی کا نتیجہ ہے،

یہ کتاب چار ابواب پر منقسم ہے، پہلے باب میں عہد رسالت سے پہلے کی عربی تاریخ اور دیگر ممالک کا اخلاقی نقشہ پیش کیا گیا ہے، دوسرے باب میں عہد نبوت، تیسرے باب میں خلافت شیخین، چوتھے باب میں حضرت عثمانؓ حضرت علی اور خاتم الخلفا امام حسن رضی اللہ عنہم کی امارت تک کے حالات ہیں، ان ابواب کے علاوہ ایک مختصر مقدمہ بھی ہے جس میں نفس سلطنت کی تاریخ اور جمہوری اور شخصی حکومتوں کے نقصانات اور فوائد سے بحث کیگئی ہے،

اس کتاب کی تالیف میں مؤلف نے کافی محنت اٹھائی ہے، مگر خدا جانے کیوں وہ اپنے مطالعہ کی کتابوں کو پردۂ راز میں رکھنا چاہتے ہیں، ساری کتاب میں کہیں بھی اپنے ماخذوں کا ذکر نہیں کیا ہے اور نہ کسی موقع پر کسی واقعہ کے متعلق کوئی حوالہ دیا ہے، شاہ صاحب کو غور کرنا چاہیئے کہ ان کی اس فروگذاشت کا اثر اس کتاب کے اعتماد پر کیا پڑے گا،

افسوس ہے کہ ہمکو اس کتاب کی ستائش کے ساتھ ساتھ جناب مصنف کی کچھ خوردہ گیری بھی کرنی پڑتی ہے،

شاہ صاحب نے مستعرب عربوں کے بیان میں فرمایا ہے کہ،

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مادری زبان عجمی یا فارسی تھی،

کاش شاہ صاحب نے اس عجیب و غریب دعوی پر کوئی سند پیش کی ہوتی تو ہم روایت کے درجہ کے متعلق یقیناً کوئی صحیح رائے قائم کرسکتے، غالباً شاہ صاحب کو غلط فہمی اس لیے ہوئی کہ کسی موقع پر آپ نے حضرت ابراہیمؑ کی زبان کے متعلق عجمی کا لفظ پایا ہوگا، اور چونکہ معلوم ہے کہ عرب کے مؤرخین حضرت ابراہیمؑ کا اصلی وطن کوثی، حران، یا ہرمز جرد وغیرہ ان مقامات میں بتاتے ہیں جو عہد اسلام سے قبل ایران کے ماتحت تھے اس بناپر قیاس فرمالیا گیا کہ یقیناً حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مادری زبان فارسی ہوگی، مگر یہ قیاس قطعاً غلط ہے، کوئی روایت اسکی تائید نہیں کرتی، بلکہ طبقات ابن سعد میں تو صحیح سند کیساتھ حضرت ابن عباسؓ سے مذکور ہے کہ

"حضرت ابراہیمؑ نے جب کوثی سے ہجرت کی تو انکی زبان سریانی تھی، آپ نے جب حران سے فرات کو پار کرلیا تو خدا نے آپ کی زبان بدل دی، اسی عبور فرات کی مناسبت سے اس جدید زبان کا نام (جسکو حضرت ابراہیمؑ نے بعد ہجرت اختیار کیا) عبرانی پڑا، نمرود نے آپ کے پیچھے جن لوگوں کو چھوڑا تھا ان کو حکم دیا تھا کہ جو شخص سریانی بولتا نظر آئے اس کو پکڑ لاؤ، ان لوگوں کی حضرت ابراہیمؑ سے ملاقات ہوئی لیکن آپ نے عبری میں گفتگو کی، اسلیے چھوڑ دیا"

یہی روایت قرین قیاس بھی ہے، کیونکہ حضرت ابراہیمؑ یقیناً بنو سام سے ہیں، اور بنو سام کی قدیم ترین زبان کا نام عربوں کی زبان میں "سریانی" ہے جبتک آپ وطن میں تھے سریانی بولتے تھے وطن چھوڑنے کے بعد آپ نے فرات پار کی زبان اختیار کی، حضرت ابراہیمؑ کا فارسی بولنا کہیں سے ثابت نہیں،

شاہ صاحب نے تاریخ اسلام میں بحیرا راہب کے واقعہ کو بھی درج کیا ہے، حالانکہ ناقدین فن علمائے سیرت نے بدلائل اس کو غلط ثابت کیا ہے، اگر واقعہ شاہ صاحب کی نظر میں صحیح ہے تو اس کے دلائل لکھنا بھی ضروری تھا، اسی طرح آپ نے بغیر حوالہ دوسرے سفر شام میں نسطورا راہب سے حضور صلعم کی ملاقات کا قصہ بھی درج کیا ہے اس قسم کے واقعات کے لیے حوالہ کی جس قدر ضرورت ہوتی ہے ظاہر ہے،

افسوس یہ ہے کہ شاہ صاحب کے انداز بیان نے واقعہ کو اور بھی تعجب انگیز بنا دیا ہو فرماتے ہیں کہ

"نسطورا نے آنحضرت صلعم کو دیکھا تو اپنے صومعہ سے بعض کتب سماویہ لے کر آیا . . . . کبھی آپ کو دیکھتا کبھی کتب سماویہ کو پڑھتا"،

حالانکہ کتب سیر میں جو کچھ منقول ہے وہ یہ ہے کہ راہب نسطورا نے آنحضرت صلعم کے شریک سفر میسرہ سے آپ کے حالات دریافت کئے، اور سب علامات سنکر آخر میں اس نے کہا کہ "اس درخت کے نیچے کبھی کوئی غیر نبی نہیں اترا، یہ شخص یقیناً نبی موعود ہے" ہم کو کوئی ایسی روایت معلوم نہیں جسمیں مذکور ہو کہ راہب نسطورا "کبھی آپ کو دیکھتا کبھی کتب سماویہ کو پڑھتا" بہرحال نسطورا راہب سے ملاقات کا واقعہ بھی محض افسانہ ہے، اس واقعہ کی صحت کا دار و مدار موسیٰ بن شیبہ پر ہے، ابن سعد، واقدی، اور محمد بن اسحاق سب نے اس روایت کو انھی سے لیا ہے، کتب رجال میں انکو ناقابل اعتماد اور منکر الحدیث قرار دیا گیا ہے، موسیٰ بن شیبہ سے پہلے کے رواۃ بھی معروف نہیں، عمیرہ، ام سعد بنت ربیع، نفیسہ بنت منیہ میں سے کوئی بھی معروف نہیں، ایسی حالت میں روایت کا جو پایہ ہے ظاہر ہے، بفرض یہ سب لوگ ثقہ سہی لیکن نفیسہ نے اس روایت کو حضرت ابوطالب سے بیان کیا ہے، کیا نفیسہ کی ملاقات حضرت ابوطالب سے ممکن بھی ہے؟

ان خوردہ گیریوں کے باوجود ہم شاہ صاحب کی اس خدمت کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں، تاریخ اسلام پر ایسی جامع و مفصل کتاب کی ضرورت ہے اور اسی قسم کی کتابیں اس ضرورت کو پورا کرسکتی ہیں، حصہ دوم کے متعلق ہم مشورہ دینگے کہ اس میں کم از کم اہم واقعات کا ضرور حوالہ دینا چاہئے، اور تنقید واقعات میں دقت نظر سے زیادہ کام لینا چاہئے، اگر ہمارے اس مشورہ پر عمل کیا گیا تو انشاء اللہ اس سلسلہ کی دوسری جلدیں قابل استناد ہونگی، اس کے بعد ہم کو صوفی صاحب سے بھی کچھ عرض کرنا ہے،

یہ کتاب کتابی تقطیع پر ۳۰۴ صفحات میں ہے اور ہر صفحہ ۲۲ سطروں کا مجموعہ ہے، اسکی وجہ سے خط باریک ہوگیا ہے، لکھائی اور چھپائی نہ تو کتاب کی اہمیت کے موافق ہے نہ صوفی کمپنی کے دقار کے مطابق، تاریخ اسلام شاہ صاحب کی تصانیف میں ایک خاص چیز ہے، اگر مطبع نے ان پر جو ظلم کیا ہے اس نے بہت کچھ کتاب کی قدر و قیمت میں کمی

کر دی، ہم صوفی کمپنی کے مالکان سے درخواست کریں گے کہ ہر کتاب کی لکھائی چھپائی اتنی صاف و اضح، اور جلی تو ضرور ہوتی چاہئیے کہ ہر عمر کا آدمی بآسانی پڑھ سکے اور محض طباعت کی خرابی سے قارئین کی طبیعت اکتا نہ جائے، قیمت:- فی جلد ہے، غیر مجلد ہے، صوفی پرنٹنگ کمپنی پنڈی بہاء الدین لاہور سے طلب کیجئے،

آسی،

از عبد السلام صاحب ندوی،

حضرت مولانا شاہ عبد العلیم صاحب آسی ایک صوفی منش بزرگ تھے، اور زیادہ تر صوفیانہ رنگ کے اشعار کہتے تھے، وہ اگرچہ متأخرین شعراء میں داغ، جلال، اور امیر کی سی عام شہرت حاصل نہ کر سکے، تاہم نواح پورب مثلاً غازیپور، گورکھپور، بنارس اور بلیا وغیرہ میں ان کے کلام نے خاص طور پر ایک عقیدت آمیز شہرت حاصل کی تھی، چنانچہ ان کا دیوان ۱۳۱۸ھ میں گورکھپور سے شائع ہو چکا ہے، اور مولانا سبحان اللہ صاحب رئیس گورکھپوری کے پاس بھی ان کے کلام کا بہترین ذخیرہ موجود ہے جسکی طباعت میں وہ کوشاں ہیں، لیکن مولوی سید یامین صاحب ہاشمی ام اے، ال ال بی وکیل غازیپور نے انکی نظموں کا ایک جدید مجموعہ نئے طرز پر مرتب کر کے شائع کیا ہے، جسکا نام آسی ہے، وہ خود معترف ہیں کہ وہ اس ایڈیشن میں آسی کے سوانح پر روشنی نہ ڈال سکے، اسلئے اگر آسی کے بجائے اس کا نام "نظم آسی" ہوتا تو غالباً زیادہ موزوں تھا، بہرحال انھوں نے اس مجموعہ میں سب سے پہلے ایک طویل مقدمہ لکھا ہے، جس میں مختلف عنوانات میں انکی شاعری پر بحث کی ہے، لیکن ان عنوانات میں کسی قسم کا تصنیفی تناسب نہیں پایا جاتا، کیونکہ بعض موقعوں پر نہایت اختصار سے اور بعض موقعوں پر غیر ضروری اطناب سے کام لیا ہے، مثلاً ایک عنوان میں آسی کا انداز بیان یہ بتایا ہے کہ "الفاظ تھوڑے لیکن معانی بہت زیادہ" اور اسکی مثال میں صرف دو شعر نقل کئے ہیں، اور اس کے ساتھ یہ بھی تشریح نہیں کی ہے کہ وہ معانی کثیرہ کیا ہیں جو ان تھوڑے سے الفاظ میں آگئے ہیں، اس کے بعد تلمیحات کا ایک عنوان قائم کیا ہے، اور تلمیحات کے مختلف اقسام بیان کرنے کے بعد لکھا ہے کہ غالب

کو تلمیحات کے استعمال میں کمال تھا اور حضرت آسی بھی اس کا خاص ملکہ رکھتے ہیں، لیکن مثال میں صرف تین شعر نقل کئے ہیں جنمیں کوئی نئی تلمیح نہیں ہے، وہی کوہکن اور موسیٰ کا نام حضرت آسی نے بھی لیا ہے جو کتب شاعری کے ایک طفل ابجد خوان کو بھی از بر ہیں، ایک عنوان موسیقی کا قائم کیا ہے، اور ایک تمہید کے بعد لکھا ہے کہ آسی کے اشعار کسی اور ہی قسم کی موسیقی پیش کرتے ہیں، الفاظ رقصاں ہیں، جملے جھومتے ہیں، لیکن مثال میں ایک خاص بحر کے چند شعر پیش کئے ہیں مثلاً

غمزے ہیں جنہیں حسن کے عشق ہے اوس نگار کا چوٹ ہے جس میں عشق کی حسن ہے میرے یار کا

لیکن اس قسم کی بحروں میں تمام شعراء نے غزلیں لکھی ہیں، اسلئے اگر اوس میں موسیقیت ہے تو یہ صرف آسی کا بلکہ کسی شاعر کا کمال نہیں ہو سکتا، اگر کمال ہے تو موجد بحر کا ہے،

فطرتی شاعری کے عنوان میں مولانا آسی کو اصلی معنوں میں شاعر تسلیم کیا گیا ہے، لیکن مثال میں صرف دو شعر نقل کئے ہیں، اور یہ نہیں بتایا ہے کہ ان میں کن فطرتی جذبات کا اظہار کیا گیا ہے،

ایک عنوان قائم کیا ہے "حضرت آسی اور تعلیم قرآن" اور اس میں اگرچہ بہت اختصار سے کام نہیں لیا ہے بلکہ متعدد اشعار نقل کئے ہیں جنمیں قرآن کی کسی آیت یا حدیث کے کسی مفہوم کی طرف اشارہ ہے، لیکن حضرت آسی ہی کی تخصیص نہیں، بلکہ اردو کے بہت سے شعراء کے کلام میں اس قسم کی مثالیں ملسکتی ہیں، انھوں نے تلمیحات کے عنوان میں تلمیح کی ایک قسم یہ کی ہے کہ "وہ جنکا تعلق مذہبی عقائد اور قصص کے ساتھ ہے" اسلئے اگر ان اشعار کو مذہبی تلمیحات کی مثال میں درج کرتے تو بہتر ہوتا، اور آسی کی تلمیحات اردو کے عام شعراء سے ممتاز ہو جاتیں،

ان عنوانات کے بعد فلسفۂ تصوف کے عنوان سے تصوف کی تاریخ پر ایک طویل بحث کی ہے، اور اگرچہ مجھکو دل میں یہ طوالت بیانی خود کھٹکی ہے، چنانچہ خود لکھتے ہیں کہ

ممکن ہے کہ ایک معترض اس طویل تمہید کو دیکھ کر سیلے ایک تمسخر کر بیٹھے لیکن

وہ غور یہ سمجھ کر کہ تو میرا مطلب بنفسہ ترتیب سے اصطلاحات تصوف کی (بلکہ) میرا ارادہ ہے کہ میں [illegible]

آیندہ صفحات میں تصوف کے تمام مراحل و لطائف کا ذکر مولانا آسی کی شاعری کے سلسلہ میں کر دن

اس کے بعد مولانا آسی کی صوفیانہ شاعری سے بحث کی ہے اور لکھا ہے کہ میر درد، آتش، ناسخ، غالب و ذوق سب کے کلام میں تصوف کی اصطلاحات موجود ہیں، لیکن ان مصطلحات کا استعمال صرف اس وجہ سے تھا کہ بغیر چاشنی تصوف جذبات کا اظہار ممکن نہ تھا، لیکن ان میں آتش و ناسخ تو شیعہ ہیں جو انھیں کے الفاظ میں " بوجہ عقیدت مذہبی تصوف کے منکر ہیں، ذوق کا کلام بھی تصوف کے آب و رنگ سے خالی ہے، لیکن اون کے علاوہ تمام شعرائے دلی کا کلام نکات تصوف سے لبریز ہے، درد کی نسبت تو کوئی کلام ہی نہیں ہو سکتا، اور خود انھوں نے آسی کی طرح غالب کا شمار شاعری ہی تصوف کو قرار دیا ہے،

ہر چند ہو مشاہدۂ حق کی گفتگو   بنتی نہیں ہے شیشہ و ساغر کہے بغیر

میر اگرچہ اپنے تغزل میں مشہور ہیں، لیکن ان کے کلام میں بھی تصوف کے مسائل بکثرت ملتے ہیں، انھوں نے آسی کے کلام سے جو صوفیانہ مثالیں پیش کی ہیں وہ بھی ایسی نہیں جو اور شعرا کے کلام میں نہ مل سکیں، اس کے تمام تمہید میں تصوف کے جو تاریخی سلسلے اور ان کے مسائل بیان کئے ہیں، کلام آسی سے ان کے مطابق اشعار بھی نقل کئے ہیں، بعض مثالیں مثل لہ سے مطابق بھی نہیں، مثلاً ان اشعار کو تزکیہ نفس سے کیا تعلق ہے؛

صلاحیت بھی تو پیدا کر اے دل ناداں   پڑے ہیں نقش کف پائے یار پتھر پر

اگر یہ دل کو چاہو تم کہ منزل گاہ دلبر ہو   تو جو ہو غیر تم ہو تاکہ غیر اس گھر کے باہر ہو

مولانا آسی کی اخلاقی شاعری کے سلسلے میں بھی ایک طویل تاریخی تمہید لکھی ہے، لیکن اون کے کلام سے جو اخلاقی اشعار انتخاب کئے ہیں، وہ بھی وہی اردو شاعری کے عام عنوانات ہیں، مثلاً توکل اور دنیا کی بے ثباتی وغیرہ،

بہر حال شعر العجم حصہ پنجم کو سامنے رکھکر انھوں نے آسی کے کلام پر نظر ڈالی ہے، لیکن وہ یہ نہ سمجھے کہ وہ اردو شاعری کی تاریخ نہیں لکھتے بلکہ کلام آسی پر ریویو لکھتے ہیں، اسلیے اس قسم کے تاریخی مباحث اس مقدمہ میں غیر ضروری اور متجاوز عن الحد تھے،

ان تمام مراحل کے بعد خاص خاص عنوانات کے نیچے آسی کے بہ کثرت اشعار جمع کئے ہیں جن سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان تمام اشعار کو اسی عنوان سے تعلق ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ متعدد مختلف المضامین اشعار میں سے کسی شعر کے ایک ٹکڑے کو لیکر موجودہ اخباری طرز پر عنوان بنا لیا گیا ہے، مثلاً،

خوشبو وہی رنگت وہی مستی بھی ادسی کی کیسے ہیں بھی دور مئے میخانۂ دل تھا،

اس سے ایک عنوان قائم کیا ہے "میخانۂ دل" لیکن اس کے بعد جو اشعار ہیں انکو مئے و میخانہ سے کوئی تعلق نہیں، ایک عنوان قائم کیا ہے "طراز گنج اسرار" اور اس سلسلہ میں بہت سے اشعار نقل کئے ہیں، جن میں صرف ایک شعر میں یہ ترکیب آئی ہے،

نہ جانا کچھ طراز گنج اسرار امانت دار تھا جاہل ہمارا

بہرحال اگر وہ اس طوالت بیانی کو چھوڑ کر مختلف عنوانات سے مثلاً تصوف، اخلاق اور فلسفہ کے نیچے آسی کے تمام صوفیانہ، فلسفیانہ اور اخلاقی اشعار جمع کر دیتے تو زیادہ کامیاب ہوتے،

یہ گفتگو تو اس مقدمہ کے متعلق تھی، لیکن آسی کا کلام اس سلسلے سے الگ ہے، اور وہ ایک مفصل تنقید کا محتاج ہے، اسلئے ساتھ ساتھ ہم اس فرض کو بھی ادا کرتے ہیں، اردو شاعری میں اخلاق و تصوف کا جو ذخیرہ ہے، اسکی دو قسمیں ہیں، ایک تو وہ جس میں صرف اخلاق و تصوف ہی ہے شاعری نہیں، شاہ نیاز بریلوی وغیرہ کا کلام اسی قسم کا ہے، دوسرے یہ کہ عاشقانہ غزلوں میں جابجا صوفیانہ اشعار بھی آجاتے ہیں، شعرائے دہلی کا یہی طرز ہے اور یہ طرز انھوں نے متاخرین شعرائے فارسی سے سیکھی ہے، لیکن آسی کے کلام کو ان سب پر مزیت یہ ہے کہ اس میں زیادہ تر اخلاق و تصوف کا حصہ پایا جاتا ہے اور اسی کے ساتھ شاعرانہ حسن ادا کا سررشتہ بھی ہاتھ سے چھوٹنے نہیں پاتا، مثلاً ایک غزل کے متعدد اشعار میں مسئلۂ وحدت الوجود کی طرف اشارہ کیا گیا ہے،

قطرے میں کچھ نہیں پانی کے سوا کیا کہیے بات کہنے کی نہیں ہے بجز اکیا کہئے

ایک ہستی کے سوا کچھ بھی نہ جانا ہم نے اسے نکیرین پھر اور اس کے سوا کیا کہیے

ہم کہاں ہم تو ہیں معدوم گر ہے کوئی | کہدیں کچھ صاف تو ہوتے ہو خفا کیا کہیے
لالہ و گل میں اوسی رشکِ چمن کی ہے بہا | باغ میں کون ہے اسے بادِ صبا کیا کہیے

ایک اور غزل میں بھی اسی قسم کے خیالات ظاہر کئے ہیں،

حجاب گنج مخفی میں نہاں تھے | الٰہی ہم کہاں آئے کہاں تھے؟
بہار باغ ہستی تھی ہمیں سے، | نظر سے گو برنگ بو نہاں تھے
نہ تھا معشوق جس میں غیر عاشق | عجب خلوت تھی وہ بھی ہم جہاں تھے
اوٹھے ہم اوٹھ گیا پردہ دوئی کا | ہمارے اوس کے بس ہم درمیاں تھے

اسی طرح اون کی غزلیں عرفان و تصوف میں ہیں بعض غزلوں میں ایک ہی قسم کے خیالات ظاہر کئے گئے ہیں، اور بعض میں تصوف کے مختلف مسائل کا بیان ہے، ان غزلوں میں جو اشعار عاشقانہ ہیں وہ بھی نہایت متین سنجیدہ، اور پر درد ہیں، اور یہ متانت و تہذیب بھی اسی ذوق تصوف کا نتیجہ ہے مثلاً

لذت اک گونہ چاہیئے مجھ کو | کیا وہ دل بھی دکھا نہیں سکتے؟
اون کو دعوائے یوسفی آسی | خواب میں بھی جو آ نہیں سکتے

جز ہم زباں نہ کوئی ملا قدرداں مجھے | آنکھیں کسی کی کہتی ہیں جادو بیاں مجھے
اکثر شب میں بھی چاند سی صورت ضرور ہے | رفعت اگر ملی صفت آسماں مجھے

وہ کیوں سہیں حسن کا تقاضا ہی نہ ہے کچھ حجاب میرا | نقاب اُلٹیں وہ بے تکلف کہ مجھ میں تابِ نظر نہیں ہے

اگر غور سے دیکھا جائے تو ان اشعار میں بھی صوفیانہ اشارے نکلتے ہیں مثلاً

اسے وُرخوش آب دریائے وجود | ہجر میں دل ماہیِ بیتاب ہے
دیکھیے حوریں دکھائی جاتی ہیں، | امتحانِ عاشقِ بیتاب ہے
میری آنکھیں اور جلوہ آپ کا | یا قیامت آگئی یا خواب ہے

اس بنا پر اون کا یہ کہنا بالکل صحیح ہے،

اگر بیان حقیقت نہ ہو مجاز کے ساتھ — تو شعر لغو ہے آسی کلام ناکارہ،

الفاظ کی تراش خراش اون کے یہاں کم پائی جاتی ہے، البتہ بعض الفاظ میں انھوں نے تصرفات کئے ہیں، مثلاً خواجہ حافظ نے "می مرد افگن" کی نئی ترکیب پیدا کی تھی، اونھوں نے تصرف کرکے اسکو صوفی فگن، موسیٰ فگن، عاشق فگن کردیا

استعارہ و تشبیہ بھی اون کے یہاں کم ہیں لیکن جو ہیں وہ نہایت لطیف ہیں مثلاً

کوئے محبوب سے کوئی بھی نکل سکتا ہے — اپنے اوہام ہوئے وادی غربت مجھ کو

دل پیر مغاں میں چاہیئے اے دل ترا گھر ہو — وہ ہے مے فروش جو نور نگاہ چشم ساغر ہو

خرام ناز بھی سرجوش برق طور ہے شاید — کسی کا نقش پا جام مئے موسیٰ فگن کیوں ہو

اخلاقی مسائل میں وہ زیادہ تر تمثیل سے کام لیتے ہیں اور یہ وہی مثنوی معنوی کا طریقہ ہے جسکی تقلید ناسخ و شاہ نصیر نے کی تھی،

پیرایا حق وہ تھا جاتا رہا جو ہاتھ سے تیرے، — بساں آسیا ناحق کف افسوس ملتا ہے

بساں شمع آخر آپ رہ جاتا ہے جل بھن کر — کہیں آتش زبانی سے کسی کا کام چلتا ہے،

لیکن اس طرز میں انھوں نے کوئی جدت اور وسعت نہیں پیدا کی ہے،

متانت سنجیدگی اور ذوق تصوف نے اگرچہ ان کے کلام کو شعرائے لکھنو کی طرز سے الگ کر دیا ہے، تاہم کہیں کہیں لکھنویت بھی پائی جاتی ہے، مثلاً

جوانی گر نہیں پر ناتوانی ہے ضعیفی کی، — ملے جو کوئی چکنی وضع پائے دل سنبھلتا ہے

درخت بارور کی طرح پتھر روز کھاتا ہوں — جنون نخل قد یار مجھکو خوب پھلتا ہے،

ان آنکھوں کی قسم کچھ گرمی دل کم نہیں ہوتی — خیال جنبش مژگاں اگر پنکھا بھی جھلتا ہے،

بہرحال وہ متأخرین کے دور میں ایک ایسے شاعر تھے جو بعض حیثیتوں سے شعرائے دلی و لکھنو میں داخل اور بعض حیثیتوں سے ان سے الگ تھے، اور نواح پورب انکی ذات پر فخر کرسکتا ہے،

مطبوعاتِ جدیدہ

جلال الدین خوارزم شاہ، ساتویں صدی ہجری میں دولت خوارزمیہ اپنے اوج کمال پر تھی، کہ یکایک تاتاری سیلاب اُمنڈ آیا، اور علاء الدین خوارزم شاہ کی ان تھک مدافعتوں کے باوجود چنگیزیوں کا کثر حصۂ ملک پر قبضہ ہوگیا، یہانتک کہ علاء الدین نے دشمنوں سے منھ موڑ کر دنیا سے ہمیشہ کے لیے منھ چھپا لیا، اسکے بعد زمام سلطنت جلال الدین خوارزم کے ہاتھ میں آئی، اسکی رگوں میں حمایت اسلامی جوش زن تھی، وہ تازہ دم ہوکر اٹھا، اور دشمنوں سے خوب خوب معرکہ آرا ہوا، کہ یکایک خاندان شاہی میں نفاق و شقاق کی وبا پھیلی اور علاء الدین کے دو اور لڑکوں نے مختلف حصۂ ملک میں جداگانہ حکومتیں قائم کرلیں، اس سے جلال الدین کی قوت منتشر ہوگئی اور باوجود اسکی سعی پیہم کے تاتاری سیلاب ملک میں روز بروز بڑھتا گیا اور بالآخر اس نے پورے ملک پر چھا کر حکومت خوارزمیہ کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ کردیا، زیر تبصرہ کتاب میں یہی واقعات ترکی زبان کے ایک سب سے مشہور ادیب نامق کمال بک نے ڈرامہ کے طرز میں بیان کیے ہیں، ڈرامہ جوش جہاد حمیت اسلامی اور حب وطن کے جذبات سے لبریز ہے، اور اردو زبان کے مشہور ادیب جناب سید سجاد حیدر صاحب رجسٹرار مسلم یونیورسٹی کے اردو ترجمہ نے زبان کی لطافت اور طرز نگارش میں اور زیادہ پاکیزگی پیدا کردی ہے، سید صاحب کا یہ تحفہ ملک کو مدت کے بعد ملاہے، مگر گرانقدر ہے، ضخامت چھوٹی تقطیع پر ۲۰۹ صفحے، لکھائی چھپائی اور کاغذ اچھا ہے، قیمت ۱؎ منیجر مسلم یونیورسٹی بکڈپو علی گڈہ سے طلب کیجائے،

ترکی زبان، مملکت ترکیہ میں قیام جمہوریہ ترکیہ کے بعد سے ترکوں کو اپنی زبان سے غیر معمولی شغف ہوگیا ہے اور اب مملکت ترکیہ میں تقریباً تمام لٹریچر ترکی زبان میں شایع ہوتا ہے، اسلیے تحریک اتحاد اسلامی کے سلسلہ

میں ترکوں سے تعلقات قائم کرنے اور ان کے حالات سے واقفیت تامہ حاصل کرنے کے لیے اب ترکی زبان کی تحصیل ضروری ہوگئی ہے، اسی مقصد کو پیش نظر رکھکر مولوی علی بہادر خانصاحب سابق اڈیٹر خلافت نے یہ رسالہ لکھا ہے، جس میں سب سے پہلے ترکی کے حروف تہجی اور ان کا تلفظ بتایا گیا ہے، پھر باب دوم سے ششم تک اسم کے مختلف قسموں کا بیان ہے، باب ہفتم میں "فعل" کی تقسیم کرکے ہر ایک کی جداجدا تشریح کیگئی ہے، پھر "حروف" کا بیان ہے، اس کے بعد ۲۴ صفحوں میں خالص ترکی الفاظ بہ ترتیب حروف تہجی جمع کئے گئے ہیں، اور ایک تعلیق (نوٹ) میں ظاہر کیا گیا ہے کہ اس میں حتی الامکان ترکی کے تمام خالص الفاظ جمع کردیئے گئے ہیں اور اُن کے علاوہ ترکی میں جو الفاظ رائج ہیں، وہ عربی اور فارسی کے ہیں، آخر میں چند ضمیمے ہیں، پہلے ضمیمہ میں "حروف" کا بیان ہے، دوسرے میں چند ایسے فقرے جمع کئے گئے ہیں جو روزمرہ استعمال کئے جاتے ہیں، اور تیسرے ضمیمہ میں اخباری زبان کے چند نمونے ہیں اور سب سے آخر چوتھے ضمیمہ میں ترکی طرز تحریر پر ایک مختصر تعلیق لکھنے کے بعد نمونۃً مصطفےٰ کمال پاشا کا ایک خط درج کیا گیا ہے جو مرکزی خلافت بمبئی کے نام آیا تھا، اردو میں ترکی زبان کے متعلق پیشتر جو ایک دو کتابیں لکھی گئی ہیں غالباً ان سے یہ زیادہ بہتر ہے ضخامت چھوٹی تقطیع پر ۱۰۰ صفحے، لکھائی چھپائی اور کاغذ عمدہ ہے، قیمت ۱۲؍ ، منیجر اخبار اتحاد بمبئی نمبر ۳ سے طلب کیجائے۔

عقائد محمدی، امام متبوع حضرت احمد بن محمد بن حنبل علیہ الرحمہ نے ایک مختصر رسالہ "عقیدہ اہل السنۃ" میں اہل السنۃ والجماعۃ کے عقائد کی تفصیل اور دوسرے فرق اسلامیہ مثلاً مرجیہ، قدریہ اور معتزلہ وغیرہ کے اصول عقائد بیان کرکے انکی تردید کی تھی، مولوی محمد بن ابراہیم صاحب جوناگڈھی نے امام صاحب کے اس رسالہ کو مع ترجمہ کے "عقائد محمدی" کے نام سے شائع کیا ہے، ترجمہ صاف اور سلیس ہے، حجم مع متن ۴۲ صفحے لکھائی چھپائی اچھی ہے لیکن کاغذ نہایت معمولی لگایا گیا ہے، قیمت ۴؍ پتہ مولوی محمد بن ابراہیم صاحب مدرس مدرسہ محمدیہ اجمیری دروازہ دہلی،

جواہرات، جناب سراج الدین احمد صاحب نظامی نے بچوں کے لیے چند دلچسپ اور سبق آموز کہانیاں لکھکر "جواہرات" کے نام سے شائع کیا ہے، زبان عام فہم اور بچوں کے لائق ہے، لکھائی چھپائی بھی بچوں کی مناسبت سے

عمدہ ہے، آخر کے چند صفحوں میں رسالہ کے مشکل الفاظ جمع کرکے انکی تشریح کیگئی ہے، حجم چھوٹی تقطیع پر ۱۰ صفحے، قیمت ۵ر، پتہ:
شیخ غلام علی صاحب تاجر کتب کشمیری بازار لاہور،

گوتم بدھ، قرآن مجید کی آیت "ما من امة الا خلا فیہا نذیر" کو پیش نظر رکھکر مہاتما گوتم بدھ کا مصلحین امت میں ہونے کا نظریہ ایک حد تک مانوس ہوتا جاتا ہے، منشی امیر احمد صاحب علوی بی اے نے اسی مطمح نظر کے ساتھ زیر تبصرہ رسالہ میں مہاتما کے سوانح حیات اور انکی تعلیمات کا خلاصہ درج کیا ہے، شاید اردو میں کسی مسلمان کے قلم سے یہ مضمون پہلی دفعہ ادا ہوا ہے، ضخامت ۳۲ صفحے، کتابت و طباعت متوسط اور کاغذ معمولی ہے، قیمت ۴ر، دفتر الناظر بک ایجنسی چوک لکھنؤ سے ملسکتی ہے،

قاعدہ تیسیر القرآن، مولوی ابو الفیض محمد سلیمان صاحب بی اے نے ابتدائی قاعدے "قاعدہ بغدادی" میں نہایت حسن و خوبی سے ضروری ترمیم کرکے یہ رسالہ شائع کیا ہے، رسالہ میں ۲۱ اسباق ہیں اور سبق کی ابتدا میں تعلیقاً علیحدہ علیحدہ اصول تعلیم بتائے گئے ہیں، امید ہے کہ غالباً بچوں کے لیے یہ رسالہ مفید ہوگا، حجم چھوٹی تقطیع پر ۲۸ صفحے لکھائی چھپائی بچوں کے پڑھنے کے لائق اور کاغذ متوسط ہے، قیمت ۲ر، پتہ:- مکتبہ الفیض چوک فرید امرتسر پنجاب،

عام فہم تفسیر پارہ الم، خواجہ حسن نظامی صاحب نے اردو کی متعدد تفسیروں کو پیش نظر رکھ کر عام فہم زبان میں "عام فہم تفسیر" لکھنی شروع کی ہے، اس تفسیر کا پہلا پارہ الم شائع ہوا ہے، اس میں ہر آیت کریمہ علیحدہ علیحدہ جلی حروف میں لکھی گئی ہے، اسکے نیچے تحت اللفظ ترجمہ ہے، پھر اس ترجمہ کے مطالب عام فہم زبان میں بیان کئے گئے ہیں، اس تفسیر کی خاص خصوصیت یہ ہے کہ آخر میں "عملیات" کا ایک باب باندھا گیا ہے، اس کے ذیل میں سورہ الحمد اور آیت الم کے متعلق صوفیہ کے چند بتائے ہوئے عمل اور ان کے کرنے کے طریقے لکھے گئے ہیں جو سینہ بسینہ خواجہ صاحب تک بسلسلۂ روایت پہنچے ہیں اور جنہیں خواجہ صاحب نے اپنی کمال فیاضی سے "میں اجازت دیتا ہوں" کے الفاظ کے ساتھ وقف عام کر دیا ہے، ضخامت ۸۰ صفحے لکھائی چھپائی اچھی اور کاغذ متوسط ہے، ۱ پتہ:- حلقہ مشائخ بکڈپو دہلی،

دوسرے دار الاشاعت کی کتب

دور فطرت، طبعیات، طبقات الارض، ہیئت، اور جغرافیہ طبعی کے ابتدائی مسائل عام فہم اور سلیس عبارت میں . . قیمت

مکاتیب، نواب وقار الملک اور نواب محسن الملک کے خطوط کا مجموعہ

الاستدلال، اس میں علم منطق کے اصول نہایت خوبی و عمدگی کے ساتھ سلیس زبان اور سہل طریقہ سے بیان کئے گئے ہیں

الفہرست، اردو زبان کی ہر علم کی تصنیفات کی مکمل فہرست مع اسمائے مصنفین و مطبع قیمت و ضخامت . . .

الانسان، اس میں انسان کے تمام قوائے نفسانی و جسمانی خصوصیات طبعی کی علمی تشریح کی گئی ہے صفحہ ۲۱۳، قیمت

تسہیل البلاغت، اردو زبان میں فن فصاحت و بلاغت اور بدیع پر دلکش اور سہل اور آسان کتاب ہے،

حکمت عملی، فن اخلاق پر جدید و قدیم معلومات کی جامع کتاب ہے

مولدین، مسٹر ہنری چارلس لی کی کتاب موریس کو کا ترجمہ جس میں اندلس مسلمانوں کی بربادی کے بعد مسلمانوں اور عیسائیوں کے باہمی ربط کی تفصیل کی گئی ہے مترجمہ منشی خلیل الرحمن صاحب، قیمت . . .

تاریخ مغرب، البیان المغرب فی اخبار المغرب جلد اول مصنفہ علامہ ابن العذاری المراکشی کا ترجمہ جس میں شمالی افریقہ کے مسلمانوں کی مفصل تاریخ مذکور ہے ضخامت ۴۰۷ صفحات، قیمت

خلافت موحدین، علامہ عبد الواحد مراکشی کی کتاب المعجب کا ترجمہ جس میں اندلس میں موحدین کی خلافت کی تاریخ مذکور ہے ضخامت ۳۰۰ صفحات، قیمت

مختصر تاریخ اسلام، تاریخ اسلام کے طالب علموں کے لیے مفید سلسلہ اسباق جس کو مصر کے فاضل مورخ محی الدین خیاط کی کتاب سے ضروری اضافوں کے ساتھ منشی خلیل الرحمن صاحب نے ملخص کیا،

حصہ اول (ذکر رحمۃ للعالمین)، حصہ دوم، (خلافت راشدہ)

حصہ سوم، (خلافت امیہ)، حصہ چہارم (خلافت عباسیہ)

اخبار الاندلس، اسلامی اندلس کی مستند ترین تاریخ ہسٹری آف موریش امپائر ان یورپ کا ترجمہ جس سے بہتر [illegible] اس وقت تک [illegible] نہیں لکھی گئی، [illegible] ترجمہ منشی خلیل الرحمن صاحب

حصہ اول [illegible] قیمت

حصہ دوم [illegible]

حصہ سوم، جلد بازیافت مجلد

مکاتیب امیر مینائی، مؤلفہ احسن اللہ خان صاحب ثاقب جس میں علاوہ ان کے خطوط کے ان کے حالات اور ان کے مشاہیر تلامذہ کے سوانح، طرز اصلاح سخن، داغ و امیر کا موازنہ وغیرہ بھی شامل ہیں۔ قیمت . . .

تحریر نامہ، مولوی احسن اللہ خان صاحب ثاقب جس میں جناب موصوف نے اپنی بلند پایہ نثر و نظم فارسی عربی اور اردو کے انتخابات جمع کیے ہیں، حجم ۲۱۴ صفحے قیمت

مسلمانوں کی تہذیب، از نواب محسن الملک مرحوم

ہلال، از ڈاکٹر اقبال،

تصویر درد . . . .

شمع و شاعر . . . .

شکوہ . . . .

فریاد امت . . . .

وکرم اروسی، مہا کوی کالی داس کے مشہور ناٹک کا ترجمہ مع ایک بسیط مقدمہ کے جس میں ہندو ڈراما کی تاریخ پر بحث کی گئی ہے از مولوی محمد عزیز مرزا صاحب مرحوم . . .

قدیم ہندوستان کی تہذیب، مسٹر آر سی دت کی بے مثل تاریخ "سویلیزیشن آف اینشنٹ انڈیا" کا ترجمہ از لے، ڈی، احمد، . . . . .

مسلمانان اندلس، یعنی اسٹینلی لین پول کی مشہور کتاب موریس ان اسپین کا ترجمہ از سید عبد الغنی وارثی (علیگ) مرحوم

شعر و شاعری، یعنی مولانا حالی کے اردو دیوان کا لاجواب مقدمہ . .

تاریخ عرب، موسیو سید یو فرانسیسی کی مشہور کتاب کا ترجمہ جس میں مسلمانوں کے علوم و فنون، تمدن، اور فتوحات کی تاریخ ہے قسم خاص جلد چرمی سنہری (قسم عام جلد بانچہ)

اساس التعلیم، یورپ و امریکہ کے ماہران تعلیم و پرورش کے تجربات مؤلفہ جناب عبد الحق صاحب بی اے، . . . .

کشاف الہدی، یعنی نزول قرآن، وحی، الہام، [illegible] تمام علمی مباحث پر بحث کی گئی ہے، ضخامت [illegible]

تاریخ تمدن، [illegible]

[illegible]

[illegible] قیمت [illegible]

رجسٹرڈ نمبر ۱۸۷

معارف

مجلس دار المصنفین کا ماہوار علمی رسالہ

مرتبہ

سید سلیمان ندوی

فروری سنہ ۱۹۲۶ء

قیمت: صہ سالانہ

مطبع معارف میں چھپکر

دفتر دار المصنفین اعظم گڈھ سے شائع ہوا

دارالمصنفین اعظم گڈھ

کی

خاص کتابیں (ٹائیٹل کے صفحوں پر)

علامہ شبلی نعمانی

سیرۃ النبی صلعم، حصہ اوّل طبع دوم تقطیع ۲۰×۲۶، حالات نبوی از ولادت تا ختم غزوات، قیمت باختلاف کاغذ . . . . سے اور للعہ

ایضاً حصہ دوم، کارنامہ نبوی تکمیل شریعت تاریخ احکام، وفات، اخلاق و شمائل وغیرہ طبع اول قیمت قسم اعلیٰ تقطیع کلاں . . . . عہ

ایضاً حصہ دوم، طبع دوم قیمت باختلاف کاغذ تقطیع خورد ۵ر و ۸ر

ایضاً حصہ سوم، تقطیع کلاں قسم اوّل عہ قسم دوم، سے

الفاروق، حضرت فاروق اعظم کی لائف اور طرز حکومت، سے

المامون، خلیفہ مامون الرشید کے عہد سلطنت کے حالات مطبوعہ معارف پریس ۱۲ر

الغزالی، امام غزالی کی سوانحعمری اور ان کا فلسفہ، ۸ر

سیرۃ النعمان، امام ابوحنیفہ کی سوانحعمری اور ان کے اجتہادات اور مسائل ۱۲ر

سوانح مولانا روم، مولانا جلال الدین رومی کی مفصل سوانحعمری مثنوی شریف اور دیگر تصنیفات پر تقریظ ۱۲ر

رسائل شبلی، مولانا کے گیارہ مختلف علمی مضامین کا مجموعہ، عہ

مقالات شبلی، مولانا کے تیرہ مختلف مضامین کا مجموعہ، عہ

بیان خسرو، خسرو کے حالات زندگی، اور انکی شاعری پر ریویو ۸ر

شعر العجم حصہ اوّل، شاعری کی حقیقت فارسی شاعری کا آغاز و قدماء کا دور . . . . سے

ایضاً حصہ دوم، شعرائے متوسطین کا دور عا

ایضاً حصہ سوم، شعرائے متاخرین کا دور، عا

ایضاً حصہ چہارم، فارسی شاعری پر ریویو سے

ایضاً حصہ پنجم، عاشقانہ صوفیانہ اور اخلاقی شاعری پر تبصرہ عا

الانتقاد علی التمدن الاسلامی، جرجی زیدان کے تمدن اسلامی پر عربی میں ریویو، ۸ر

موازنۂ انیس و دبیر، مرثیہ کی تاریخ، اردو میں اصول تنقید، اور فصاحت و بلاغت کی تشریح اور میر انیس کی شاعری کا اس معیار سے موازنہ، ۱۲ر

سفرنامہ روم و مصر و شام، مطبوعہ معارف پریس، قیمت عا

مضامین عالمگیر، شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر پر اعتراضات اور ان کے جوابات قیمت باختلاف کاغذ و طبع ۱۲ر عہ ۸ر

علم الکلام، مسلمانوں کے علم کلام کی تاریخ اسکی عہد بعہد کی ترقیاں اور علمائے متکلمین کے نظریات اور مسائل، طبع چہارم مطبوعہ معارف پریس عا

الکلام، مولانا کی مشہور تصنیف، جدید علم کلام جس میں عقلی دلائل سے مذہب کو فلسفہ کے مقابلہ میں ثابت کیا ہے، اور ملاحدہ اور منکرین کے دلائل کا رد کیا ہے طبع سوم مطبوعہ معارف پریس قیمت . . . عا

کلیات، مولانا کے تمام فارسی قصائد غزلیات، مثنویات، قطعات کا مجموعہ جو اب تک متفرق طور سے دیوان شبلی دستۂ گل، بوئے گل، برگ گل کے ناموں سے چھپے تھے، اس میں سب یکجا کر دئے گئے ہیں ۲۰ پونڈ کے ولایتی کاغذ پر نہایت عمدہ چھپا ہے، قیمت عا

کلیات شبلی اردو، مولانا کی تمام اردو نظموں کا مجموعہ جس میں مثنوی صبح امید، قصائد، جو مختلف جلسوں میں پڑھے گئے، اور وہ تمام اخلاقی سیاسی مذہبی اور تاریخی نظمیں جو کانپور، ٹرکی، طرابلس، بلقان، مسلم لیگ، مسلم یونیورسٹی وغیرہ کے متعلق لکھی گئی تھیں، یکجا ہیں، یہ نظمیں درحقیقت مسلمانوں کے چہل سالہ جد و جہد کی ایک مکمل تاریخ ہے لکھائی چھپائی کاغذ اعلیٰ، ۱۲ر

مولانا حمید الدین صاحب بی اے

عربی زبان میں مولانا نے قرآن پاک کی تفسیر کا جو سلسلہ شروع کیا ہے اس کے حسب ذیل نمبر چھپکر تیار ہیں، یہ تفسیر بالکل جدید طرز پر لکھی گئی ہے، جسکی خاص خصوصیت قرآن پاک کی باہم آیتوں کا ربط و نظام اور بعض عجیب حقائق مستورہ کا تسلی بخش انکشاف ہے،

تفسیر سورہ والذاریات، ۶ر

تفسیر سورۂ اللہب ۴ر

تفسیر سورۂ والتین، ۴ر

تفسیر سورۂ والکوثر، ۴ر

تفسیر سورۂ القیامہ ۴ر

تفسیر سورۂ عبس، ۴ر

تفسیر سورۂ والمرسلات ۴ر

الرای الصحیح فی من ہو الذبیح، عربی میں حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے ذبیح ہونے پر ایک مدلل اور پرزور رسالہ، یہودیوں، اور عیسائیوں کے اس باب میں ہر قسم کے اعتراضات کا قلع و قمع کر دیا ہے، . . . ۱۰ر

| عدد دوم | ماہ رجب المرجب ۱۳۴۴ھ مطابق ماہ فروری ۱۹۲۶ء | مجلد ہفدہم |

مضامین

فروری کا یہ پرچہ ذرا تاخیر سے شائع ہوتا ہے جسکی ایک وجہ تو فروری کے مہینہ کی طبعی چھوٹائی ہے، لیکن اصلی وجہ کاتب کی علالت اور اڈیٹر کی خانگی پریشانی ہے، اچھا ہے اگر اڈیٹر کی پریشانیون مین ناظرین کی بھی کسی نوع کی شرکت ہو جائے، خواہ وہ پرچہ کے بروقت نہ پہنچنے ہی کی ہو،

مسلم یونیورسٹی کے بعض ارکان کی کوشش ہے کہ یونیورسٹی مین علوم مشرقیہ کا بھی ایک صیغہ قائم ہو کیونکہ مسلم یونیورسٹی کے لیے جب روپیہ فراہم کیا جا رہا تھا تو مسلمانون کو اسکی توقع دلائی گئی تھی، اسلیے اب اس وعدہ کے وفا کرنے کے دن آگئے ہین، چنانچہ اسی غرض سے منتظمین یونیورسٹی کی دعوت پر چند چند ایسے علما جو جدید ضروریات سے آگاہ، اور نصابہائے تعلیم اور درسگاہون کا تجربہ رکھتے تھے، علی گڈہ میں جمع ہوئے، اور متواتر سات اجلاسون میں جو ۱۱ فروری سے ۱۰ فروری تک منعقد ہوتے رہے، مسئلہ کے تمام پہلوؤں کو سمجھا، اور اسکے لیے ایک نقشۂ عمل اور ایک نصاب میٹرک سے ایم اے تک کا تیار کرکے یونیورسٹی کے سامنے پیش کر دیا،

اس مجلس کے ارکان حسب ذیل اصحاب تھے۔ نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمن خان شیروانی، مولانا سلیمان اشرف صاحب صدر علوم شرقیہ مسلم یونیورسٹی، مولانا مناظر احسن صاحب استاذ دینیات جامعہ عثمانیہ حیدرآباد، مولانا امجد علی صدر مدرس مدرسہ معینیہ عثمانیہ اجمیر، اور خاکسار، مولانا عبد العزیز صاحب میمن راجکوٹی استاذ ادبیات عربی مسلم یونیورسٹی نے بھی خاص خاص موقعون پر شرکت کی، علوم شرقیہ

کو تین حصوں مین منقسم کیا گیا ہے، عقلیات، دنیات اور ادبیات، اور ہر ایک کا علحدہ علحدہ نصاب ترتیب دیا گیا ہے جو ایف اے کے پہلے سال سے ایم اے تک ختم ہو جائے گا، ہمارا کام ختم ہو گیا، اب نہین کہا جا سکتا کہ منتظمین و ارکان یونیورسٹی اسکو رد کرینگے یا قبول کرین گے، ہندو یونیورسٹی نے اپنے ہان سنسکرت لازمی کر دی ہے، اور ہمکو ابھی ردّ و قبول میں پس و پیش ہی ہے،

چند برسون سے گورنمنٹ نے دیسی طریقۂ علاج کی ترقی و حفاظت کی طرف توجہ کی ہے، بہار مین ایک طبی کلاس مدرسۂ شمس الہدی کے ساتھ قائم ہوئی ہے حتی کہ مدراس مین طب کا ایک سرکاری مدرسہ کھولا گیا ہے اور پنجاب مین اورنٹیل کالج کے ساتھ مدت سے طبی شاخ قائم ہے، اب ہمارے صوبہ نے بھی ادھر توجہ کی ہے، یوپی گورنمنٹ نے چند حکیمون اور بیدون کی کمیٹیان بنا دی تھین، جو اس معاملہ پر غور کر رہی تھین، آخر یہ طے ہوا کہ اس صوبہ مین ایک طب اور ایک بید کا کالج کھولا جائے اور گورنمنٹ اس کے ابتدائی مراحل کے لیے تین لاکھ یکمشت، اور ۵۰ ہزار سالانہ دیگی،

بحث یہ پیش آئی کہ کالج کہان کھولے جائیں، ہندؤن نے اپنے لیے بالاتفاق بنارس کو پسند کیا اور طے ہوا کہ ہندو یونیورسٹی کی ماتحتی مین یہ قائم ہو، مسلمان حکیمون مین مقام کی تعیین مین اختلافات پیش آئے، لکھنؤ مین اسوقت طب کی متعدد چھوٹی بڑی درسگاہین ہین جنمین خاص امتیاز تکمیل الطب (جھوائی ٹولہ لکھنؤ) کو ہے، اسلیے بعض صاحبون کی رائے ہوئی کہ اسی مدرسہ کو مدد دیکر اسکو اس صوبہ کا طبی کالج بنا دیا جائے، مگر یہ تجویز بعض خاص وجوہ سے اتفاق عام حاصل نہ کر سکی، لکھنؤ مین شاہان اودھ کے ایک وقف سے ایک شاہی یونانی شفاخانہ اور ایک شاہی ڈاکٹری کا اسپتال ہے، دوسری تجویز یہ تھی کہ اسی شاہی یونانی شفاخانہ اور شاہی ڈاکٹری اسپتال کو طبی کالج کی صورت مین تبدیل کر دیا جائے،

مگر جانتے کہ طب یونانی سے تعلیم یافتہ اشخاص کی نظر مین خواہ وہ کسی قدر غیر ضروری، غیر علمی (اَن سائنٹفک) ہو مگر یہان تو علی گڈھ اور بنارس کا تقابل ہے، سنا ہے کہ اب یہ تجویز پیش ہے کہ یہ طبی کالج مسلم یونیورسٹی کے تحت مین علی گڈہ مین قائم کیا جائے، چنانچہ یونیورسٹی کے ارکان خاص نے بسرعت تمام اس کا اعلان بھی کر دیا ہے، ہم مسلم یونیورسٹی کی جامعیت کی خاطر اس تجویز کی خواہ تائید بھی کردین مگر لکھنؤ اور طب کی مناسبت کو علی گڈہ کی زمین مین کیسے یقین کر لین،

ندوۃ العلما، کے اجلاس انبالہ مین لڑکیون کو حقِ وراثت دلانے کی جو تجویز منظور ہوئی تھی شکر ہے کہ جابجا ملک مین اوسکی تائیدین بھی ہو رہی ہین، حمایت اسلام لاہور نے اپنے اجلاس سالانہ مین یہ قرار داد منظور کی، اب جمعیۃ العلما، اپنے اجلاس کلکتہ مین اس پر غور کرے گی، پونہ کے ایک صاحب فہم سینہ نے اس بارہ مین بڑی کوششین کی ہین، اور انھون نے یہ خوشخبری سنائی ہے کہ کچھی مین برادری کے آدھے آدمیون نے قانونِ اسلامی کو قبول کر لیا ہے، اور باقی آدھے آدمیون مین بھی کام ہو رہا ہے، اللہ تعالیٰ پنجاب اور بمبئی کے مسلمانون کو اس بارہ مین قبول حق کی توفیق عطا فرمائے،

بعض نادان ہندو اصحابِ قلم مسلمانون کو طعنہ دیتے ہین کہ مسلمانون نے ہندوون پر صدہا سال حکومت کی، اور اس کا خاتمہ بھی ہو گیا، مگر انھون نے اپنی ہندو رعایا کے لٹریچر سے واقفیت حاصل نہ کی، اس لغو اعتراض کا جواب بارہا دیا گیا، اور دکھایا گیا کہ مسلمانون نے ہندوون کے علوم و فنون و ادبیات مین کس درجہ ترقی کی تھی، تمھین معلوم نہین تو یہ اپنی جہالت ہے دوسرون کی نہیں،

مگر اب ایسا موقع آیا ہے کہ اس سوال کو الٹ دیا جائے، مسلمان ایک ہزار برس سے ہندوون کے

ساتھ رہ سہ رہے ہین، ان کے تمام مراسم وعبادات انکی آنکھون کے سامنے انجام پاتی ہیں، ان کے پیغمبرون اور بزرگون کی سوانحمریان اردو مین موجود ہیں، ان کے مذہب اسلام کی نسبت ہر قسم کے معلومات سامنے ہین، تاہم ہمارے جدید تعلیم یافتہ ہندؤن کو مسلمانون کی نسبت کوئی مذہبی واقفیت نہین ہے، حتی کہ اسلام کی سب سے بڑی شخصیت محمد رسول اللہ صلعم کے متعلق بھی اونکی اطلاع ملکی ذریعہ سے نہین بلکہ غیر ملکی ذرائع سے ہے، دوستون کی زبان سے نہین دشمنون کی زبان سے ہے،

سنا ہوگا کہ ناگپور مین مرہٹی انسائیکلو پیڈیا کی تالیف واشاعت کا کام ایک مدت سے جاری ہے، ابھی حال مین اوسکی سولھوین جلد شائع ہوئی ہے، ان ۱۶ جلدون مین اسلام، اسلامی تمدن، اور اسلامی تاریخ کے متعلق بھی بہت کچھ ہے مگر جو کچھ ہے وہ سب یورپین مستشرقین اور کرسچین مشنریز کے خیالات کا عکس ہے، اپنی گرہ کی کوئی چیز نہین ہے، اغلاط کا ایک انبار خانہ ہے، کیا مرہٹی انسائیکلوپیڈیا کے مرتب کرنے والون کے لیے یہ ممکن نہ تھا کہ ان مضامین کے لیے بعض مسلمان مرہٹی اہل قلم کی عنایتین حاصل کرین، ہندوستان مین رہکر اور ہندوستان کے ایک عظیم الشان مذہب اور ایک چوتھائی آبادی کے مذہب وتاریخ سے ناواقفیت کس درجہ قابلِ افسوس ہے،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق مرہٹی انسائیکلوپیڈیا کے ایک پارہ (پیرا) کا ترجمہ درج ذیل کیا جاتا ہے تاکہ معلوم ہو کہ ہمارے اعلیٰ تعلیم یافتہ ہندو دوست مسلمانون کی تاریخ اور انکے پیغمبر کی سیرت سے کس درجہ واقفیت رکھتے ہین،

"سیرۃ ابن اسحاق مین محمدؐ کا جو حال لکھا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا چال چلن بہت خراب تھا، اپنا مطلب حاصل کرنے کے لیے وہ جو تجویز چاہتا تھا اسکو عمل مین لانے

کے لیے کبھی پس و پیش نہین کرتا تھا، نیک نیتی کو بالائے طاق رکھنے کے لیے اپنے پیرؤون کو اجازت دے رکھی تھی، بیفکری کے ساتھ جس طرح چاہا خون اور قتل کرایا، مدینہ مین اس کا ظالمانہ عمل دکھا جائے تو وہ نرا ڈاکوؤن کا ایک سردار دکھائی دیتا ہے، اسلیے کہ فن معاشیات کا علم اسکو اسی قدر تھا کہ لوٹ مار کرکے جو مال جمع ہوا اسکو اپنے پیرؤون مین تقسیم کردے، بلکہ اس کے پیرؤون کو یہ بھی شکایت تھی کہ مال غنیمت کی تقسیم مین وہ بہت طرفداری اور ناانصافی کرتا ہے، وہ خود حد سے زیادہ عیش پرست تھا، اور اپنے پیرؤون کے لیے بھی عیش پرستی مباح کررکھی تھی اس پر بھی جو کام وہ کرتا تھا، وہ کہتا تھا کہ مین وہ سب خدا کے حکم سے کرتا ہون، اپنی حکومت کے فائدہ کے لیے کسی اصول کے پامال کرنے مین اوسکو ذرا بھی مضایقہ نہین ہوتا تھا"

"مذکورۂ بالا عبارت محمدؐ کے کسی دشمن کے قلم سے نہین نکلی ہے، بلکہ اس کے ایک پیرو نے تحریر کی ہے، اور اسکو رد کرنے کی کسی مسلمان مصنف نے کوشش نہین کی،،

یہ مذکورۂ بالا تحریر جو مرہٹی انسائیکلوپیڈیا کے ایک پارہ کا لفظی ترجمہ ہے اعلیٰ تعلیم یافتہ ہموطنون کی اسلامی واقفیت کا آئینہ ہے، ابن اسحاق کی کتاب مین جواب بصورت سیرۃ ابن ہشام موجود ہے، یہ پارہ کہین ملجائے تو ہم مصنفینِ مرہٹی انسائیکلوپیڈیا کو بشارت دینگے کہ انھون نے اسلام کی شکست کے لیے سب سے کامیاب ہتھیار استعمال کیا ہے، سیواجی کے پرستارون کو لازم نہین کہ اپنی علمی تحریرون مین "ڈاکو" کا لفظ استعمال کرین، کیا یہ علمی تحقیق ہوگی کہ اپنے پڑوسیون کے مذہب اور بزرگون کی نسبت سات سمندر پار کی عیسائی مشنریون کی متعصبانہ تحریرون کو ماخذ اور سند قرار دیا جائے، مرہٹی انسائیکلوپیڈیا کے ان فقرون کا مرہٹی سمجھنے والے مسلمانون کے دلون پر کتنا صدمہ ہوگا، کوئی اس کا اندازہ کرسکتا ہے؟ کیا مسلمانون نے رام جی، سیتاجی، کرشن جی وغیرہ ہندو بزرگون کی نسبت اپنی کسی علمی و سنجیدہ

تحریر مین اس قسم کے سوقیانہ اور نفرت انگیز الفاظ کبھی استعمال کئے ہین،

جامعۂ ترکیہ قسطنطنیہ مین علم اقوام اسلامیہ کا ایک نیا فن اضافہ کیا گیا ہے جسمین مسلمان قومون کے نسبی قومی امتیازات، انکی تاریخ ارتقاء و تنزل اور موجودہ حالات و اسباب سے بحث کیجائیگی، ان مسائل پر خطبہ دینے کے لیے مشہور ترکی صاحب قلم خلیل خالد آفندی کا انتخاب ہوا ہے، ہمارے دوست سید سجاد حیدر صاحب رجسٹرار مسلم یونیورسٹی جو ترکی زبان کی مہارت اور ٹرکی کے سفر کے باعث ترکون مین روشناس ہین، ان کے پاس خلیل خالد آفندی کا ایک خط بدین مضمون آیا ہے کہ وہ ان خطبات کی تیاری مین فضلائے ہند کے خیالات سے مستفید کرین، چنانچہ اس سلسلہ مین ڈاکٹر اقبال نے اپنے خیال کے مطابق ایک مفصل خاکہ لکھکر بھیجا ہے جسمین اقوام اسلامیہ کے متعلق ہر قسم کے مباحث کا احتوا کیا گیا ہے، امید ہے کہ یہ سلسلہ آیندہ چلکر کوئی دلچسپ و کارآمد چیز بن جائے، اور اقوام اسلامیہ کی وحدت کی اس سے کوئی راہ نکل سکے،

جناب سید سجاد حیدر صاحب کے پاس ٹرکی سے جو نئی ترکی تالیفات آئی ہین ان سے ظاہر ہوتا ہے :
جامعۂ ترکیہ مین الٰہیات و دینیات کا خاص شعبہ (فیکلٹی) قائم کیا گیا ہے اس شعبہ کی طرف سے ایک ماہوار علمی رسالہ شائع ہو رہا ہے جو رسالہ میری نظر سے گذرا اسمین ایک دلچسپ مضمون امام غزالی اور سلطان سلجوقی پر تھا، اور اس مین امام کا ایک نصیحت آمیز خط سلطان کے نام تھا، دوسرا دلچسپ مضمون نظریۂ ذرات (ایٹمز) اور متکلمین اسلام پر تھا جس مین نہایت تفصیل کے ساتھ متکلمین کے خیالات نقل کئے گئے ہین، اس سے زیادہ دلچسپ چیز اس شعبہ کی طرف سے علم کلام جدید کے عنوان سے ایک تالیف ہے جس کے دو حصے ہین، افسوس کہ زبان کی اجنبیت کے باعث مطالب سے آگاہی نہ ہو سکی، مگر اتنا ظاہر ہوا کہ عقائد الوہیت

حد سالت، و تقدیر، حسن و قبح اشیا، خیر و شر وغیرہ کے متعلق حکمائے اسلام متکلمین اور صوفیہ کے خیالات و دلائل ہین، اور موجودہ حکمائے یورپ کے خیالات مین شاید تطبیق کی کوشش کیگئی ہے، بیچ بیچ مین آیات و احادیث بھی مین

شادی اور بیاہ کے مراسم مین جو فضول خرچی اور اظہار شان کی صورتین ہندوستان مین ہین معلوم ہوتا ہے کہ وہی بعینہ ترکی مین بھی ہین، ابھی حال مین انگورہ کی مجلس ملیہ نے ان مراسم کے انسداد اور اصلاح کیلئے چند قانونی دفعات شائع کی ہین، لامحالہ ترکی پولیس کے خوف سے ان قانونی دفعات کی پیروی مین یہ اصلاحات نافذ ہی ہونگی، اور ترکی مسلمان ان بدعات وخرافات سے نجات پائینگے، ہندوستان میں علمائے اسلام اور اسلامی انجمنین ایک مدت سے ان پر وعظ و پند کہہ رہی ہین، مگر نتیجہ بمنزلہ صفر! ایسے ہی مواقع مین "اپنی سلطنت" کی آرزو پیدا ہوتی ہے،

دنیا مین اس کثرت سے قدیم عربی کتابین شائع ہوئی ہین اور ہورہی ہین جنکی حد نہین، مگر آپکو یہ سنکر حیرت ہوگی کہ علامہ زمخشری کی کشاف کے علاوہ معتزلہ کی اب تک صرف دو کتابین چھپی ہین سب سے پہلی کتاب تو قاضی عبدالجبار معتزلی کی کتاب تنزیہ القرآن عن المطاعن ہے، جو مصر سے شائع ہوئی، اور دوسری کتاب ابومسلم اصفہانی کی تفسیر کے اقتباسات جو دارالمصنفین نے شائع کئے ہین، اب تیسری کتاب ایک مستشرق نبرج NYBERG پروفیسر الیسال یونیورسٹی سویڈن کی کوشش اور محنت سے مصر سے الانتصار شائع ہوئی ہے، یہ مشہور ابن الراوندی جو ملحد کے نام سے شہرت رکھتا ہے، اسکے جواب مین ہے، اس کا مصنف ابوالحسین عبدالرحیم بن محمد الخیاط ہے، اس کتاب مین پہلے ابن راوندی کے معتزلہ پر اعتراضات نقل کرتا ہے، پھر جواب دیتا ہے، کتاب ایک جلد مین ہے، اور خاصی ضخیم ہے،

مقالات

مدراس کا تیسرا خطبہ

احادیث و سیر کی تحریری تدوین

حضرات! آئیے اب ان چاروں معیاروں پر پیغمبر اسلام علیہ السلام کی سیرۃ مبارکہ پر نظر ڈالیں، سب سے پہلی چیز تاریخیت ہے، اس باب میں تمام دنیا متفق ہے، کہ اس حیثیت سے اسلام نے اپنے پیغمبر کی سیرت کی اور نہ صرف اپنے پیغمبر کی بلکہ ہر اس چیز کی، اور اس شخص کی جس کا ادنیٰ تعلق بھی حضرتؐ کی ذات مبارک سے تھا، جس طرح حفاظت کی ہے، وہ اب بھی عالم کے لیے مایۂ حیرت ہے، ان لوگوں کو جو آنحضرت صلعم کے اقوال، افعال اور متعلقات زندگی کی روایت و تحریر و تدوین کا فرض انجام دیتے تھے، ان کو راویانِ حدیث و روایت یا محدثین اور ارباب سیر کہتے ہیں جنمیں صحابہ، تابعین، تبع تابعین اور بعد کی چوتھی صدی ہجری تک کے اشخاص داخل ہیں، جب تمام سرمایۂ روایت تحریری صورت میں آگیا تو ان تمام رُوات کے نام و نشان، تاریخِ زندگی، اخلاق و عادات کو بھی قیدِ تحریر میں لایا گیا، جن کی تعداد ایک لاکھ کے قریب ہوگی، ان سب کے مجموعۂ احوال کا نام اسماء الرجال ہے، مشہور جرمن ڈاکٹر اسپرنگر جو ۱۸۴۳ء اور اس کے بعد تک ہندوستان کے علمی و تعلیمی صیغہ سے متعلق تھے، اور بنگال ایشیاٹک سوسائٹی کے سکریٹری تھے، اور ان کے عہد میں خود ان کی محنت سے واقدی کی مغازی وان کریمر کی اڈیٹرشپ میں ۱۸۵۶ء میں شائع ہوئی، اور صحابۂ کرام کے

حالات میں اصابہ فی احوال الصحابہ ابن حجر کی طبع ہوئی، اور جنھوں نے جیسا کہ ان کا دعویٰ[1] ہے کہ وہ پہلے یورپین شخص ہیں جنھوں نے خاص ابتدائی عربی ماخذوں سے "لائف آف محمد" لکھی ہے[2]، اور مخالفانہ لکھی ہے، تاہم وہ اصابہ کے انگریزی مقدمہ مطبوعۂ کلکتہ سنہ ۱۸۵۳ء تا سنہ ۱۸۶۴ء میں لکھتے ہیں،

"کوئی قوم دنیا میں ایسی گذری، ورنہ آج موجود ہے، جس نے مسلمانوں کی طرح اسماء الرجال کا سا عظیم الشان فن ایجاد کیا ہو جسکی بدولت آج پانچ لاکھ شخصوں کا حال معلوم ہو سکتا ہو" (مقدمہ سیرۃ النبی)

صحابہ کرام کی تعداد حیات نبوی کے اخیر سال حجۃ الوداع میں تقریباً ایک لاکھ تھی، ان میں ۱۱ ہزار آدمی ایسے ہیں جنکا نام و نشان آج تحریری صورت میں تاریخ کے اوراق میں جو خاص انھیں کے حالات میں لکھے گئے ہیں، اسلیے موجود ہیں کہ یہ وہ لوگ ہیں جنمیں سے ہر ایک نے کم و بیش آنحضرت صلعم کے اقوال وافعال و واقعات میں سے کچھ نہ کچھ حصّہ دوسروں تک پہنچایا ہے، یعنی جنھوں نے روایت کی خدمت انجام دی ہے، اور یہی سبب ان کی تاریخی زندگی کا ہے،

سنہ ۱۱ھ میں آنحضرت صلعم نے وفات پائی، اور تقریباً سنہ ۴۰ھ تک اکابر صحابہ کے وجود کا سلسلہ رہا، سنہ ۶۰ھ تک اصاغر صحابہ کی خاصی تعداد موجود تھی اور صدی کے ختم ہوتے اس نور نبوت کا چراغ گل ہو گیا، ہر شہر میں آخری وفات پانے والے صحابیوں کے نام اور سال وفات یہ ہیں:

اسم گرامی	نام شہر	سال وفات
۱۔ ابو امامہ باہلی	شام	سنہ ۸۶ھ
۲۔ عبداللہ بن حارث بن جزء	مصر	سنہ ۸۶ھ
۳۔ عبداللہ بن ابی اوفیٰ	کوفہ	سنہ ۸۶ھ
۴۔ سائب بن یزید	مدینہ	سنہ ۹۱ھ

[1] On The origin and Progress of writing down Historical facts among Musalmans [2] سنہ ۱۸۵۶ء میں لکھی الٰہ آباد سے شائع ہوئی،

۵- انس بن مالک　　بصرہ　　سنہ ۹۳ھ

حضرت انس بن مالک جنھون نے اس فہرست مین سب سے آخر مین وفات پائی ہے، وہ آنحضرت صلعم کے خادم خاص تھے، دس برس تک متصل آنحضرت صلعم کی خدمت مین لگے رہے، اور وہ سنہ ۹۳ھ مین وفات پاتے ہین، اور تابعین یعنی صحابہ کے تلامذہ کے دور کا سنہ ۱ھ سے اس طرح آغاز ہوتا ہے کہ گو وہ پیدا ہو چکے تھے، مگر آنحضرتؐ کی زیارت سے محروم رہے، یا بہت بچے تھے، آنحضرت صلعم کا فیض نہ اٹھا سکے، چنانچہ عبد الرحمان بن حارث تابعی تقریباً سنہ ۳ھ مین، قیس بن ابی حازم سنہ ۱ھ میں، سعید بن مسیب سنہ ۱۵ھ میں پیدا ہو چکے تھے، یہ دکھانے کے لیے کہ صحابہ کے بعد تابعین کے گروہ در گروہ جو دنیائے اسلام کے گوشہ گوشہ مین پھیلے تھے، اور رسول اللہ صلعم کے وقائع وحالات، اور احکام وقضایا کی تعلیم، تبلیغ اور اشاعت مین مصروف تھے، اونکی مجموعی تعداد کیا ہوگی، مین صرف ایک مدینہ کے تابعین کی تعداد ابن سعد کے حوالہ سے بتاتا ہون، طبقہ اولی یعنی ان تابعین کی تعداد جنھون نے بڑے بڑے صحابہ کو دیکھا تھا اور ان سے واقعات ومسائل سنے تھے، ۱۳۹ ہے، طبقہ دوم یعنی وہ تابعی جنھون نے مدینہ مین عام صحابہ کو دیکھا اور اُنسے سنا ۱۲۹ ہیں، طبقہ سوم یعنی وہ تابعین جنھون نے متعدد یا کسی نے کسی صحابی کو دیکھا اور ان سے سنا، ہیں، کل تعداد ۵۵ ۳ ہے، یہ تعداد صرف ایک شہر کی ہے، اسی پر مکہ معظمہ، طائف، بصرہ، کوفہ، دمشق، یمن، مصر، وغیرہ کے ان تابعیون کا اندازہ لگاؤ جو اپنے اپنے شہر میں صحابۂ کرام سے تلمذ کا شرف رکھتے تھے، اور جنکے روز وشب کا مشغلہ ہی آنحضرت صلعم کے قول وفعل کی اشاعت اور تبلیغ تھی، اس اہتمام کو خیال کرو کہ ہر صحابی سے جو کچھ روایتیں ہین ان مین سے ہر ایک کا شمار کر لیا گیا اور وہ گن لیگئین، اس سے اندازہ کرو کہ کیا کچھ اہتمام نہ آنحضرت صلعم کے حالات واقوال کی فراہمی میں کیا گیا،

صحابۂ کرام میں سے جن اصحاب کی سب سے زیادہ روایتین ہین، وہ حسب ذیل ہیں،

۱- حضرت ابو ہریرہؓ	۵۳۷۴	سنہ ۵۹ھ
۲- حضرت عبد اللہ بن عباسؓ	۲۶۶۰	سنہ ۶۸ھ

۳۔ حضرت عائشہ صدیقہ رض	۲۲۱۰	۵۸ھ
۴۔ حضرت عبداللہ بن عمر رض	۱۶۳۰	۷۳ھ
۵۔ حضرت جابر بن عبداللہ رض	۱۵۴۰	۷۸ھ
۶۔ حضرت انس بن مالک رض	۱۲۸۶	۹۳ھ
۷۔ حضرت ابوسعید خدری رض	۱۱۷۰	۷۴ھ

یہی وہ لوگ ہین جنکی روایات آج سیرت نبوی کا سب سے بڑا سرمایہ ہین، اونکی وفات کی تاریخون پر نظر ڈالو تو معلوم ہوگا، کہ ان کے سالہائے وفات اس قدر متأخر ہین، کہ ان سے فیض اٹھانے اور اونکی روایتون کو حفظ اور تدوین کرنے والون کی بیشمار تعداد ہوگی، انھین باتون کی واقفیت اور آگاہی کا نام اس زمانہ مین علم تھا، اور وہ دینی اور دنیاوی دونون عزتون کا ذریعہ تھین، اسلیے ہزارون صحابہ جو کچھ انھون نے دیکھا تھا اور جانا تھا، آنحضرت صلعم کے حکم کے مطابق بلغوا عنی، (مجھسے جو کچھ سنو اور دیکھو اوسکی اشاعت کرو) یا فلیبلغ الشاھد الغائب (جو مجھے دیکھ رہے ہین اور مجھ سے سُن رہے ہین وہ ان کو مطلع کردین جو اس سے محروم رہے ہین) وہ سب اپنی اپنی اولادون، عزیزون، دوستون اور ملنے والون کو سناتے اور بتاتے چلے جاتے تھے یہی ان کی زندگی کا کام اور یہی اُنکے روز و شب کا مشغلہ تھا، اسلیے صحابہ کے بعد فوراً ہی دوسری نوجوان پود ان معلومات کی حفاظت کیلئے کھڑی ہوگئی، ان مین سے ہرایک واقعہ کو لفظ لفظ یاد کرنا پڑتا تھا، انھین کو دہرانا پڑتا تھا، آنحضرت صلعم نے جہان اپنے اقوال و افعال کی اشاعت کی تاکید کی تھی، اسکی بھی تہدید کردی تھی کہ "جو کوئی میرے متعلق قصداً کوئی غلط یا جھوٹ بات منسوب کرے گا اسکا ٹھکانا جہنم ہوگا" اس اعلان کا یہ اثر تھا کہ بڑے بڑے صحابہ روایت کرتے وقت تھر تھر کانپتے تھے حضرت عبداللہ بن مسعود رض نے ایک دفعہ روایت کی اور آنحضرت صلعم کی کوئی بات نقل کی، تو چہرہ کا رنگ بدل گیا، تھرا گئے پھر کہا کہ حضور نے ایسا ہی فرمایا تھا یا اسی کے قریب قریب فرمایا تھا،

عربون کا حافظہ فطرۃً نہایت قوی تھا سینکڑون شعر کے قصیدے زبانی یاد رکھتے تھے، اس کے علاوہ فطرت کا قاعدہ یہ ہے کہ جس قوت سے جس قدر کام لیا جائے اسی قدر زیادہ اس کو ترقی ہوتی ہے، صحابہ اور تابعین نے قوتِ حفظ کو معراج کمال تک پہنچایا تھا، وہ ایک ایک واقعہ اور ایک ایک حدیث کو اس طرح زبانی سنکر یاد کرتے تھے، جیسے آج مسلمان قرآن مجید یاد کرتے ہین، ایک ایک محدث کئی کئی ہزار اور کئی کئی لاکھ حدیثین زبانی یاد کرتا تھا اور یاد رکھتا تھا، اور گو بعد میں لوگ اپنی یادداشت کے لیے لکھ بھی لیتے تھے مگر جب تک وہ زبانی یاد نہ رہتیں، نگاہون میں ان کی عزت نہین ہوتی تھی، اور وہ خود اپنی تحریری یادداشتون کو عیب کی طرح چھپاتے تھے، تاکہ لوگ ایسا نہ سمجھین کہ ان کو یہ چیزین یاد نہین ہین،

دوستو! بعض اورنٹیلسٹ اسکالرس، اور بعض پڑھے لکھے مشنریون نے جنمین سب آگے سرولیم میور اور گولڈزیہر ہیں، اس بنا پر کہ روایات نبوی کی تحریر و تدوین کا کام آنحضرت صلعم کی وفات سے ۹۰ برس بعد شروع ہوا، اونکی صحت اور وثوق مین شک پیدا کرنا چاہا ہے، مگر ہمنے جس طرح اوپر بتفصیل آپ کے سامنے پوری روداد رکھدی ہے اور بتایا ہے کہ صحابہ کس طرح واقعات کو حفظ رکھتے تھے، کس طرح احتیاط برتتے تھے، کس طرح آیندہ آنیوالی نسلون کو وہ امانت سپرد کرتے تھے، اس سے خود اندازہ ہوگا کہ گو وہ تحریری صورت مین بہت بعد آئے ہون، تاہم اونکی صحت اور وثوق مین کوئی کچھ شک نہین کرسکتا، صحابہ نے اپنے معلومات کو تین اسباب سے قیدِ تحریر مین لانا عموماً مناسب نہین سمجھا،

۱- ابتداءً آنحضرت صلعم نے قرآن مجید کے علاوہ کسی اور چیز کو کتاب کی صورت مین رکھنے کی ممانعت کردی تھی، اور فرمایا تھا کہ قرآن کے علاوہ مجھ سے کچھ نہ لکھو، لا تکتبوا عنی غیر القرآن، اور یہ اسلیے تھا تاکہ عام لوگون مین قرآن اور غیر قرآن کا باہمی التباس نہ ہوجائے، چنانچہ جب قرآن مسلمانون مین پوری طرح محفوظ ہونے لگا، تو آخر مین کسی کسی کو اجازت دیدی، اس پر بھی اکثر صحابہ احادیث و وقائع نبوی کو قید تحریر مین لانے سے اخیر دم تک احتیاط برتتے رہے،

۲-ان کو خیال تھا کہ وقائع کے تحریری صورت میں آجانے کے بعد بھی لوگون کی اعتنا، توجہ اور مشغولیت ان کے ساتھ باقی نہین رہیگی، اور لوگ تحریری مجموعہ کے موجود رہنے کے باعث حفظ اور زبانی یاد رکھنے کی محنت سے جی چرائین گے، اور یہ واقعہ ثابت ہوا، چنانچہ جیسے جیسے سفینون کا علم بڑھتا گیا، سینون کا علم گھٹتا گیا اور نیز انکو یہ بھی خیال تھا کہ ہر کس و ناکس کتابی مجموعہ کو ہاتھ مین لیکر عالم بننے کا دعوی کر بیٹھے گا، چنانچہ یہ بھی ہوا،

۳-تیسری وجہ یہ تھی کہ ابھی تک عرب مین لوگ کسی واقعہ کو لکھکر اسکی مدد سے اپنے ذہن مین رکھنے کو معیوب سمجھتے تھے، اور اپنی کمزوری کا یہ اعلان جانتے تھے، اسلیے اسکو چھپاتے تھے،

۴-محدثین کا خیال تھا کہ زبانی یادداشت تحریری یادداشت سے زیادہ محفوظ صورت ہے کیونکہ تحریری یادداشت کی حفاظت غیرون سے ممکن نہین، کیونکر ہوسکتا ہے کہ کوئی اس مین کمی بیشی کر دے، مگر جو نقوش دلوں کی لوحوں پر کندہ ہوگئے ان مین پھر تغیر تبدل ممکن نہین،

حضرات! آج اردو میں پہلی دفعہ، آپکی مجلس مین، اور سب سے پہلے آپ کی مجلس مین اس حقیقت کو آشکارا کرنا چاہتا ہون کہ یہ قطعاً غلط ہے کہ سو برس یا نوے برس تک وقائع و اقوال نبوی کا دفتر صرف زبانی روایتون تک محدود رہا، اس غلط فہمی کا اصلی سبب یہ ہے کہ احادیث و اخبار نبوی کی پہلی کتاب امام مالکؒ کی موطا اور مغازی و سیرت مین ابن اسحاق کی کتاب المغازی سمجھی جاتی ہے، یہ دونون بزرگوار ہمعصر تھے، اور ان کی وفات بہ ترتیب ۱۷۹ھ اور ۱۵۱ھ مین ہوئی، اسلیے ان اخبار و سیر کی سب سے پہلی تدوین کا زمانہ دوسری صدی ہجری کا اوائل سمجھا جاتا ہے حالانکہ اس سے بہت پہلے ترتیب و تدوین اخبار و سیر کا سراغ لگتا ہے، حضرت عمرؓ بن عبد العزیز نے ۱۰۱ھ مین وفات پائی وہ خود بڑے عالم تھے مدینہ کے امیر بھی رہ چکے تھے ۹۹ھ میں وہ خلیفہ ہوئے انھون نے اپنی خلافت کے زمانہ میں قاضی مدینہ ابی بکر بن محمد بن عمرو بن حزم کو جو حدیث و خبر کے امام بھی تھے فرمان بھیجا کہ آنحضرت صلعم کے سنن و اخبار کی تحریر و تدوین کا کام شروع کر دو، کیونکہ مجھے رفتہ رفتہ علم کے فقدان کا خوف ہو رہا ہے (یہ واقعہ تعلیقات

بخاری، موطا، اور مسند دارمی وغیرہ مین مشہور ہے) چنانچہ دفاتر میں وہ لکھکر آئے، اور انکی نقلین تمام ممالک اسلامیہ کے مرکزی شہرون مین بھیجی گئی، (مختصر جامع بیان العلم ابن عبدالرحمن ۳ مصر) ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم کا انتخاب اس کام کے لیے اسلیے ہوا کہ وہ خود امام تھے، مدینۃ العلم مدینہ منورہ مین قاضی وقت تھے لیکن اس کے علاوہ اسلیے بھی ہوا کہ حضرت عائشہؓ کی سب سے بڑی شاگرد تابعیہ عمرہ انکی خالہ تھین، اور اونکی روایتین جو حضرت عائشہؓ سے تھین انکا سرمایہ ان کے پاس پہلے سے جمع تھا، چنانچہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے ان کو خاص ان عمرہ کی روایتون کے متعلق بھی حکم دیا تھا،

عہد نبوی کا تحریری سرمایہ! آگے بڑھکر ہم دعویٰ کرتے ہین کہ خود عہد نبوی ہی مین اخبار و سیر اور احکام و سنن کا تحریری سرمایہ جمع ہونا شروع ہوچکا تھا۔ فتح مکہ کے موقع پر آپ نے ایک موقع پر خطبہ دیا تھا صحیح بخاری مین ہے کہ ابوشاہ ایک یمنی صحابی کی درخواست پر آپ نے یہ خطبہ لکھکر ان کے حوالہ کرنے کا حکم دیا، (باب کتابۃ العلم) آنحضرت صلعم نے سلاطین عالم کے نام جو خطوط روانہ کیے وہ لکھے ہوئے تھے، دس پندرہ برس ہوئے کہ ایک خط پرانے عربی خط مین لکھا ہوا ملا، جسمین بعینہ آنحضرت صلعم کے خط کی وہی عبارت ہے اور اسی طرح دستخط ہین، جس طرح حدیثون مین ان کا بیان آیا ہے، حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہین کہ عبداللہ بن عمرو بن عاص کے سوا مجھ سے زیادہ کسی کو حدیث یاد نہین، ان کے پاس حدیثون کا سرمایہ مجھ سے زیادہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ وہ لکھتے جاتے تھے، اور مین لکھتا نہ تھا (بخاری باب کتابۃ العلم) ابوداؤد اور مسند ابن حنبل مین ہے کہ بعض لوگون نے اُنسے کہا کہ آنحضرت صلعم کبھی غصہ مین ہوتے ہین، کبھی خوش رہتے ہین اور تم سب کچھ لکھ لیتے ہو، عبداللہ بن عمرو نے اس بنا پر لکھنا چھوڑ دیا، اور آنحضرت صلعم سے یہ واقعہ بیان کیا، آپ نے دہن مبارک کی طرف اشارہ کرکے فرمایا کہ تم لکھ لیا کرو، اس سے جو کچھ نکلتا ہے حق نکلتا ہے۔ (ابوداؤد جلد ۲ صفحہ ۷) عبداللہ بن عمروؓ نے اپنے اس مجموعہ کا نام صادقہ رکھا تھا، (ابن سعد ج ۴ قسم ۲ ص ۱۲۵) اور کہا کرتے تھے کہ مجھے اپنی زندگی کی آرزو صرف دو چیزون نے پیدا کر دی ہے جنمین سے

ایک یہ صادقہ ہے اور صادقہ وہ صحیفہ ہے جو مین نے رسول اللہ صلعم سے سنکر لکھا ہے (دارمی ۶۹) مجاہد
کہتے ہین کہ ہمنے عبداللہ بن عمرو صحابی کے پاس ایک کتاب رکھی دیکھی، دریافت کیا کہ یہ کیا ہے؟ فرمایا
یہ صادقہ ہے جسکو مین نے خود آنحضرت ؐ سے سنا جسمین میرے اور آپکے درمیان کوئی دوسرا نہین ہے
(ابن سعد ۲-۲-۱۲۵) صحیح بخاری مین ہے کہ آپ نے مدینہ آنے سے کچھ مدت بعد مسلمانون کی مردم شماری
کرائی اور ان کے نام لکھوائے تو پندرہ سو ہوئے (باب الجہاد) زکوٰۃ کے احکام اور مختلف چیزون پر زکوٰۃ
کی مختلف شرحین جو پورے دو صفحون پر تحریر ہین، وہ پوری تشریح لکھکر آنحضرت صلعم نے امرا کو بھیجی تھی، اور وہ
حضرت ابوبکر صدیق ؓ کے پاس، ابوبکر بن عمرو بن حزم کے خاندان مین اور متعدد اشخاص کے پاس موجود
تھی (دارقطنی کتاب الزکاۃ ۲۰۹) محصلین زکوٰۃ کے پاس دیگر ہدایتین بھی تحریری موجود تھین (دارقطنی
۲۰۰) حضرت علی ؓ کے پاس ایک صحیفہ تھا جو انکی تلوار کے نیام مین پڑا رہتا تھا، اسمین متعدد حدیثین متعلق
احکام قلمبند تھین اور انھون نے اسکو لوگون کی درخواست پر ان کو دکھایا، (بخاری ۲ صفحہ ۱۰۸۴ ...)
حدیبیہ مین جو صلحنامہ آنحضرت صلعم اور کفار قریش کے درمیان حضرت علی ؓ نے لکھا تھا، اسکی ایک نقل قریش نے
لی، اور ایک آنحضرت صلعم نے اپنے پاس رکھی، (ابن سعد مغازی ص ۱۰) عمرو بن حزم کو جب رسول اللہ صلعم نے
یمن کا حاکم بناکر بھیجا تو ایک تحریر لکھکر حوالہ کی جسمین فرائض، صدقات، دیات وغیرہ کے متعلق بہت سی
ہدایتین تھین (کنز العمال ۳ ص ۱۸۶) عبداللہ بن الحکم کے پاس رسول اللہ صلعم کا نامہ پہنچا جس مین مردہ جانور
کے متعلق حکم درج تھا (معجم صغیر طبرانی ۲۱۰) وائل بن حجر صحابی جب بارگاہ نبوی سے واپس ہوکر اپنے
وطن حضرموت جانے لگے تو آنحضرت صلعم نے ان کو خاص طور پر ایک نامہ لکھواکر دیا جس مین نماز، روزہ، ربوا،
شراب اور دیگر احکام تھے، (طبرانی صغیر ۲۴۲) ایک دفعہ حضرت عمر ؓ نے مجمع سے پوچھا کہ کسی کو معلوم ہے کہ
آنحضرت صلعم نے شوہر کی دیت مین سے بیوی کو کیا دلوایا؟ ضحاک بن سفیان نے کھڑے ہوکر کہا مجھے
معلوم ہے آنحضرت صلعم نے ہم کو یہ لکھکر بھیجا تھا (دارقطنی ۲-۴۸۵)

حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے اپنے عہدِ خلافت (۹۹ھ-۱۰۱ھ) میں آنحضرت صلعم کے فرمان متعلق صدقات کی تلاش کے لیے اہل مدینہ کے پاس قاصد بھیجا تو وہ آل عمرو بن حزم کے ہان مل گیا (دارقطنی ۵۱۴) آپ نے اہل یمن کو جو احکام لکھوا کر بھجوائے تھے، ان میں یہ مسئلے تھے، قرآن صرف پاکی کی حالت مین چھوا جائے، غلام خریدنے سے پہلے آزاد نہین کیا جا سکتا، اور نکاح سے پہلے طلاق نہین (دارمی ۲۹۳) حضرت معاذؓ نے آنحضرت صلعم سے لکھکر غالباً یمن سے یہ دریافت کیا کہ کیا سبزیون پر زکوٰۃ ہے، آپنے جواب دیا کہ سبزیون پر زکوٰۃ نہین، (دارقطنی ۵۰۴) مروان نے خطبہ مین بیان کیا کہ مکہ حرم ہے، رافع بن خدیج صحابی نے پکار کر کہا، اور مدینہ بھی حرم ہے، اور یہ بیان میرے پاس لکھا ہوا موجود ہے، اگر تم چاہو تو مین اسکو پڑھکر سناؤن (ابن حنبل ۴ ص ۱۴۱) ضحاک بن قیس نے نعمان بن بشیر صحابی کو لکھا کہ آنحضرت صلعم جمعہ کی نماز مین سورۂ جمعہ کے سوا اور کون سورہ پڑھتے تھے انھون نے جواب دیا کہ ھل اتاک (مسلم ۳۲۲) حضرت عمرؓ نے عتبہ بن فرقد کو خط لکھا کہ آنحضرت صلعم نے حریر سے منع فرمایا ہے (مسلم جلد ۲ صفحہ ۲۰۰)

حضرات! یہ وہ احکام و مسائل ہین جو آنحضرت صلعم نے مختلف لوگون کو لکھوا کر دئیے یا بھجوائے ہمارے پاس ایسے شواہد بھی ہین، جنسے ثابت ہوتا ہے کہ بڑے بڑے صحابہ احکام و سنن کو کتابی صورت میں لانا چاہا، حضرت ابوبکرؓ نے ایک مجموعہ اپنے زمانۂ خلافت مین مرتب کیا، پھر اس کو ناپسند کیا اور مٹا دیا (تذکرۃ الحفاظ) حضرت عمرؓ نے اس مسئلہ پر اپنے زمانۂ خلافت مین غور کیا، اور بہت کچھ سوچتے رہے، مگر پھر ہمت نہ کی، ابھی آپ سن چکے ہین کہ حضرت عبد اللہ بن عمروؓ نے خود آنحضرتؐ کی اجازت سے ایک نسخہ لکھا تھا جسمین آپکے ملفوظات تھے، مختلف لوگ اس کو دیکھنے آتے تھے اور وہ اسکو دکھاتے تھے (ترمذی ۴۰۵) حضرت علیؓ کے فتاویٰ کا بڑا حصہ لکھا ہوا حضرت ابن عباسؓ کی خدمت مین لایا گیا (مسلم مقدمہ) حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کی روایتون کے مختلف تحریری مجموعے تھے، اہل طائف مین سے کچھ لوگ ان کا ایک مجموعہ ان کو پڑھکر سنانے کے لئے لائے (کتاب العلل ترمذی ۶۹۱) سعید بن جبیرؓ ان کی روایتون کو لکھا کرتے تھے (دارمی ۶۹)

عبداللہ بن عمروؓ کا صحیفہ صادقہ ان کے پوتے عمرو بن شعیب کے پاس موجود تھا (ترمذی ۴۱ و ۱۱۳) اور یہ اسلیے ضعیف سمجھے جاتے تھے کہ وہ اپنے دادا کی کتاب دیکھکر روایت کرتے ہین، خود حافظ نہین ہین (تہذیب ۸-۴۹) حضرت جابر بن عبداللہؓ کی روایتون کا مجموعہ وہب تابعی نے تیار کیا تھا جو اسمعیل بن عبدالکریم کے پاس تھا، اور اسلیے وہ ضعیف سمجھے جاتے تھے، (تہذیب ا ص ۳۱۶) حضرت جابرؓ کی روایتون کا دوسرا مجموعہ سلیمان بن قیس یشکری نے تیار کیا تھا، اور ابوالزبیر ابوسفیان اور شعبی نے جو ائمۂ حدیث مین ہین اور تابعی ہین ان سیمون نے حضرت جابرؓ کے صحیفہ کو ان سے سنا تھا، (تہذیب ج ۶ ص ۲۱۱) سمرہ بن جندب صحابی سے ان کے بیٹے سلیمان روایتون کا ایک نسخہ روایت کرتے ہین اور ان سے ان کے بیٹے حبیب (تہذیب ۴ ص ۱۹۸) حضرت ابوہریرہؓ جن سے زیادہ صحابہ مین کوئی حافظ حدیث نہ تھا، انکی روایتون کا کچھ مجموعہ ہمام بن منبہ نے تیار کیا تھا، جو **صحیفۂ ہمام** کے نام سے احادیث مین مذکور ہے اور جس مین سے امام ابن حنبل نے مسند جلد ۲ مین صفحہ ۳۱۲ سے صفحہ ۳۱۸ تک نقل کیا ہے، بشیر بن نہیک نے حضرت ابوہریرہ سے انکی روایتون کا مجموعہ لکھا، اور اسکی روایت کی ان سے اجازت لی (کتاب العلل ترمذی ۶۹۱ دارمی ۶۸) حضرت ابوہریرہ ایک دفعہ ایک صاحب کو اپنے مستقر پر بلاکر لائے اور دکھا کہ یہ اوراق میرے مرویات ہین، راوی کہتا ہے کہ وہ ان کے ہاتھ کے نہین، بلکہ کسی اور کے ہاتھ کے لکھے ہوئے تھے، (فتح الباری جلد ا صفحہ ۱۸۴ و ۱۸۵)

حضرت انسؓ دوسرے صحابی ہین جنسے بکثرت روایتین ہین، وہ خود اپنے بیٹون کو کہا کرتے تھے، کہ میرے بچو علم کو تحریر کے قید و بند مین لاؤ" (دارمی ۶۸) ابان ان کے شاگرد ان کے سامنے بیٹھکر انکی روایتین قید تحریر مین لایا کرتے تھے، (دارمی ۶۸) سلمی ایک خاتون کہتی ہین کہ انھون نے حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کو دیکھا کہ وہ ابورافع آنحضرت صلعم کے غلام سے آنحضرت صلعم کے کارنامے لکھا کرتے تھے، (ابن سعد ۲-قسم ۲-۱۲۳) واقدی سیرۃ نبوی کے بڑے مصنفین مین سے ایک بیان کرتا ہے کہ منذر بن ساوی رئیس عمان کے

نام آنحضرت صلعم نے یہ خط لکھا تھا، وہ ابن عباس کی کتابون کے ساتھ مین نے دیکھا (زاد المعاد ۲-۵)
غزوۂ بدر کا مفصل حال عروہؓ بن زبیر نے لکھکر خلیفہ عبد الملک کو بھیجا تھا، (طبری ۱۲۸۵)
عبد اللہؓ بن مسعود آنحضرت صلعم کے خدام خاص مین تھے، اور ان کو آنحضرت صلعم کی بارگاہ مین حاضری کا اذن عام تھا، ان کو شکایت تھی کہ لوگ میرے پاس آکر سن جاتے ہین، اور پھر اوسکو جاکر لکھ لیتے ہین اور مین قرآن کے سوا کسی اور چیز کے لکھنے کو حلال نہین جانتا، (دارمی ۶۷) سعید بن جبیر تابعی کہتے ہین کہ مین حضرت عبد اللہ بن عمرؓ اور ابن عباس سے رات کو روایتین سنتا تھا تو پالان پر لکھتا تھا، صبح کو پھر مین اوسکو صاف کر لیتا تھا، (دارمی ۶۹) براء بن عازب صحابی کے پاس لوگ بیٹھکر انکی روایتون کو لکھا کرتے تھے، (دارمی ۶۹) نافع جو حضرت ابن عمرؓ کی خدمت مین ۳۰ برس رہے تھے، وہ اپنے سامنے لوگون کو لکھوایا کرتے تھے، (دارمی ۶۹) عبد اللہ بن مسعودؓ کے صاحبزادہ عبد الرحمان ایک کتاب نکال لائے اور قسم کھاکر کہا یہ خود حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہے۔ (جامع ۳۲) سعید بن جبیر کہتے ہین کہ ہم لوگون مین بعض باتون مین اختلاف ہوتا تھا تو ان کو لکھتے تھے، پھر حضرت ابن عمرؓ کے پاس اس یادداشت کو چھپا کر لاتے تھے، اور ان سے پوچھتے تھے، اگر ان کا پتہ چل جاتا تو بس ہمارے ان کے درمیان فیصلہ ہی تھا، (جامع ۳۲) اسود تابعی کہتے ہین کہ مجھکو اور علقمہ کو ایک صحیفہ مل گیا اوسکو لیکر ان کے پاس آئے تو انھون نے مٹا دیا، (جامع ۳۳) حضرت زید بن ثابتؓ کاتب وحی تھے ان کو بھی روایتون کو تحریر مین لانے سے انکار تھا تو مروان نے یہ تدبیر کی کہ انکو سامنے بیٹھایا اور پردہ کے پیچھے کاتب مقرر کئے کہ وہ جو بولتے جائین یہ لکھتے جائین (جامع ۳۳) اسی طرح حضرت معاویہ نے بھی ان کی ایک حدیث اسی طرح سے لکھوائی تھی، لیکن انھون نے زبردستی مٹوادی (احمد ۵ ص ۱۸۲)
حضرات! شاید آپ ٹھوس واقعات اور اشخاص کے نام سنتے سنتے گھبرا اٹھے ہون، لیکن اطمینان رکھیے کہ اب ہم اس مقام پر پہنچ گئے ہین جہان سے صاف اور سیدھا راستہ نظر آرہا ہے، مین نے ان

اقتباسات اور حوالون مین یہ دکھایا کہ تحریری ہی سرمایہ اگر قابلِ وثوق دنیا مین ہو سکتا ہے، تو عہد نبوی مین خود صحابہ نے اپنے ہاتھون سے اسکو جمع کیا، اور پچھلون کے لیے یادگار چھوڑا، اور پچھ نے اپنی کتابون مین داخل کر لیا، اب ہم یہ کہنا چاہتے ہین کہ صحابہ ہی کی زندگی مین تابعین نے ان تمام مرویات، واقعات، حالات کو ایک ایک سے پوچھکر، ایک ایک کے دروازہ پر جاکر، بوڑھے جوان، عورت مرد سب سے تحقیق کر کے، ہمارے لیے خزانہ فراہم کر دیا، محمد بن شہاب زہری، ہشام بن عروہ، قیس بن ابی حازم، عطار بن ابی رباح، سعید بن جبیر، ابو الزناد وغیرہ سینکڑون تابعین ہین جنھون نے دیوانہ وار ایک ایک گوشہ سے دانہ دانہ جمع کیا، اور ہمارے سامنے اس کا انبار لگا دیا، یہ زہری جو حدیث و سیرت کے بڑے امام ہین، انھون نے آنحضرت صلعم کی ایک ایک چیز کو لکھا، ابو الزناد کہتے ہین کہ ہم صرف حلال و حرام لکھتے رہتے تھے اور زہری جو کچھ سنتے تھے وہ سب لکھتے جاتے تھے (جامع ۳۷) ابن کیسان کہتے ہین کہ مین اور زہری طلب علم مین ساتھ تھے، ہمنے کہا کہ ہم سنن لکھین گے، چنانچہ آنحضرت صلعم سے متعلق تھا سب لکھا، زہری نے کہا صحابہ سے جو کچھ متعلق ہے وہ بھی لکھین کہ وہ بھی سنت ہے ہم نے کہا یہ سنت نہین، چنانچہ ہمنے نہین لکھا، انھون نے لکھا، نتیجہ یہ ہوا کہ وہ کامیاب ہوئے اور مین برباد ہو گیا، (ابن سعد ۲ قسم ۲ ص ۱۳۵) ان امور کو قید تحریر مین لانے والے سینکڑون تابعی تھے جنمین سے ایک امام زہری ہین، صرف ان کی تحریرون کا انبار اتنا تھا کہ ولید بن یزید کے قتل کے بعد زہری کے یہ دفتر جانورون پر بار کر کے خزانہ سے لائے گئے،

امام زہری ۵۰ھ مین پیدا ہوئے اور ۱۲۴ھ مین وفات پائی، وہ نسباً قریشی تھے، انھون نے جس محنت اور استقصا سے آنحضرت صلعم کے حالات اور اقوال جمع کئے، اوس کا اندازہ مؤرخین کے بیان سے کرو کہ "وہ مدینہ منورہ کے ایک ایک انصاری کے گھر جاتے جوان، بڈھے، عورت، مرد، جو مل جاتا یہان تک کہ پردہ نشین عورتون سے جاکر آنحضرت صلعم کے اقوال اور حالات پوچھتے اور قلمبند

(تہذیب ترجمۂ زہری) اس زمانہ مین بکثرت صحابہ زندہ تھے، زہری کے تلامذہ کی فہرست نہایت طویل ہے، اور یہ کل کے کل روز و شب آنحضرت صلعم کے اقوال، افعال اور احوال کی جمع و ترتیب تعلیم و تدریس، اور نشر و اشاعت مین مشغول تھے، یہی ان کی زندگی کا کام تھا، اس کے سوا دنیا کے ہر کام سے کنارہ کش ہو گئے تھے۔

غلط فہمی کا بڑا سبب یہ ہے کہ عام لوگ یہ سمجھتے ہین کہ احادیث و سیر کی تدوین و تحریر کا کام تابعین نے شروع کیا اور تابعین ان کو کہتے ہین جنھون نے صحابہ کو دیکھا اور ان سے فیض پایا، اور صحابہ کا زمانہ سو برس تک تقریباً رہا تو گویا تابعین کا عہد سو برس کے بعد شروع ہوا، اور اس طرح گویا تدوین و تحریر کے سلسلہ کا سو برس کے بعد آغاز ہوا، حالانکہ یہ تمام تر غلط ہے، تابعین ان کو کہتے ہین جنھون نے آنحضرت صلعم کی زیارت کا شرف حاصل نہین کیا، اور صحابہ کی زیارت کی اور ان سے مستفید ہوئے، عام اس سے کہ وہ آنحضرت صلعم کے زمانہ مین ہون، مگر زیارت کا موقع نہ ملا، یا عہد نبوی کے آخر مین پیدا ہوئے اسلئے آپ سے مشرف نہ ہوئے، یا آپ کی وفات ربیع الاول ۱۱ھ کے بعد پیدا ہوئے، وہ سب تابعین مین داخل ہین، اس طرح دیکھیے تو معلوم ہوگا کہ تابعین کا عہد خود آپکی زندگی ہی مین اور کم سے کم یہ کہ ۱۱ھ سے شروع ہو گیا، اسلیے ۱۱ھ سے جو کام شروع ہوا اسکے متعلق یہ کہہ سکتے ہین کہ تابعین نے اس کام کا آغاز کیا، تابعین کا کارنامہ ہونے کے لیے ایک ایک صحابی کے دنیا سے رخصت ہو جانے کی ضرورت نہین اور نہ سو برس کا زمانہ گذارنے کی حاجت ہے، وہ تو تابعیت کا آخری عہد ہے، جس کے بعد تابعیت کے شرف کا خاتمہ ہو جاتا ہے، کیونکہ صحابہ کے وجود کا خاتمہ ہو گیا، جنکے دیدار کے شرف سے لوگ تابعی بنتے تھے۔

الغرض یہ کہنا صحیح نہین کہ اخبار و سیر کی تدوین سو برس کے بعد شروع ہوئی بلکہ مسلمانون مین اخبار و سیر کی ترتیب اور تدوین کے درحقیقت تین دور ہین، اول یہ کہ ہر شخص نے صرف اپنے ذاتی معلومات کو یکجا کیا، دوسرا دور یہ آیا کہ ہر شہر کے معلومات ایک جگہ فراہم کئے گئے، تیسرا دور آیا جب تمام دنیائے اسلام کے معلومات اکٹھا کئے گئے، اور انکا موجودہ کتابون کی صورت مین جمع کیا گیا، پہلا دور خلفائ

سنہ ۱۰۰ھ تک قائم رہا، دوسرا دور سنہ ۱۵۰ھ تک رہا اور تیسرا دور سنہ ۱۵۰ھ سے تیسری صدی کے کچھ دنون بعد تک قائم رہا، پہلا دور صحابہ اور اکابر تابعین کا تھا، دوسرا دور تبع تابعین کا تھا اور تیسرا دور امام بخاری، امام مسلم امام ترمذی، امام احمد بن حنبل وغیرہ کا تھا، پہلے دور کا تمام سرمایہ دوسرے دور کی کتابون مین محفوظ اور دوسرے دور کی کتابون کی حیثیت تیسرے دور کی کتابون مین کھپا دی گئی ہین، اور دوسرے اور تیسرے دور کی کتابون کا سرمایہ آج ہزارون اوراق مین ہمارے پاس موجود ہے، اور دنیا کی تاریخ کا سب سے گران بہا معتبر تر، مستند تر ذخیرہ ہے، جس سے زیادہ مستند اور معتبر دنیا کی تاریخ کے خزانہ مین کوئی اور ذخیرہ نہین

اجماعی مساحت ذہنی،

(۲)

از

جناب ظفرحسین خان صاحب سب ڈپٹی انسپکٹر مدارس فتحپور

بہ قول ڈاکٹر بیلارڈ[1]، انفرادی مساحت ذہنی کی تدوین کو جو نسبت فرانس سے ہے وہی نظام اجماعی کو امریکہ سے ہے، گذشتہ جنگ کے عدیم المہلت زمانہ میں جب مختلف استعداد و قابلیت کے امیدوار فوج میں بھرتی ہونے کے لیے جوق جوق آنے لگے تو اس امر کی ضرورت محسوس ہوئی کہ ہر شخص کو اسکی قابلیت کے مطابق فوجی تعلیم دیجائے، اور جو سرے سے فوجی خدمات کی انجام دہی کا اہل نہ ہو، اسے فوراً جواب دیدیا جائے، چنانچہ فوجی محکمہ کے ماتحت، عارضی طور پر "سررشتۂ نفسیات" قائم کیا گیا جس کا فرض تھا کہ امیدوار کی قابلیت پر رپوٹ کرے، ظاہر ہے کہ اگر انفرادی نظام سے کام لیا جاتا جس میں ایک معمول کی آزمایش پر بہ منٹ سے لیکر ایک گھنٹہ تک صرف ہوتا ہے تو کسی طرح کام نہیں چلتا چنانچہ ماہرین نفسیات کی کمیٹی نے کافی غور و خوض اور چند ماہ کے تجربہ کے بعد فوجی ضروریات کو مدنظر رکھتے ہوئے ایک اجماعی مساحت ذہنی کا نظام مدون کیا، چونکہ امیدوار، خواندہ و ناخواندہ دونوں طرح کے ہوتے تھے، اسلیے دو قسم کے امتحان تیار کئے گئے، "الف" خواندہ کے لیے اور "ب" ناخواندہ امیدواروں کے لیے، "ب" تقریباً عملی مساحت ذہنی کے اصول پر تھا، اس میں عبارت کے بجائے شکلوں، نقشوں اور خطوط سے کام لیا گیا تھا، اور یہ سب اس قدر سادہ اصول پر تھا کہ ممتحن اپنا منشا اشاروں اشاروں میں سمجھا سکتا تھا

[1] انگلستان میں اجماعی مساحت ذہنی پر ڈاکٹر بیلارڈ نے ایک مبسوط رسالہ لکھا ہے، اس کے علاوہ اس موضوع پر انکی متعدد تصنیفات ہیں،

اور اس طرح پر زبان سے نا واقف لوگ بھی اس امتحان میں شریک ہو سکتے تھے، دورانِ جنگ میں سررشتۂ نفسیات نے ۱۷۲۶۹۶۶ امیدواروں کا امتحان لیا، قابلیت کے لحاظ سے امیدوار حسب ذیل اقسام میں تقسیم کیے گئے

الف = نہایت اعلیٰ ذہانت کے افراد، جو اعلیٰ ذمہ داریوں کے عہدوں پر مامور ہو سکتے ہیں،

ب = اعلیٰ ذہانت کے افراد جنکو کمیشن دیا جا سکتا ہے،

س + = اوسط ذہانت سے بلند، بلا کمیشن کے افراد جنمیں سے بعض کمیشن تک ترقی کر سکتے ہیں

س = اوسط ذہانت والے، جو "پرائیویٹ" کے فرائض بخوبی انجام دے سکتے ہیں اور جنمیں سے بعض بلا کمیشن کے عہدوں تک ترقی کر سکتے ہیں،

س- = اوسط ذہانت سے پست جو "پرائیویٹ" کے معمولی فرائض انجام دے سکتے ہیں، اور جو روزمرہ کے معمولی کام انجام دے سکتے ہیں،

ڈ = ادنیٰ ذہانت کے افراد جو معمولی سپاہیوں کے فرائض کی انجام دہی کی صلاحیت رکھتے ہیں

ڈی اور ی = نہایت ادنیٰ ذہانت کے افراد، سنی ٹوال والوں سے ادنیٰ درجہ کے کام چل سکتے ہیں،

مگر "ی" نمبر کے امیدوار ناکارہ ہیں جو یا تو بٹیلین کے ان کاموں کو انجام دے سکتے ہیں جنہیں ذہانت درکار نہیں ہے اور یا برطرف کر دینے کے قابل ہیں۔

امتحان الف اور ب کی آزمائشیں ایک چھوٹی سی کاپی کے صفحات پر چھپی ہوئی تھیں، ہر آزمائش کے اوپر بہ طور نمونہ مثالیں حل ہوئی تھیں، ان کاپیوں کے نسخے امیدواروں کو تقسیم کر دیے جاتے تھے، ہر آزمائش کا وقت مقرر ہوتا تھا، وقت ختم ہو جانے پر ممتحن، ورق الٹنے کو کہتا تھا، جسکی فوراً تعمیل کرنا ہوتی تھی، امتحان الف میں آٹھ آزمائشیں تھیں، جنکے تحت میں ۲۱۲ سوالات تھے اور کل وقت ۲۳ منٹ ۵ سکنڈ تھا، آزمائشوں کے درمیانی وقفوں اور ضروری ہدایات وغیرہ دینے کا وقت شامل کر کے پورا وقت ۵۰ منٹ سے متجاوز نہیں ہوتا تھا، چنانچہ اس قلیل مدت کے اندر پانچ پانچ سو آدمیوں کا امتحان ایک ساتھ

ہوسکتا تھا،

حال میں ایک مڈل اسکول کے طلبا کو حسب ذیل اجماعی آزمائشیں دیگئی تھیں، بہ طور نمونہ یہاں قلم بند کیجاتی ہیں،

آزمایش اوّل

ذیل میں تین لفظ دیے ہوتے ہیں جو پہلے لفظ کو دوسرے سے نسبت ہے وہی تیسرے کو چوتھے سے نسبت ہے جو کہ محذوف ہے، وہ چوتھا لفظ بتاؤ،

مثلاً

چھت : مکان : : ٹوپی : سر،

برف : سفیدی : : گھاس : سبزی،

(۱) کھانا : روٹی : : پینا : (۲) جولائی : مہینہ : : جمعہ : (۳) کامیابی : ناکامیابی : : خوشی : (۴) شمال : جنوب : : دائیں : (۵) علم : جہالت : : روشنی : (۶) جمع : تفریق : : ضرب : (۷) آلو : ترکاری : گھوڑا : (۸) درخت : پتے : : کتاب : (۹) باپ : بیٹا : : ماں : (۱۰) آگ : دھواں : : پانی : (۱۱) موم : شمع : : تیل : (۱۲) گانا : بولنا : : نظم :

آزمایش دوم

پانچ تصورات میں سے متوسط تصور نکالو، مثلاً منٹ، سکنڈ، برس، گھنٹہ، ہفتہ کو ترتیب دیجائے، تو یہ ہو گی :

سکنڈ، منٹ، گھنٹہ، ہفتہ، برس، لہذا تصور متوسط گھنٹہ ہوا، یہی جواب ہے علیٰ ہذا،

آنہ، پائی، چونی، دونی، روپیہ میں متوسط شے "دونی" ہے،

(۱) صفحہ، کتاب، متن، سطر، لفظ، (۲) مکان، گلی، کمرہ، قصبہ، شہر،

(۳) ناشپاتی خربوزہ، انگور، تربوز، کالی مرچ (۴) ہیڈ ماسٹر، سکنڈ ماسٹر، طالب علم، ڈپٹی انسپکٹر، انسپکٹر،

آزمائش سوم

سلسلۂ اعداد دو درجہ تک مکمل کرو، مثلاً، ۱-۲-۳-۴- کے آگے دو درجے ۵-۶ ہیں،

(۱) ۱-۳-۵-۷- (۲) ۸-۷-۶-۵... (۳) ۲-۴-۱۶-۶۴، ... (۴) ۳۲-۱۶-۸-۴... (۵) ۳۰-۲۵-۲۰-۱۵...

آزمائش چہارم

(۱) تین لڑکے پاس پاس بیٹھے ہیں لچھمن رام کے بائیں جانب، ہری داس لچھمن کے بائیں جانب، تو بتاؤ بیچ میں کون بیٹھا ہے،

(۲) احمد کی بہن کا نام زہرہ، بھائی کا نام محمود، اور چچازاد بھائی کا نام حامد ہے،

(ا) زہرہ کے چچازاد بھائی کا نام بتاؤ،

ب، محمود کی بہن کا کیا نام ہے،

س، حامد اور محمود میں کیا رشتہ ہے،

د. محمود کے بھائی کا کیا نام ہے،

ل، حامد کے چچازاد بھائیوں کے نام کیا ہیں،

(۳) ایک شخص ایک بائیسکل پر جس کا ایک پہیہ چھوٹا اور ایک بڑا تھا ایک میل گیا تو بتاؤ

ا. کس پہیہ نے زیادہ گردش کی،

ب، کس پہیہ نے جلد راستہ طے کیا،

آزمائش پنجم

(تخئیل)

(۱) اگر کوئی لڑکا اپنے سر کے بل کھڑا ہو اور اس کا منھ جنوب کی سمت ہو تو بتاؤ اس کے دائیں ہاتھ کی جانب کونسی سمت ہوگی،

(۲) یہ چھ شکلیں آئینہ میں کیسی معلوم ہوں گی،

S P M . V N H

(۳) ایک دفتی کا کٹا ہوا مثلث ہے جو ایک جانب سے سرخ اور دوسری جانب سے سبز ہے (ل) وہ شکل ہے جب سرخ جانب اوپر ہوتی ہے اور (س) وہ شکل ہے جب سبز جانب اوپر ہوتی ہے،

ل　　س

تو بتاؤ کہ حسب ذیل شکلوں میں کون سا رنگ پیش نظر ہے،

۴　　۳　　۲　　۱

آزمائش ششم،

(مغالطات،)

(۱) اگر ایک سپاہی نے اپنی ماں کو خط لکھا کہ اے ماں میں یہ خط لکھ رہا ہوں اور میرے ایک ہاتھ میں بندوق اور دوسرے ہاتھ میں تلوار ہے،

(۲) ایک گاڑی والا کہتا تھا کہ میری گاڑی میں جتنا بوجھ زیادہ ہوتا ہے اتنی ہی تیز چلتی ہے،

(۳) ایک مرتبہ پولیس کو ایک لاش ملی جس کے آٹھ ٹکڑے تھے، پولیس والوں نے خیال کہ اس شخص نے ضرور خودکشی کی ہے،

(۴) ایک شخص کے پاس ریل کے ٹکٹ کے دام نہ تھے، اس نے خیال کیا کہ اگر میں پھاٹک میں سے الٹے پاؤں نکلوں گا تو بابو یہ نہ سمجھینگے کہ میں باہر جا رہا ہوں بلکہ یہ سمجھکر کہ میں اندر آرہا ہوں ٹکٹ نہ مانگیں گے

(۵) ایک شخص نے اپنے رومال میں یادداشت کے لیے ایک گرہ باندھی، اُسے خیال آیا کہ

پہلی مرتبہ اس نے ایک گرہ باندھی تھی تو وہ بھول گیا تھا، اسلیے اس مرتبہ دو باندھنا چاہیے تاکہ یاد رہے،

(۶) دنیا بڑی احسان فراموش ہے اسلیے کہ مرنے کے بعد انسان کی قبر پر پھول چڑھائے جاتے ہیں،

(۷) چاند، سورج سے زیادہ کارآمد ہے، اسلیے کہ وہ ہم کو رات کو روشنی دیتا ہے جبکہ روشنی کی زیادہ ضرورت ہے، درآنحالیکہ سورج دن کو روشنی دیتا ہے جب ہمیں روشنی کی مطلق ضرورت نہیں ہے،

(۸) ایک مرتبہ ایک صاحب کہنے لگے کہ عرصہ ہوا، رمضان کا مہینہ محرم میں پڑا تھا اور روزہ داروں کو خوب شربت پینے کو ملا تھا،

حرفی مساحت ذہنی،

انگلستان کے مشہور اہل قلم، ڈاکٹر جانسن کی نسبت مشہور ہے کہ وہ ایک بار کہنے لگے کہ "اگر نیوٹن شاعری کی جانب متوجہ ہوتا، تو وہ ایک عظیم الشان مثنوی کا مصنف ہوتا" حاضرین میں سے ایک صاحب معترض ہوئے کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے، ہر کسے را بہر کارے ساختند، کوئی اپنے تبحر علمی کے واسطے ممتاز ہوتا ہے، کوئی قوتِ تنقید کے لیے، اور کوئی قوتِ تخیل کے لیے، ڈاکٹر جانسن نے جواب دیا، "نہیں جناب، یہ بات نہیں ہے، در اصل دو آدمیوں میں دماغ کا فرق ہوتا ہے، کسی کا دماغ "زیادہ" ہوتا ہے اور کسی کا "کم" زیادہ دماغ والا اپنے دماغ کو جس کام میں لگائے گا برابر کامیاب ہوگا، جناب! جس شخص کے پاؤں میں طاقت ہے، وہ مشرق کی جانب بھی اسی آسانی کے ساتھ جا سکتا ہے جیسے مغرب کی جانب!"

ڈاکٹر جانسن کچھ عالم نفسیات نہ تھا، لیکن اس نے ایک ایسے نکتہ کی جانب اشارہ کیا ہے، جس کے اکثر علمائے نفسیات آج قائل ہیں، امریکہ کے فوجی علمائے نفسیات نے اسی نقد پر امیدواروں کو انکے مدارجِ ذہانت کے اعتبار سے مختلف کاموں کے لیے تجویز کیا تھا، جو گذشتہ صفحات میں مذکور ہوا،

ان ماہرین نفسیات نے ۰۰۰، ۸ افراد کو جن کا ذہنی خارج قسمت بہت پست تھا کسی کام کے لائق نہ پاکر علیحدگی کی رپورٹ کی، جب کہ قریب بیس ہزار کے ایسے افراد تھے جو اگرچہ اپنے ذہنی

خارج قسمت کے لحاظ سے کچھ زیادہ بلند نہ تھے لیکن موٹی عقل والے کاموں میں لگائے جا سکتے تھے،

قدیم علمائے نفسیات کا عقیدہ تھا کہ دماغ مختلف خانوں میں منقسم ہے جو مختلف قوا کا مستقر ہیں، چنانچہ علم کاسۂ سر اسی غلط فہمی کا ایک شعبہ تھا، زمانۂ حال کے ماہرین نفسیات "قوائے نفس" سے مراد، اس کے مختلف افعال لیتے ہیں، جو نفس سے من حیث الکل صادر ہوتے ہیں، چنانچہ، اس تقدیر پر "کل" نفس ادراک کرتا ہے نہ کہ اس کا کوئی جزو "کل" نفس تصور کرتا ہے، نہ کہ اس کا کوئی جزو اور "کل" نفس تصدیق کرتا ہے نہ کہ اسکا کوئی جزو

علاوہ بریں، چونکہ ہر فعل نفس کا "کلی" فعل ہوتا ہے، اس لیے، لازماً ہر فعل میں دیگر افعالِ نفس کا شائبہ، کم وبیش پایا جانا ضروری ہے، مثلاً توجہ کے عمل کی تحلیل کرو، تو اس کے اندر جذبی، نیز ارادی عناصر ملیں گے، توجہ کے ساتھ کسی قدر دلچسپی کا ہونا خواہ فطری ہو یا مصنوعی ضروری ہے، جو ایک جذبہ ہے، اور اس کے مسلسل قیام کے لیے ارادہ شرط ہے، علیٰ ہذا، شعور کی ہر کیفیت میں، دیگر کیفیات کی آمیزش ضرور ہوتی ہے،

نفسیات صنعت وحرفت پر اس نظریہ کا اطلاق صاف ظاہر ہے یعنی یہ کہ جب کوئی شخص ہارمونیم بجاتا ہے یا گاڑی ہانکتا ہے یا کپڑا بنتا ہے یا کھیت کاٹتا ہے یا کسی اور کام کو انجام دیتا ہے تو اس کا پورا دماغ اس کام میں مشغول ہوتا ہے، نہ یہ کہ اس کے دماغ کا کوئی مخصوص ٹکڑا مشغولِ کار ہوتا ہے اور باقی اجزا گویا خوابِ غفلت میں پڑے ہوتے ہیں، چنانچہ حرفی نفسیات کا فرض ان اعمالِ نفس کا قدر مراتب دریافت کرنا ہے جو مختلف پیشوں کے فرائض کی انجام دہی میں متصور ہیں اور اسی لحاظ سے معمول کی موزونیت اور غیر موزونیت کی نسبت حکم لگایا جا سکتا ہے،

ماہرینِ نفسیات کا دوسرا گروہ جس کے نزدیک اگرچہ یہ مسلم ہے کہ اعلیٰ درجہ کی ذہانت ہر پیشہ میں کامیابی کی ضامن ہے، اس امر کا قائل ہے کہ ہر پیشہ کے اندر ایک خاص طرز کی زندگی متصور ہے، اور معمول کی افتادِ طبیعت، اور عاداتِ راسخہ کے لحاظ سے، اسکی موزونیت یا غیر موزونیت کی نسبت

حکم لگایا جاسکتا ہے، چنانچہ صفِ ثانی کے ماہرینِ فن نے مختلف پیشوں کا نفسیاتی مطالعہ کیا ہے اور پتہ لگایا ہے کہ کن کن پیشوں میں کون کون افعالِ ذہنیہ درکار ہیں، اور معمول کے نفس میں دیگر افعال کیساتھ افعال مطلوب کا تناسب کیا ہے، اس طور پر "اقتصادی نفسیات" کی داغ بیل پڑ گئی ہے جو اگرچہ فی الحال اپنی شش سالہ عمر بھی پوری نہیں کر چکی ہے، لیکن آیندہ دورِ جدید کے بہت سے مشکلات کا حل اس کی ذات سے متوقع ہے،

اس ضمن میں چند تجربات کا ذکر، توضیحاً، ضروری معلوم ہوتا ہے،

ماہرِ نفسیات پروفیسر ہنسٹر برگ سے ایک بحری کمپنی نے درخواست کی کہ وہ کمپنی کی ملازمت کے لئے ایسے امیدوار منتخب کریں جو فنِ جہاز رانی کے لئے موزوں ہوں، جو شخص جہاز رانی کی ضروریات سے واقف ہے، وہ جانتا ہے کہ کون لوگ اس کام کے لائق ہیں اور کون خطرناک۔ ظاہر ہے کہ وہ شخص نہایت کامیاب جہاز ران ثابت ہو سکتا تھا جو دفعتہً کسی پیچیدہ واقعہ کے پیش آجانے، مثلاً غلیظ کہرہ میں، کسی دوسرے جہاز کے سامنے آجانے، پر مناسب تدبیر کر سکے، دو قسم کے آدمی بالکل ناکارہ ہیں، ایک تو وہ جو اگرچہ یہ جانتے ہیں کہ کیا کرنا چاہئے، مگر مصیبت میں پھنسکر حواس باختہ ہو جاتے ہیں، اور ان سے کرتے دھرتے کچھ نہیں بن پڑتا، یہاں تک کہ فوری کارروائی کا وقت نکل جاتا ہے، اور بعد ازاں کچھ کرنا بے سود ہوتا ہے، دوسرے وہ لوگ جو فوری کارروائی کی ضرورت کو محسوس کرتے ہیں، اگر خطرہ کی اہمیت سے اس قدر متاثر ہو جاتے ہیں کہ بغیر کافی غور کئے، انتہائی عجلت کے ساتھ، اسی تدبیر پر عمل کر بیٹھتے ہیں، جو سب سے پہلے ان کے ذہن میں آتی ہے ہنسٹر برگ نے اس پیشہ کی ضروریات پر نفسیاتی نقطۂ نظر سے کافی غور و فکر کے بعد یہ فیصلہ کیا ہے کہ پیشہ کے فرائض حسب ذیل نفسی اعمال کو مستلزم تھے۔

(۱) قوتِ امتیاز، (۲) ایتلافاتِ افکار، (۳) حافظہ، (۴) ادراک (۵) سرعتِ فہم،

(۶) قلیل وقت میں صحیح فیصلہ کرنے کی قوت،

چنانچہ وہ معمول کے اندر، ان صفات کی سراغرسانی کے لئے ایک مناسب آزمایش وضع کرنے میں مشغول ہوگیا، اور کچھ عرصہ کے بعد اس کا نتیجۂ فکر، یہ آزمایش تھی،

چوبیس کارڈ، جو تاش کے پتوں کی طرح مساوی قد و قامت کے تھے، لئے گئے، ان کے اوپر بارہ بارہ حروف کی چار قطاریں یا سطریں لکھی گئیں، سہولت فہم کے لئے ہم اپنی زبان کے یہ چار حرف لئے ہیں،۔ ج، س، ن، ل، الغرض، ہر کارڈ کے سرے پر چار چار قطاروں میں جس میں سے ہر قطار میں ۱۲ حروف تھے، یہ حروف یعنی ج، س، ن، ل، ملا جلا کر، بلا ترتیب لکھ دیئے گئے، لیکن اس امر کی رعایت رکھی گئی کہ ہر حرف مختلف کارڈوں پر مقررہ تعداد میں آجائے۔ مثلاً چار کارڈ ایسے تھے جن میں ایک حرف اکیس بار اور باقی نو نو بار آئے تھے، آٹھ کارڈوں پر ایک حرف اٹھارہ بار اور باقی چلبہ دس دس بار، دوسرے آٹھ کارڈوں پر ایک حرف پندرہ بار اور باقی ہر حروف گیارہ گیارہ بار، باقی چار کارڈوں پر ایک حرف سولہ بار، باقی تین حرف آٹھ بار اور ان کے ساتھ آٹھ دیگر متفرق حروف مثلاً، ا، ب، ی، وغیرہم، ملا جلا دیے گئے تھے،

یہ چوبیس کارڈ کی گڈی خوب پھانٹ کر معمول کو دیدی جاتی تھی، اور اس سے کہا جاتا تھا کہ وہ ان کارڈوں کو چار گڈیوں میں تقسیم کردے، اس طرح پر کہ پہلی گڈی میں ایسے کارڈ ہوں جن میں حرف جیم سب سے زیادہ تعداد میں آیا ہو، دوسری گڈی میں ایسے کارڈ ہوں جن میں سین زیادہ آیا ہو، اور اسی طرح تیسری اور چوتھی گڈی ان کارڈوں کی بنائی جائے جنہیں علی الترتیب، نون اور لام، کثیر تعداد میں آئے ہوں، آزمایش میں حروف کا شمار کرنا ممنوع ہے، نظر سے کام لینا چاہیے لیکن اگر کوئی معمول بددیانتی سے اپنے دل میں حروف شمار کرنا شروع کردے، تو اس عمل میں اس قدر دیر ہوگی کہ وقت مقررہ میں وہ کارڈوں کو ترتیب نہ دے سکے گا، لہذا شمار کرنا معمول

سکے لئے کچھ مفید نہیں ہے،

پروفیسر منسٹربرگ کا خیال ہے کہ ان کارڈوں کو حسب ہدایت ترتیب دینا نفسی حیثیت سے جہاز رانی کے مطابق ہے بعض معمول، بالکل کھوئے جاتے ہیں، اور حسب موقع کسی قابلِ اطمینان فیصلہ پر قائم نہیں ہوسکتے کبھی وہ خیال کرتے ہیں کہ حجم کثیر التعداد ہے کبھی ان کی نظر لام میں الجھ جاتی ہے، اور وہ اسی کو کثیر التعداد سمجھنے لگتے ہیں، اور اس کا نتیجہ وہ تذبذب وانتشار کی کیفیت ہے، جو عملی زندگی کا سم قاتل ہے، بعض معمول عجلت تمام سرسری نظر ڈالنے کے بعد کارڈوں کو مختلف گڈیوں میں تقسیم کرنا شروع کر دیتے ہیں، اور بہت سے ایسی غلطیوں کے مرتکب ہوتے ہیں، جن سے تھوڑا تامل کرنے سے محفوظ رہ سکتے تھے، بقول پروفیسر منسٹربرگ "چند حروف کا مختصر سا اجتماع ان کے جلب نظر کے لئے کافی ہے، انکی عجلت پسندی کے ہیجان میں حروف کا مختصر ترین گروہ، ان کے ذہن پر اس قدر گہرا نقش ڈالتا ہے کہ باقی حروف کو وہ بالکل نظر انداز کر جاتے ہیں، اور غلط رائے فوراً قائم کرتے ہیں ان دونوں ناکارہ لوگوں کے خلاف ایک تیسرا گروہ ہے، جو معتدل سرعت، اور کمال حزم واحتیاط کے ساتھ حروف کے تناسبِ تعداد کا صحیح ادراک کرتا ہے، اور مقررہ وقت میں، کارڈوں کی چار صحیح گڈیاں بنا کر رکھدیتا ہے[1]"

اس آزمایش میں وقت کے لحاظ کے ساتھ، معمول کی غلطیوں کی نوعیت پر بھی غور کرنا ضروری ہے ظاہر ہے کہ جو حرف کسی کارڈ میں کم تعداد میں آیا ہے، غض بصر کا زیادہ متحمل ہے، بمقابلہ اس کارڈ کے جس میں اس کی کثرت نمایاں ہے،

اسی قسم کا ایک دوسرا تجربہ پروفیسر منسٹربرگ سے منسوب ہے، یہ ٹریم کار چلانے والوں کے انتخاب سے متعلق تھا، اس پیشہ میں کامیابی کے لئے بالخصوص ان نفسی صفات کی ضرورت ہے:- توجہ، ادراک بصری مخل توجہ اسباب کار، و کسی مخصوص موقع کے امکانات کا بہ سرعت تمام ذہن میں استقصاء کرنا،

[1] نفسیات اور قابلیت حرفی ص ۔۔ مصنفہ پروفیسر منسٹربرگ ،

علیٰ ہذا بہت سے صفات جو جہازرانی کے لئے ضروری ہیں اس کام کی انجام دہی میں بھی مطلوب ہیں،

مسٹر برگ طویل غور وخوض کے بعد جس نتیجہ پر پہونچا ہے، اس کو خود اس کی زبان سے سننا چاہئے،

وہ کہتا ہے "میں اس کام کو توجہ کا ایک نہایت پیچیدہ عمل پاتا ہوں جس کے ذریعہ سے کثیر التعداد اشیاء، مثلاً پیدل آدمیوں، گاڑیوں، موٹروں کا مسلسل مشاہدہ کیا جاتا ہے، راستہ کے جلد جلد تبدیل ہونے والے مناظر کے درمیان، ان کی رفتار اور نقل وحرکت کی سمت کا لحاظ رکھنا پڑتا ہے، متحرک شکلیں، ٹریم کی پٹری پر چپ و راست سے آتی ہیں، اور انسانوں اور گاڑیوں کے اس سوادِ متواج میں مل جل جاتی ہیں جو پٹری کے متوازی، متحرک ہے، اس کثرت اشکال کے مقابلہ میں بہت سے دماغ گویا بالکل چل جاتے ہیں اور قریب کی شکل کی پٹری کو پار کرنے کا انتظار کرتے ہیں، ظاہر ہے کہ ایسے نفوس اس خدمت کے قابل نہیں، اس لئے کہ وہ ٹریم کو حد سے زیادہ آہستہ چلائیں گے، ان کے علاوہ وہ لوگ ہیں جو ٹریم کو تیز لیجاتے ہیں، اور کچھ دیر تک پیچیدہ مواقع کا کامیابی کے ساتھ سامنا کرتے ہیں، لیکن بعد ازاں ان کی قوتِ توجہ جواب دیجاتی ہے، اور دور کی گاڑی کو ملحوظ رکھتے وقت، پاس کے پیدل کو نظر انداز کرجاتے ہیں، جو بے پرواہی سے ٹریم کے عین مقابل پٹری کو عبور کر رہا ہے، غرض کہ اس متحدہ نفسی عمل کو جو توجہ اور تخئیل کی ایک مخصوص آمیزش سے ترکیب پاتا ہے، مختلف ذہن مختلف طریقوں سے انجام دیتے ہیں[1]"،

توجہ اور تخئیل اس مرکب نفسی قابلیت کو پرتالنے کے لئے مسٹر برگ نے حسب ذیل آلہ ایجاد کیا، ایک کارڈ جو ساڑھے چار انچ چوڑا اور ۱۳ انچ لمبا تھا ۹ × ۲۶ مربعوں میں تقسیم کیا گیا، کارڈ کے وسط میں لمبائی کے متوازی دو جلی خط کھینچ دیے گئے، اس طرح کہ ان دونوں خطوں کے دائیں بائیں چار چار خالی چھوٹے رہے، یہ دو جلی خط گویا ٹریم کی پٹریاں تھیں دائیں اور بائیں جانب کے مربعوں میں سرخ اور سیاہ روشنائی سے ہندسے بھر دیئے گئے، نمبر ۱ کا منشار پیدل تھا یعنی جس کی رفتار مقابلۃً ایک خانہ تھی، ۲ سے مراد گھوڑا تھا جس کے پیدل کے مقابلہ میں دگنی رفتار تھی، ۳ سے مراد موٹر تھا جس کی رفتار سہ گنی تھی، سیاہ ہندسوں سے مراد، وہ پیدل، گھوڑے اور موٹریں تھیں،

[1] نفسیات اور قابلیت حرفی ص ۲۲،

جو پٹری کے متوازی چل رہی تھیں، اور جو پٹری کو بھی عبور نہ کریں گی، اس لئے ان کی جانب سے کچھ خطرہ نہ تھا، ا

ہندسوں سے مراد وہ پیدل گھوڑے، اور موٹریں تھیں جو پٹری کے ادھر ادھر سے آکر پٹری پار کرنے والی

اور اس لئے ان سے ٹریم ٹکرا جانے کا خطرہ ہے، خطرناک مواقع اس وقت پیش آتے تھے جب کہ سرخ ۳ پٹری سے

تین خانہ کے فاصلہ پر، یا سرخ ۲ پٹری سے دو خانہ کے فاصلہ پر ہو یا سرخ ۱ پٹری سے ایک خانہ کے فاصلہ

اگر سرخ ۲ پٹری سے تین خانہ کے فاصلہ پر ہے تو کوئی خطرہ نہیں، اس لئے کہ قبل اس کے کہ وہ پٹری تک آ

ٹریم نکل جائیگی، اسی طرح اگر سرخ ۳ پٹری سے چار خانہ کے فاصلہ پر ہے، تب بھی کوئی اندیشہ نہیں، ٹریم پا

ہو جائیگی، علیٰ ہذا القیاس اگر سرخ ۳ پٹری سے دو خانہ کے فاصلہ پر ہے تو کوئی خطرہ نہیں اس لئے کہ اس حا

میں بھی موٹر پٹری پر سے گذر چکے گا قبل اس کے کہ ٹریم وہاں پہونچے، اسی طرح سرخ ۲ سے جو پٹری سے ایک خا

فاصلہ پر ہے کوئی خطرہ نہیں، اس لئے کہ گھوڑا پٹری پار کر جائیگا قبل اس کے کہ ٹریم آئے، اور ٹکرانے کا اندیشہ

معمول کو کارڈ دیکھکر بہ سرعت تمام خطرہ کے مقامات بتانا ہوتے ہیں، یہ آزمائش سیاہ ہندسوں کی کثرت اور

ہندسوں کے ٹریم سے بہت دور یا بہت نزدیک ہونے کی وجہ سے پیچیدہ ہو جاتی ہے،

اس قسم کے بارہ کارڈ تھے، اور انکو تلے اوپر رکھکر، اوپر کی جانب ایک شیشہ لگا دیا گیا تھا اور کارڈ اور

ایک دستہ لگا دیا گیا تھا تاکہ ان کو حرکت دی جاسکے، اور یکے بعد دیگرے کارڈ معمول کے پیش نظر ہو سکیں، یہ

سامان ایک لکڑی کے کالے بکس میں رکھدیا گیا تھا جس کے اوپر دونوں طرف دو چرخیاں لگی ہوئی تھیں، ا

موٹی سیاہ مخمل لپٹی ہوئی تھی، اس مخمل کی پٹی میں سوراخ تھا، جو چرخی کو گردش دینے سے کارڈ پر دوڑتا تھ

کارڈ کو اس سوراخ میں سے دیکھ کر خطرات بتاتا تھا، آزمائش میں خاص کر قابل اعتنا یہ امور تھے، کہ معمو

جواب دینے میں کتنا وقت لیا، کیا کیا فروگذاشتیں کیں یعنی کون کون سرخ ہندسے چھوڑ دیئے جو خطرہ میں

کتنے سرخ ہندسوں کو اپنی تعجیل سے خطرہ میں شمار کیا. حالانکہ وہ خطرہ سے دور تھے،

انگلستان کے تعلیمی بورڈ کی جانب سے مساحت ذہنی پر جو رپوٹ شائع ہوئی ہے، اس کے ایک

فن خیاطی کے امیدواروں کی نفسی قابلیت کا حسب ذیل شجرہ دیا ہے،
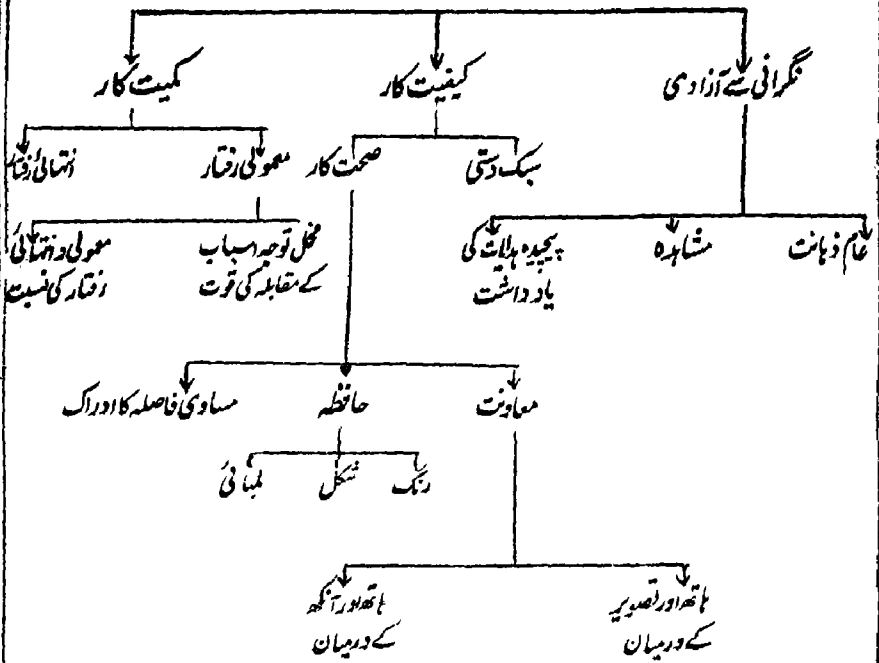
ان نفسی خصوصیات کی آزمائش کے طریقے یہ ہیں،

(۱) کمیتِ کار

الف انتہائی رفتار،

(۱) دائروں کو عجلت کے ساتھ کھچوانا، (۲) ڈورے میں دانے جلدی جلدی پروانا وغیرہ،

ب۔ معمولی رفتار،

(۱) ان سے کچھ بنوانا، مگر جلدی نہ کرنے کی ہدایت کرنا (۲) ان سے کچھ بنوانا جب کہ مخل توجہ کچھ اسباب موجود ہوں،

(۲) کیفیتِ کار

الف مساوی فاصلوں کا ادراک،

(۱) متوازی خطوط کا ادراک کرانا، (۲) بغیر پیمایش کئے، نظری طور پر، خط کی تنصیف کرانا، (۳) بغیر نا پے متوازی خطوط کھینچوانا،

ب۔ لمبائی، شکل اور رنگ کی یادداشت،

(۱) متعدد دیے ہوئے خطوں میں سے ایک یادکردہ خط کا انتخاب (۲) متعدد دی ہوئی شکلوں میں سے ایک یادکردہ شکل کو بتانا، (۳) متعدد دیے ہوئے رنگوں میں سے ایک یادکردہ رنگ کو بتانا،

س۔ معاونت،

(۱) مقررہ نقاط پر پنسل سے نشان لگوانا (۲) مقررہ نقاط پر دوسری جانب سوئی سے سوراخ کرانا،

د۔ سبک دستی،

(۱) دی ہوئی ہدایات کے بموجب کاغذ کو موڑنا،

(۳) نگرانی سے آزادی،

الف۔ پیچیدہ ہدایات کی یادداشت،

(۱) مخصوص ہدایات کی تعمیل، (۲) کسی لباس کا بیان پڑھکر سنانا اور پھر اس کا معمول سے اعادہ کرانا

ب۔ مشاہدہ،

(۱) کسی لباس کو پلیٹ میں رکھکر معمول کو دکھانا، اور اس کے بعد پوشیدہ کردینا اور معمول سے اس کا بیان لکھوانا،

(س) عام ذہانت،

(۱) انفرادی مساحت ذہنی کے ذریعہ سے، (۲) اجتماعی مساحت ذہنی کے ذریعہ سے،

ان آزمایشوں کے علاوہ اگر ضرورت محسوس ہوتی ہے، تو ادراک بصری کا مزید امتحان لیا جاتا ہے،

دست کاری کی قابلیت کا امتحان راقم سطور نے ایک بار آزمایشاً صرف مفصلہ ذیل سامان کی مدد سے لیا لیکن نتیجہ واقعات کے خلاف نہ تھا،

میز پر پنوں کا پتہ، ایک پیمانہ جس میں ایک طرف انچ اور دوسری طرف سم و مم کے نشانات تھے اور ایک پرکار تھی، معمول کو میز کے پاس آرام سے بٹھا دیا گیا، اور اس سے کہا گیا کہ وہ اپنا داہنا ہاتھ میز پر پھیلا دے اور آنکھیں بند کرے، اس کے بعد پرکار کے دونوں سرے مختلف فاصلوں پر ہتھیلی اور انگلیوں کے سروں پر چھوئے گئے، اور معمول سے دریافت کیا گیا کہ تمھیں کے سرے چبھتے ہوئے معلوم ہوتے ہیں، سب سے ادنیٰ قسم کا معمول دونوں سروں کو ایک سم کے فاصلہ تک محسوس کر سکا، اس سے کم فاصلہ پر اس کو صرف ایک سرا محسوس ہوتا تھا، یعنی ایک سم اس کے ادراک لمس کی انتہا تھی، انگلیوں کے سروں میں چونکہ فطرۃً حاسہ لمس زیادہ ودیعت ہے، اس لئے یہاں کے احساس کا قطر ۵ مم تک تھا، اس کے بعد قوت ادراک کی جانب سے نفی میں صاف جواب تھا، اس معمول کے برخلاف اعلیٰ قسم کے دست کار کی قوتِ احساس کا قطر ۳ مم ہتھیلی اور ۲ مم پوروں پر تھا،

پنوں سے یہ آزمایش کی گئی کہ معمول سے کہا گیا، کہ کاغذ میں سے پنیں نکالے اور اس کے بعد ان کے سوراخوں میں پھر پیوست کر دے، آخر الذکر معمول اس عمل کو جلد کر سکا، جبکہ اول الذکر نے اس کام میں بہت دیر لی،

یہ دراصل قوتِ احساس اور اس معاونت ذہنی کا امتحان تھا جو ذہن اور عضلات کے درمیان مختلف معمولوں میں قائم تھے، مکمل امتحان کے لئے قوتِ مشاہدہ اور تخئیل کی آزمایش بھی ضروری ہے،

"باقی"

لہ جسم کے نیچے کے حصہ میں مثلاً ران میں پرکار کے سرے بہت زیادہ فاصلہ پر محسوس ہو سکتے ہیں، اس لئے کہ ان مقامات میں قوتِ لمس بہت کم ہے،

جیمس کا نظریۂ جذبات

از

مولوی معتقد ولی الرحمان صاحب ایم، اے پروفیسر فلسفہ جامعۂ عثمانیہ

"الوجہ عنوان الضمیر" کا مقولہ اگرچہ صحیح ہے، لیکن نفسیاتی حیثیت سے یہ کہنا شاید صحیح تر ہو گا کہ "الجسم عنوان النفس"

نفس اور جسم، روح اور مادہ، میں ازلی عداوت ہے، مادہ نے ہمیشہ روح کے راستے میں رکاوٹیں پیدا کی ہیں،
اور جسم روز ازل سے نفس کی غمازی کر رہا ہے، نفس میں کوئی کیفیت و حالت ایسی نہیں گذرتی جس کی پردہ دری
جسم نہ کرتا ہو، کسی مسئلہ پر غور کرنے میں بھویں سکڑ جاتی ہیں، اور پیشانی پر گرانی سی محسوس ہوتی ہے، خوشی کی حالت
میں لبوں پر کبھی مسکراہٹ کھیلتی ہے، اور کبھی باچھیں کھل جاتی ہیں، اور تنفس میں تیزی پیدا ہو جاتی ہے، ہجوم
تفکرات اور ازدحام مصائب و آلام سے تمام جسم نحیف و نقیہ ہو جاتا ہے، بے فکر اور آزاد زندگی سے جسمانی صحت
دن دونی رات چوگنی ترقی کرتی ہے، ہونہاری اور سعادت مندی چہرے سے مترشح ہوتی ہے، غرض ذہن
کی کسی حالت و خصوصیت میں جسم کی حرکات پوشیدہ نہیں رہتیں، قدیم ماہرین نفسیات نفس اور جسم کو اس طرح
متعلق نہیں سمجھتے تھے، چنانچہ ابھی بہت زمانہ نہیں گذرا کہ نفس کا مطالعہ جسم کے مطالعہ کے بغیر مکمل سمجھا جاتا تھا لیکن
رفتہ رفتہ یہ بات روشن ہوتی گئی کہ اگر جسم سے قطع نظر کر لیا جائے تو نفس کا مکمل اور صحیح مطالعہ ناممکن ہے، نفسیات
کی قدیم کتابوں میں جسم (یا شاید نظام عصبی کہنا زیادہ موزوں ہو گا) کے مطالعہ کو بالکل غیر ضروری اور غیر متعلق
سمجھ کر نظر انداز کر دیا جاتا تھا، لیکن آج کل اس بحث کے بغیر نفسیات کا کوئی ابتدائی رسالہ مکمل ہی نہیں
سمجھا جاتا، ہر نفسی کیفیت پر دو مختلف نقطہ ہائے نظر سے بحث کی جاتی ہے، اول ذہنی، دوم عضویاتی اور یہ
کہا جاتا ہے، کہ بغیر عضویاتی بحث کے نفسیاتی بحث نامکمل اور ناقابل فہم رہتی ہے، ہر نفسی خصوصیت اور کیفیت
کے مقابلہ میں جسمی حالت کی تلاش کی جاتی ہے، یہاں تک کہ عقل و فہم جیسی مجرد خصوصیات کو بھی دماغ

کی ایک خاص ساخت کا نتیجہ ثابت کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے، نفس اور جسم کے اس قریبی تعلق کی اہمیت پر اس قدر زور دیا جا رہا ہے کہ وہ دن قریب ہے جب حیات ذہنی حیات جسمانی میں تحویل ہو جائے گی، اس انقلاب کے آثار ابھی سے پیدا ہونے لگے ہیں چنانچہ پروفیسر تھرسٹن[۵۱] نے نہایت شدومد کے ساتھ یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ ذاتِ شاعر خام اور ناکمل ہیجانات[۵۲] کا مجموعہ ہوتی ہے یعنی یہ ایسے ہیجانات سے مرکب ہے، جو کردار کی صورت اختیار کرنے والے تھے لیکن کسی وجہ سے استحالہ کا عمل رک گیا، اس کے نزدیک حیات شاعرہ اور کردار دونوں کا مایۂ خمیر ایک ہی ہے تصور اور (اس کے مقابل) فعل میں فرق صرف اس قدر ہے کہ تصور ناکمل فعل ہوتا ہے، اسی طرح مرکزی شعور بھی انھیں ہیجانات پر مشتمل یا مرکب ہوتا ہے جو کردار کی صورت اختیار کرنے والے ہیں، دوسرے الفاظ میں حیات شاعرہ ایک ناکمل فعل ہے، یعنی یہ ایسا کردار ہے، جو اگرچہ شعوری ہے لیکن ابھی اس قابل نہیں ہوا کہ کسی ایک فعل کا جزو ترکیبی بن سکے، مختصر یہ کہ تھرسٹن کے نزدیک شعور، حیات شاعرہ یا ذات شاعر گویا افعال و کردار کا ہیولیٰ ہے، اس کا انجام یہ ہونے والا ہے، کہ کبھی کبھی یہ ہیولیٰ اپنی مخصوص صورت اختیار کرے گا جو شعوری کیفیت (یا تصور) اس صورت کو قبول کر لیتی ہے، وہ گویا منزل مقصود پر پہونچ چکی ہے، لیکن جو کسی وجہ سے اس صورت سے ناآشنا رہی، وہ ہمیشہ کے لئے حیات شاعرہ میں مقید و محبوس ہو گئی، اس کے خیال کے مطابق حیات شاعرہ اور کردار میں بلحاظ مایۂ خمیر کوئی فرق نہیں، اگر نفس و جسم کے تعلق کا خیال اسی رفتار سے ترقی کرتا رہا، تو ہمارے خیال میں وہ دن بھی دور نہیں جب ساری نفسیات یا تو عضویات میں مدغم ہو جائیگی، یا ایسی عجیب و غریب صورت اختیار کریگی جسے اگر متقدمین کی روحوں کے سامنے پیش کیا جائیگا، تو اس کو پہچان بھی نہ سکیں گی، امریکہ کے ماہرین نفسیات میں جو نئی تحریک کرداریت[۵۳] کے نام سے پروفیسر واٹسن کی سرکردگی میں شروع ہوئی ہے، اس سے ہمارے اس خیال کی تصدیق ہوتی ہے، شعور کے وجود سے انکار یا کم از کم

---

۵۱ Thurstone Nature of Intelligence ص ۱۲

۵۲ Impulse   ۵۳ Behaviourism.

اس کے ناممکن الثبوت ہونے کا دعوی، اس تحریک کا سب سے بڑا کارنامہ ہے جب شعور ہی کا وجود نہیں، تو شعوری کیفیات کہاں، اور جب شعوری کیفیات ہی نہیں تو ذہنی سرے سے خارج از بحث ہے، نتیجہ یہ کہ تمام ذہنی زندگی افعال وحرکات میں تحویل ہو جاتی ہے، غرض نفسیات کا نام ہی نام باقی ہے جان نکل چکی ہے،

جسم ونفس کے تفاعل و تعاون کا نقشہ جذبات میں بہت زیادہ واضح ہوتا ہے، اور اسی بحث میں آج سے چالیس برس پہلے ذہنی کوائف کا اگر خاتمہ نہیں ہوگیا تو اُن کی اہمیت میں کمی ضرور آگئی ہے، ہماری آنکھوں کے سامنے ہی عضویات جذبات نے نفسیات جذبات کی جگہ لے لی ہے، جذبات کی ماہیت میں سے جیمس نے کیفیات وتأثرات ذہنی کو خارج کرنے یا کم از کم ان کو ماتحتی کے درجہ پر لانے کی کوشش کی اسے ایک حد تک اس میں کامیابی بھی ہوئی، جیمس پہلا شخص تھا جس نے اس طرف قدم بڑھایا اُس پر ندرت الدیت کے اعتراف کے ساتھ ساتھ اس کے خیالات کی خامی، استدلال کی کمزوری اور قدیم روایات کے ترک کرنے کا الزام بھی لگایا جاتا ہے، لیکن خدا بھلا کرے واٹسن کا کہ اس نے جیمس کے دو حرفوں کو افسانہ بنا دیا اور اس کے خیال کو لے کر دو چار قدم اور آگے بڑھ گیا یعنی جذبات کو حرکات اور خالص حرکات میں تحویل کر دیا جیمس نے جذبات میں ذہنی کیفیات کو خارج کرنیکی کوشش کس طرح کی؟ اس کو اس کوشش میں کہاں تک کامیابی ہوئی؟ عضویات جذبات نے کن معنوں میں نفسیات جذبات کی جگہ لی؟ انھیں سوالات کا جواب سطور مابعد کا موضوع ہے:۔

"فرض کرو کہ ایک بندرگاہ میں ساحل بحر پر بہت سے لوگ ایک جہاز کی آمد کا انتظار کر رہے ہیں اتنے میں افسران بندرگاہ میں سے ایک شخص مضطربانہ آکر کہتا ہے، کہ ابھی ایک تار سے اطلاع ملی ہے کہ جہاز فلاں مقام پر ایک چٹان سے ٹکرا کر غرق ہوگیا، اور یہ تصادم اتنا سخت تھا، کہ ایک متنفس بھی زندہ نہ بچ سکا، ان الفاظ کا ہوا میں گونجنا تھا کہ اس مجمع کی وضع وہیئت میں نمایاں تغیرات پیدا ہو گئے ...... لیکن چونکہ ہم اس وقت صرف افراد کے تغیرات ذہنی سے بحث کر رہے ہیں، اس لئے جماعت

پر بحیثیت مجموعی جو جو اثرات پڑے، ان سے قطع نظر کر کے یہاں محض یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ مختلف افراد پر اس واقعہ نے فرداً فرداً کیا اثر کیا، اگرچہ افراد بھی نہایت کثیر التعداد ہیں، اسلئے، سہولت کی غرض سے صرف چار آدمیوں کا انتخاب کرتے ہیں، جو تاثرات نفسی کے لحاظ سے گویا ساری جماعت کے نمایندے ہیں، غور سے دیکھو، کہ ایک ہی واقعہ کا ان افراد پر کیا اثر پڑتا ہے، ان میں سے ایک شخص شدت سے گراں گوش ہے، اور ہم دیکھتے ہیں کہ وہ بالکل غیر متاثر رہا، کیونکہ جس طرح وہ پہلے ایک گوشہ میں اس مجمع کی طرف پشت کئے ہوئے لیٹا تھا، اسی طرح اب بھی بہ اطمینان لیٹا ہے، ایک دوسرا شخص جو اپنی وضع قطع سے اس ملک کا باشندہ نہیں معلوم ہوتا، اس نے اس خبر کو سنا لیکن وہ بھی بہت زیادہ متاثر نظر نہیں آتا، کیونکہ ٹہلتے ٹہلتے وہ ایک ذرا دیر کے لئے ٹھٹھک کر اسے سننے تو لگا تھا اور اپنی صورت بھی تأسف آمیز بنا لی تھی مگر اب پھر بدستور ٹہل رہا ہے، ایک تیسرا شخص البتہ زیادہ مغموم نظر آتا ہے، اس لئے کہ وہ اس خبر کو سنکر بے اختیار رو پڑا، اور ابتک اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہیں، چوتھے شخص کی حالت اس سے بھی ابتر ہے، اس نے جوں ہی اس خبر کو سنا، غش کھا کر گر پڑا، اور گو دیر کے بعد ہوش آگیا لیکن حواس اب تک بجا نہیں، سارا جہان اس کی نظروں میں تیرہ و تار ہے، اور وہ فرط غم سے بے خود ہو رہا ہے[1]"

یہ صحیح ہے کہ مذکورہ بالا مثال کوئی مستند تاریخی واقعہ نہیں کہ اس کو اس خاص مقصد کے لئے معتبر تسلیم کیا جائے، لیکن کیا ہم اسی قسم کے نظائر خود اپنے تجربے سے حاصل نہیں کر سکتے؟ بیوقوف سے بیوقوف اور جاہل سے جاہل شخص بھی اس کو سمجھ سکتا ہے کہ اگر وہ جنگل میں جا رہا ہو، اور اس کے قریب ہی شیر سو رہا ہو، تو اس پر جذبہ خوف اس وقت تک طاری نہیں ہوتا جب تک کہ اس کی نگاہ اس پر نہیں پڑتی تاہم اپنے اعزہ سے دور اپنے

[1] فلسفہ جذبات مصنفہ مولوی عبد الماجد صاحب طبع دوم صفحہ ۸۰، ۸۱،

اقارب سے مجبور ہزاروں میل کے فاصلے پر پڑے ہیں، ہم پر گردش ایام کوئی مصیبت لاتی ہے یا ان پر اتفاقات زمانہ کوئی مصیبت ڈھاتے ہیں، ہم ایک دوسرے کے مصائب سے مطلق متأثر نہیں ہوتے، لیکن جب ہمارا خط ان کے پاس یا ان کا تار ہمارے پاس یہ اطلاع لیکر آتا ہے، تو دنیا نگاہوں میں تاریک ہو جاتی ہے، جو گھر اس خط یا تار پہونچنے سے قبل عشرت خانہ تھا، اب ماتم کدہ بن جاتا ہے، جو لوگ پہلے ہشاش بشاش تھے، اب ماتم کناں اور گریہ کناں نظر آتے ہیں، لیکن یہ تمام تغیرات کب ہوئے؟ جب ان کو یا ہم کو اس خبر دہشت اثر کا علم ہوا، ایک شاہ انجم سپاہ اپنے یلان نبرد آزما کو اپنے دشمن کے خلاف کسی مہم پر روانہ کرتا ہے، اس کو اپنے یلان کی نمک حلالی، وفاداری اور خیر خواہی پر پورا اعتماد ہے، لیکن اگر وہ اپنے دشمن کو نیچا دکھانے میں کامیاب ہو جائیں اور اس فتح مبین کی اطلاع اپنے آقائے نعمت کو نہ دیں، تو سلطنت میں خوشی کے شادیانے نہیں بج سکتے، ان تمام اور اسی قسم کے اور واقعات پر غور کرنے سے بآسانی معلوم ہو سکتا ہے، کہ جذبات کے طاری ہونے کے لئے لازمی ہے، کہ ہم کو اس جذبہ انگیز واقعہ کا علم ہو جب تک ہم کو یہ علم نہیں ہوتا اس وقت تک وہ جذبہ بھی کتم عدم میں رہتا ہے، اس کے علم کے ہوتے ہی معاً جذبہ منصۂ شہود پر جلوہ افروز نظر آنے لگتا ہے، لیکن ان تمام مثالوں میں صرف یہی ایک بات غور طلب نہیں، ان ہی سے ہم کو جذبات کی ماہیت بھی معلوم ہو سکتی ہے،

شیر کو دیکھنے، خبر بد کے سننے یا فتح کی اطلاع پانے سے ہماری نفسی کیفیت اور حالت میں بھی ایک قسم کا تغیر ہوتا ہے، چنانچہ شیر کو دیکھنے سے ہم پر ایک انقباضی اور ناگوار کیفیت طاری ہوتی ہے، ہم کو پریشانی ہوتی ہے، بعض اوقات شعور سرے سے غائب ہی ہو جاتا ہے، اسی طرح خبر بد بھی ناگوار کیفیت پیدا کرتی ہے، ہمارے دل پر ایک چوٹ سی لگتی ہے، احول کا منظر ہمارے لئے بدل جاتا ہے، فتح کی اطلاع پانے سے بادشاہ کے شعور میں تغیرات ہوتے ہیں، اس کو خوشی ہوتی ہے، اور ایک انشراحی انبساطی اور خوشگوار کیفیت طاری ہوتی ہے، ان کیفیات شعور یعنی انقباض و انبساط، درد و الم حظ و کرب وغیرہ کو نفسیات کی اصطلاح

۔۔۔ن حسیت کہاجاتاہے، ہرجذبہ میں کسی نہ کسی قسم کی حسیت ہونا لازمی ہے، اگرچہ یہ اسی طرح مفرد اور بسیط صورت میں نہیں ہوتی،

ان ہی مثالوں پر دوبارہ غور کیجئے، جذبہ انگیز واقعہ اور کیفیت حسی کے علاوہ ایک اور خصوصیت نظر آتی ہے یعنی یہ کہ ان تمام صورتوں میں خاص خاص جسمانی تغیرات بھی ہوتے ہیں، ان تغیرات میں سے بعض تو اس قسم کے ہوتے ہیں، کہ جن کو ہر کس و ناکس دیکھ سکتا ہے، لیکن بعض اس طرح کے ہوتے ہیں کہ ان کو خود وہی شخص محسوس کرتا ہے، جس پر وہ کیفیت گزر رہی ہے، اور بعض کو تو وہ خود بھی محسوس نہیں کرسکتا، شیر کو اپنے پاس کھڑا دیکھ کر بدن میں رعشہ پڑجاتا ہے، تنفس تیز ہوجاتا ہے، چہرہ کی رنگت زرد پڑجاتی ہے، ضربات قلب کی رفتار تیز ہوجاتی ہے، منہ خشک ہوجاتا ہے، معدے کا عمل انہضام بند ہوجاتا ہے، اور اسی نوع کے اور تغیرات ہوتے ہیں، خبر بد کو سنکر ہماری تمام حرکات بند ہوجاتی ہیں، ہم پر سکتے کی سی حالت طاری ہوجاتی ہے، آنکھوں سے آنسو جاری ہوجاتے ہیں، ہم چیخنا چلانا شروع کرتے ہیں، سر کے بال نوچتے ہیں، وغیرہ اسی طرح فتح وظفر کو معلوم کرکے ہم اُچھلتے، کودتے ہیں، ہمارے لبوں پر مسکراہٹ ہوتی ہے، ہماری تمام حرکات تیز ہوجاتی ہیں، سانس بھی جلدی جلدی آتے ہیں، اس قسم کے جسمانی تغیرات کا وجود ہر جذبہ کے ساتھ ہونا لازمی ہے، یہ ممکن ہے کہ ہم خود یا دوسرے ان کو معلوم نہ کرسکیں، چنانچہ خوف کی حالت میں معدہ کا عمل ہضم کا رک جانا کون شخص بغیر اختیار و امتحان کے معلوم کرسکتا ہے؟

اس تمام بحث کو مختصراً اس طرح بیان کیا جاسکتا ہے کہ،

الف۔ ایک وقوفی کیفیت یعنی واقعہ جذبہ انگیز کا علم مثلاً کسی عزیز کی خبر مرگ کوئی پرجوش حادثہ،

ب۔ ایک خاص حسی کیفیت، یعنی حظ و کرب، انبساط و انقباض، لذت و الم،

ج۔ کچھ جسمانی تغیرات، مثلاً آنسو بہنا، تیوریاں چڑھانا، ہنسنے لگنا، وغیرہ[1]

---

[1] فلسفۂ جذبات ۔۔۔،

جذبہ کے ان اجزا ترکیبی سے کسی کو انکار نہ ہے، نہ ہو سکتا ہے، یہ بھی ہر ایک کے نزدیک مسلّم ہے کہ
جذبات کے طاری ہونے کے لئے جذبہ انگیز واقعہ جسکو اصطلاح میں مہیج کہتے ہیں، علم وقوف ضروری ہے
اس سے قبل جو مثالیں ہم نے بیان کی ہیں، وہ سب کی سب ہمارے اس بیان کی صداقت پر شاہد عادل
ہیں اب سے چند سال قبل یہ بھی متفق علیہ تھا کہ ان اجزا کی ترتیب زمانی بھی وہی ہوتی ہے، جو ہم نے بیان کی ہے
یعنی یہ کہ پہلے ہم کو مہیج کا علم ہوتا ہے، اس کے بعد شعور میں انبساط، یا انقباض کی کیفیت پیدا ہوتی ہے، اور اسکے
بعد جسمانی تغیرات ظاہر ہوتے ہیں، اس کو اس طرح بھی بیان کیا جاسکتا ہے کہ :-

"تاثیر مہیج سے فوراً ہی نفس میں ناگواری یا خوش گواری کی ایک وجدانی کیفیت
پیدا ہوتی ہے، اور پھر اس وجدانی کیفیت کے معلول کے طور پر کچھ جسمانی تغیرات
ہوتے ہیں، جذبہ کا جوہر حقیقی وہی وجدانی کیفیت ہوتی ہے، اور یہ تغیرات جسمانی اسکے
آثار یا مظاہر ہوتے ہیں، اس نظریے کے مطابق ہم سے جب کوئی گستاخی سے پیش
آتا ہے، تو معاً دل میں ایک طرح کا جوش پیدا ہوتا ہے، اور اس کے بعد ابرو پر بل پڑجاتے
ہیں، خوشی کی بات سنکر معاً دل میں انبساط کی کیفیت پیدا ہوتی ہے، اور اس کے
بعد چہرے پر تبسم کی علامات ظاہر ہوتی ہیں، کسی غم انگیز حادثہ کی اطلاع ملتی ہے، اور معاً
ہمارا دل رنج کی ایک کیفیت محسوس کرتا ہے، اس کے بعد آنکھوں سے آنسو نکلتے ہیں[1]

جذبہ کی ماہیت کے متعلق یہ خیال صرف ماہرین نفسیات تک ہی محدود نہ تھا، بلکہ عوام الناس بھی ایسا ہی
سمجھتے ہیں چنانچہ روزمرّہ گفتگو میں ہم کہتے ہیں کہ فلاں شخص کے فرط غم سے آنسو بہنے لگے، فلاں خوفزدہ ہوکر بھاگا،
فلاں کا چہرہ غصہ کے مارے سرخ ہوگیا، وغیرہ ان تمام اقوال میں ظاہر ہے، کہ ہم جسمانی تغیرات کو جذبہ کا مظہر
سمجھتے ہیں، ان کو جذبہ میں شامل نہیں کرتے، یہ گویا وہ معلولات ہیں، جو اس خاص وجدانی کیفیت سے پیدا ہوتے ہیں

---

[1] فلسفہ جذبات ص ۱۰۰

لیکن ۱۸۸۴ء میں ہارورڈ (امریکہ) کی یونیورسٹی کے پروفیسر اور نفسیات کے مسلم الثبوت استاد ولیم جیمس نے رسالہ مائنڈ میں "جذبہ کیا ہے" کے عنوان سے ایک مضمون لکھا جس کو بعد میں اس نے اپنی کتاب "پرنسپلز آف سائکلوجی" میں شامل کیا ہے، مضمون نے ماہرین وعامۃ الناس کے خیالات میں حیرت انگیز انقلاب پیدا کیا، جس چیز کو اب تک علت سمجھا جا رہا تھا، وہ اس مضمون کے مطابق معلول بن گئی، اور جو اب تک معلول تھی وہ علت ثابت ہوئی، اب تک اس وجدانی کیفیت کو جذبہ کا جوہر سمجھا جا رہا تھا جو مہیج کی تاثیر سے پیدا ہوتی ہے، لیکن جیمس نے اس کیفیت کو اس اہم مرتبہ سے گرا کر ثانوی نتیجہ بنا دیا، جیمس نے دعویٰ کیا کہ،

"ترتیب زمانی کے لحاظ سے ج کو ب پر تقدم حاصل ہے، یعنی تاثیر مہیج سے فوراً ہی نظام جسمانی میں کچھ تغیرات واقع ہوتے ہیں، اور ان تغیرات کے بعد، اور بطور ان کے معلول کے نفس ایک کیفیت وجدانی کو محسوس کرتا ہے[1]"

گویا جیمس نے جذبات کی دنیا میں وہی انقلاب پیدا کیا، جو کوپرنکس نے نظام شمسی میں کیا، اس نے زمین کو آسمان بنا دیا اور آسمان کو زمین، شروع شروع میں یہ نظریہ اس قدر عجیب وغریب معلوم ہوا کہ ہر ایک کی نگاہ اس طرف الٹ گئی، اور غالباً محض ظاہری استبعاد کی وجہ سے ہر کس وناکس نے اس کی مخالفت پر کمر باندھی، جیمس پر اعتراضات کی بوچھاڑ ہونے لگی، لیکن وہ اپنے خیال پر قائم اور اپنی جگہ ثابت قدم رہا، رفتہ رفتہ تحقیق وتفتیش، اختبار ومشاہدہ اور کدوکاوش سے قدیم تعصب اور دھادھند مخالفت میں کمی ہوئی، اور اب اکثر ماہرین نفسیات اسی جیمس کے ہم خیال ہیں جس کو پہلے ایک عقلمند دیوانہ سمجھا جا رہا تھا، اس میں کلام نہیں کہ عامۃ الناس کیلئے جیمس کا یہ خیال مضحکہ خیز ہے لیکن عوام کے خیالات ہمیشہ حکمی وعلمی تحقیقات ومعلومات کا ساتھ نہیں دیا کرتے،

"باقی"

---

[1] فلسفۂ جذبات

کھمبات یا کھمبائت کے آثار

از مولوی عبدالستار صاحب فاروقی انجمن ضیاء الاسلام کاٹھی سی، پی

"حسب ذیل مضمون کو جو مسٹر جیمس برجیس سی آئی ای (James Burgess C.I.E.)

کی کتاب "مغربی ہندوستان کے اسلامی آثار کی تاریخ" جلد چھٹی سے بتصرف ترجمہ کیا گیا ہے، مصنف نے اس

حصہ کتاب کو جس جانکاہی و کاوش سے لکھا ہے اس کا اندازہ صرف اس سے ہو سکتا ہے، کہ صرف اس حصۂ کتاب

کی تیاری میں مصنف کو تقریباً ۲۰ کتابوں کا مطالعہ کرنا پڑا ہے، چنانچہ ان کتابوں میں سے جنکا

حاشیہ میں حوالہ دیا گیا ہے بعض کے نام یہ ہیں: قرآن شریف، قوانین اسلام، مراۃ الاحمدی کی

سیاحت مغربی ہند، تاریخ مسعودی، جوبرٹ کی ادریسی، محمد عوفی کی جامع الحکایات، سفرنامہ مارکوپولو

آخر میں یہ بتا دینا بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ تحریر کی جو کچھ حالت اس مضمون میں بتائی گئی ہے، وہ آج

کی نہیں بلکہ آج سے ۳۵ سال پہلے کی ہے جبکہ مصنف نے اس کتاب کی تیاری کیوقت انکو دیکھا تھا، خدا

جانے لیل و نہار کی اس ۳۵ سالہ گردش نے ان پر کیا کیا ستم ڈھائے ہیں اور اب انکی کیا حالت ہے، ہاں

اتنا معلوم ہے کہ وہاں ان اسلاف کے جنکے یہ آثار تھے اخلاف یعنی مسلمان ابتک باقی ہیں، مگر انکی موجودہ

حالت جمود کو دیکھتے ہوئے یہ امید نہیں کی جا سکتی کہ وہ ان آثار کے باقی رکھنے میں کوشاں رہے ہونگے، فاروقی"

کھمبات یا صحیح تر کھمبائت جیسا کہ عام طور سے کہا جاتا ہے، اور جسے مارکوپولو (۱۲۹۰ء) نے کمبایت لکھا ہے اور جو سترھویں

صدی میں کمبیا یا کمبیا کے نام سے مشہور تھا، اسکو موجودہ یورپین کمبے کہتے ہیں،

یہ ماہی ندی کی وادی میں شمالی جانب احمد آباد سے جنوباً ۵۲ میل، اور تقریباً ۴۴ میل بڑودہ کے مغرب

میں واقع ہے سنسکرت کتبوں اور قصوں سے اس کا نام (اسٹمبھ تیرتھ[1]) یا "تیرتھی کھمبہ" ظاہر

---

[1] اسٹمبھ تیرتھ کے معنی ہیں مندر یا تیرتھ کا کھونٹا، اسی مناسبت سے میں نے اسکا ترجمہ تیرتھی کھمبہ کیا ہے۔

ہوتا ہے، یوں تو اس نام کے تسلیم کرلینے کا کوئی موثق ذریعہ نہیں ہے مگر یہ کہا جا سکتا ہے کہ شاید لنگ سیوا جسکی اشمبھیشور (خدائی کھمبہ) کے نام سے پرستش ہوتی ہے، سے مشتق ہو، پراکرت میں اشمبھ کھمبہ یا کھم سے بدل جاتا ہے اسی لئے گمان ہوتا ہے کہ موجودہ نام "کھمبے" اسی طرح بنجھ مانجھ کر نکھرا ہو، قدیم الایام میں مقدس اشیاء کا خزینہ دار ایک شہر تھا جسے گجنی کہا گیا ہے، اس نام کا ایک اہم بندرگاہ ماہی ندی کے دہانے پر واقع تھا جو اب برباد ہوگیا ہے، اس کے بعد ایک نیا شہر ۳ میل کے فاصلہ پر سمندر کے قریب بسا جو غالباً شمالی برہمنوں کی نوآبادی کے پاس واقع تھا، دسویں صدی کے اختتام پر مول راجہ نے نو میل زمین کماری دیوی کے مندر کے لئے وقف کرکے موجودہ مقام پر بسایا، قدیم شہر ایک قریہ کی حیثیت رکھتا ہے جسکا نام ناگر ہے، اور جو موجودہ شہر سے تین میل کے فاصلہ پر شمال مغرب کی جانب واقع ہے،

مسعودی کا جو ۳۰۳ھ ۹۱۵ء میں یہاں آیا اس کو ترقی پذیر حالت میں دیکھا اس وقت ایک برہمن "مانکیر کا بلہرا" کے نام سے اس پر حکومت کرتا تھا جو مسلمانوں اور اجنبیوں کی بڑی دیکھ بھال کرتا تھا، یہ اس وقت کھڑاؤں کیلئے مشہور تھا، بارہویں ہجری میں یہ ایک مشہور اور اہم قلعہ بند ساحلی تجارتی مقام تھا کہتے ہیں کہ اسی ہجری میں پارسیوں کی اشتعال انگیزی سے ہندوؤں نے سنی مسلمانوں کے خلاف بلوہ کر دیا، اور مسجد کو شہید کر دیا گیا، جب یہ خبر سدھ راجہ جیا سمہ کو پہونچی تو اس نے مسجد اور مناروں کو بنوانے کا حکم دیا چنانچہ مسجد بنا دی گئی، پھر کسی حملہ آور نے غالباً تیرھویں صدی کے آغاز میں اس کو نقصان پہونچایا تو سید شرف تمین نے اپنے روپیے سے بنایا اور اسمیں چار منارے اور طلا کار قبے تعمیر کئے،

۱۲۹۱ء میں وشو پال لون پرشاد اور اس کے لڑکے کا جینی وزیر رہا، اس کے عہد میں کئی جینی مندر بنائے اور کتب خانے وجود میں آئے، اس کے چند سال بعد یعنی ۱۳۱۳ء میں مرنیوسنو ڈر سیاح کا یہاں گذر ہوا، وہ کہتا ہے کہ "یہ ہندوستان کے دو مشہور بندرگاہوں میں سے ایک ہے"

۱۲۹۹ء میں علاؤ الدین کی افواج نے اس پر قبضہ کیا، اور شہر کو نقصان پہونچایا، منادر کی بے حرمتی

کی گئی، باشندوں کا بیرحمانہ قتل عام ہوا، ہزاروں عورتوں اور بچوں کو قید کیا گیا، لاتعداد مال غنیمت سونا چاندی جواہر اور قیمتی پارچہ جات کی صورت میں لیجایا گیا، اس کے بعد "اختیار الدولۃ والدین" کے لقب سے یہاں ایک گورنر کا تقرر ہوا، جو ۲ ستمبر ۱۳۲۶ء میں وفات پاگئے، جیسا کہ ان کے مقبرہ کے کتبہ سے ظاہر ہوتا ہے، ابن بطوطہ ۱۳۴۲ء میں یہاں آیا، وہ اپنے سفرنامہ میں اس کی خوبصورتی اور نفیس اور پائدار مساجد و عظیم الشان عمارتوں کی بڑی تعریف کرتا ہے جنھیں غیر ملکی مالدار تجار نے بنایا تھا، اور وہ لکھتا ہے کہ "ان کی وجہ سے یہاں کی آبادی میں غیر معمولی اضافہ ہوگیا ہے"، ابن بطوطہ کے ورود سے بیس برس پہلے یعنی ۵ جنوری ۱۳۲۵ء میں جامع مسجد بن چکی تھی، محمد تغلق کے حملہ سے جو باغیوں کی سرکوبی کے لئے ۱۳۴۶ء میں گجرات گیا تھا، اس کی فوجوں سے اس شہر کو نقصان پہونچا، ایک دوسری شورش میں جو ۱۳۴۹ء میں برپا ہوئی، اس کو ملوائیوں کے تاخت و تاراج سے خستگی کا سامنا ہوا، بعد ازاں سلطان کا اس پر قبضہ رہا، اور خود مختار شاہان گجرات کے ماتحت اس کے دن پلٹنا شروع ہوئے، احمد اوّل نے اس کی ترقی کے سامان کئے اور اس کی تجارت کو وسیع کیا، اس کی حکومت کے اختتام پر نکل ڈی کانٹی یہاں پہونچا، وہ اس کی حالت یہ بیان کرتا ہے کہ "یہ چودہ میل کے گھیرے کا نہایت عمدہ شہر ہے"، سولھویں صدی کے آغاز تک یہاں تجارت اور نفیس ساز و سامان میں ترقی ہوتی رہی اور اس کا ہندوستان کے مشہور ترین بازاروں میں شمار تھا، ۱۵۳۵ء میں بہادر کے تعاقب میں ہمایوں نے یہاں لوٹ مار کی اور ۱۵۳۸ء میں پرتگالیوں نے ڈان جاوڈ کاسٹرو کی ماتحتی میں اس پر قبضہ کیا اور اسی کے حکم سے بے شمار مال غنیمت لوٹ کر شہر کو نذر آتش کر دیا گیا، اور اس کے بعد بھی ۱۵۷۳ء، ۱۵۸۳ء اور ۱۶۰۶ء میں یہاں لوٹ مار کی گئی، اسی تباہی کے زمانہ میں یعنی ۱۵۸۰ء میں فریڈرس یہاں آیا اس کی حالت خراب نہیں تھی، ۱۶۱۲ء میں یہاں انگریزوں کی تجارتی کوٹھی قائم ہوئی اور ۱۶۱۶ء میں ڈچ لوگوں نے اس کو اپنی تجارتی کوٹھی کے لئے انتخاب کیا جو ۱۶۷۰ء میں بند کر دی گئی، اٹھارھویں صدی میں مرہٹوں کی کرتوت سے دوسرے شہروں کا اس پر بُرا اثر پڑا، ۱۷۳۰ء میں مرزا جعفر گجرات کی مغل افواج کا

[illegible] کھمبات کا عامل [illegible] تیس سال بعد کسی قدر خود مختار ہو گیا تھا، [illegible]

مومن خاں بہادر فیروز جنگ کا خطاب دیکر وائسرائے کے عہدہ پر فائز کر دیا گیا، اس نے اپنے داماد زین العابدین نجم خان کو کھمبات کا گورنر مقرر کر دیا جو اپنے آخری لمحہ سے ۱۷۴۲ء تک اس عہدہ پر قائم رہا، اس کے بعد مرزا جعفر کے لڑکے مفتخر خان نے نور الدین محمد خاں مومن خاں بہادر دوم کے لقب سے یہاں کی گورنری کی ۱۷۸۳ء تک اس مدت میں نور الدین کی تعدی اور محصول کی زیادتی سے نصف آبادی کم ہو گئی، نور الدین کے بعد یہاں کی زمام گورنری محمد قلی کے ہاتھ آئی جو نور الدین کا پالک اور زین العابدین کا لڑکا تھا، محمد قلی کی شادی جاگتی خانم سے ہوئی تھی جو مومن خان ثانی کی لڑکی تھی، محمد قلی نے ۱۱ سال حکومت کرکے وفات پائی، پھر کھمبات محمد قلی کے بڑے لڑکے فتح علی کے ماتحت آگیا، جسے دہلی سے "نجم الدولہ ممتاز الملک مومن خاں بہادر دلاور جنگ نواب کھمبات" کا خطاب ملا، فتح علی سے انگریزوں نے ۳۱ر دسمبر ۱۸۰۲ء میں ایک معاہدہ کیا جس کی رو سے پیشواؤں کے سے حقوق کا انھیں استحقاق حاصل ہوا اور چند دنوں کے بعد ہی سے لگان پر ان کو زمین دیجانے لگی، ۱۸۲۳ء میں نواب موصوف کا انتقال ہو گیا، اور ان کی جگہ ان کے بھائی بندہ علی خان مومن خاں چہارم کو ملی، جو ۱۸۴۱ء میں فوت ہو گئے، اب ریاست کی باگ ان کے چھوٹے بھائی یاور علی خاں کے ہاتھ میں آئی، مگر یاور علی نے اس سے دست بردار ہو کر اپنے لڑکے حسین یاور خاں مومن خاں پنجم کے حوالہ کر دیا، آج کل یہاں کی آبادی ۳۱ ہزار ہے جنمیں ۲۲ فی صدی مسلمان ہیں، اب وہ پہلی سی تجارت کی گرماگرمی نہیں رہی صرف بیش قیمت پتھروں کی تجارت ہوتی ہے، وہ بھی صرف چین سے،

جامع کھمبات: جامع مسجد کا رقبہ ۲۱۲ فٹ مشرق سے مغرب اور ۲۰۲ فٹ شمال سے جنوب تک ہے، لیکن اسی رقبہ میں جنوبی سمت کو صحن، و مقبرہ بھی شامل ہے، اس طرح ۵۵ فٹ کی لمبائی کم ہو جاتی ہے مسجد کی اندرونی پیمائش ۱۰۹ × ۵۰ فٹ ہے، مسجد کے سامنے ایک صحن ہے، جو ۱۳۴ فٹ لمبا اور ۱۱۹ فٹ چوڑا ہے، جس کے دائیں بائیں جانب کو ۱۰ فٹ کے برآمدے سے گھیرا گیا ہے، اور سامنے کا برآمدہ ۳۰ فٹ رکھا گیا ہے

برآمدوں کے اختتام سے مسجد شروع ہوتی ہے، اس کی چھت کو ۱۵ فٹ کی اونچائی کے ۱۰۰ استون اور ۶۸ مربع ستونوں کا سہارا دیا گیا ہے، اور ان کے علاوہ مسجد اور برآمدوں کی دیواروں کے اتصال پر تین تین ستون لگائے گئے ہیں، ستونوں کو قطار در قطار کچھ اس طرح طول وعرض میں قائم کیا گیا ہے، کہ مسجد کا فرش ۱۴ مربعوں میں تقسیم ہوجاتا ہے، صنعت یہ ہے کہ انھیں ستونوں کو اوپر چوکھٹ لگاکر مثمن کردیا گیا ہے، اور ان کے اوپر گنبد بنائے گئے ہیں، مسجد میں داخل ہونے کے لئے تین اصلی اور متعدد کمانیاں ہیں، ان پر نقش ونگار کیا گیا ہے، ان کے علاوہ اور اکثر جگہ منقوش پتھروں سے مسجد کی زینت کو دوبالا کیا گیا ہے، اس مسجد کی یہ خصوصیت ہے کہ اس میں نہ صرف مستورات کے لئے فرش کے اختتام پر برآمدوں سے متصل دو قبہ دار زینے بنے ہیں بلکہ ایک جگہ قومی اور مذہبی اجتماعات کے لئے مخصوص کی گئی ہے، صحن میں چار ستونوں کے سہارے پر ایک چھوٹا سا چھپر ہے اس کے علاوہ مشرقی سمت کو ایک بڑا ساحوض ہے، فرش کے کچھ حصہ پر، استونوں کے سہارے سے چھت بندی کی گئی ہے، اس چھپر کے کتبہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ ۱۴۲۱ء میں علی بن عبدالغنی البغدادی نامی کسی بزرگ کی نگرانی میں حوض کی مرمت کی گئی تھی، اس کے بعد فاضل مصنف نے چند سطروں میں ان امور کو ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، کہ حوضوں کی تعمیر اور محرابوں کا قبلہ نما ہونا، یہ محض مشرق کی مسیحی گرجاؤں کی نقل ہے اور محرابوں کے بیل بوٹے ہندو مناروں سے مشابہ ہیں، اس لئے میں نے ان سطروں کو نظر انداز کردیا ہے،

مسجد میں تین محرابیں ہیں جن پر بیل بوٹے اتارے گئے ہیں اور جنکو آیات قرآن سے زینت دی گئی ہے، انکے علاوہ متعدد منقوش کھڑکیاں ہیں، منبر حسب معمول بیچ کی محراب کے بائیں جانب واقع ہے جسکی آٹھ سیڑھیاں ہیں اور اوپر کو چھوٹا سا مربع شامیانہ ہے، منبر تک جانے کے لئے امام کی آسانی کے خیال سے پچھلی دیوار میں ایک دروازہ ہے جس کی سیڑھیاں کچھ دور نیچے جاکر نیب سڑک تک پہونچتی ہیں،

مقبرہ | مسجد کے جنوبی رقبہ کے ساتھ ہی ایک قبہ دار مقبرہ ہے جسکی اندرونی پیمائش ۲۰۴ × ۴۹ فٹ ہے، پورب پچھم ستونوں کی قطاریں جسکا قطر ۹ء۳ فٹ ہے دو قبریں ہیں اس میں داخلہ کا بڑا راستہ جنوبی سمت ہے،

صدر دروازہ کے دونوں طرف کناروں میں سیڑھیاں بنی ہیں جو چھت تک جاتی ہیں اسی طرح جنوبی دیوار میں سیڑھیاں ہیں جو باہر نکلتی ہیں، یہ دیکھکر نہایت افسوس ہوتا ہے کہ اس عجیب و غریب مقبرہ کی چھت گر گئی ہے جس کے دوبارہ بنانے کی مطلق کوشش نہیں کی گئی، اس رقبہ میں مقبرہ سے متعلق ایک خاص مسجد (قاب یا حجرہ) ہے جسکی چھت دو گنبدوں پر مشتمل ہے، اس میں ایک طرف زنانہ زینہ (گیلری) ہے جسکو بوٹے دار پردوں سے گھیر لیا ہے، افسوس کہ پردے کا ایک حصہ خراب ہو گیا ہے، مگر بڑی مسجد کے پردوں کا بالکل نشان تک باقی نہیں ہے، جسکا ذکر اوپر ہو چکا ہے، چھت کے گرنے سے مزارات کو سخت نقصان پہونچا ہے، مزارات سنگ مرمر کے بنے ہیں، جو کمال صنعت و نقش و نگار کا نمونہ ہیں،

لوح مزار، ان میں سے ایک کا کچھ حصہ نو تعمیر ہے، سرہانے کے پتھر پر نہایت خوبصورت نقوش ہیں، اس کے حاشیہ پر ساڑھے بارہ آیات سورہ یٰسین کی کندہ ہیں نصف سے کچھ زائد اوپر کا وہ حصہ جو کمانی دار ہے، اس پر دو حاشیے کھینچے گئے ہیں اور بیچ میں بشکل مثلث تھوڑی سی جگہ چھوڑی گئی ہے، پہلا حاشیہ نقش و نگار کے لئے وقف ہے، دوسرے حاشیہ میں سورۂ بقر کی ۲۵۶ ویں آیت ہے، مثلث جگہ میں نہایت خوبصورتی سے جلی حروف میں کلمہ شریف مرقوم ہے، مثلث کے نیچے ایک طرف انا للہ وانا الیہ راجعون اور دوسری طرف ہذا ما وعد الرحمن وصدق المرسلون ۷۳۶ھ لکھا ہے، مثلث کے نیچے مطلا کاری کی گئی ہے، بسم اللہ الرحمن الرحیم کچھ اس انداز سے لکھا گیا ہے، کہ بالکل بیل بوٹے معلوم ہوتا ہے، اس کے نیچے ایک مربع بنا ہے جس کے دائیں کناروں پر تیسری سورہ کی سولھویں اور سترھویں آیات منقوش ہیں مربع کے اوپری حصہ میں سورۂ مذکور کی ۱۷۳ و ۱۷۵ ویں آیات ہیں اس کے بعد اصل عبارت شروع ہوتی ہے، جس کا مطلب یہ ہے، کہ اس قبر میں ایک عبد ضعیف، سعید شہید، مرحوم و مغفور، ملک الملوک، سرور الوزرا، رکن الملت والدین عمر بن احمد الکازرونی[1] ملقب بہ زور الملک، آرام فرما ہیں، جو

[1] کازرون صوبہ فارس ایران کا ایک شہر ہے جو شیراز سے ۶۰ میل کے فاصلہ پر واقع ہے،

بروز چہارشنبہ ۹ صفر ۱۲۳۴ھ (مطابق ۱۸ اکتوبر ۱۸۲۳ء) کو واصل بحق ہوئے، مزار کے مغربی طرف کے حصار کے اوپری سمت کو ۳۶ دین سورہ کی ۵۷-۱۰ ویں آیات اور نیچے کو ۲۰-۹، ویں آیات کتبہ کی گئی ہیں،

اس رقبہ میں ایک دوسری قبر غالباً مذکور صاحب قبر کی صاحبزادی کی ہے، مگر چھت کے گرنے سے اس کا کتبہ خراب ہو گیا ہے، اس لئے یقین کے ساتھ کوئی رائے قائم نہیں کی جا سکتی، جو کچھ پڑھا جا سکتا ہے اس کا مفہوم یہ ہے کہ "یہ قبر تاج دولت، فخرِ نسواں بی بی فاطمہ مرحومہ و مغفورہ کی ہے موصوفہ کو کربلائے معلیٰ کی زیارت کا شرف حاصل ہے .... مرحوم حسین ——— زوجہ ... عمر ....

آپ ۱۱ شوال المکرم ۱۲۴۸ہجری (مطابق ۳ دسمبر ۱۸۳۲ء) کو واصل بحق ہوئیں" اس عبارت کے اوپر لا الہ الا اللہ اور سورہ ۵۹ کی ۲۲-۲۴ ویں آیات منقوش ہیں، اس تختی پر دوسری سورہ کی ۲۵۶ ویں آیت بھی لکھی ہے،

ایک دوسری تختی پر سورہ فاتحہ اور چند الفاظ لکھے ہیں جن کا مطلب یہ ہے "اے اللہ مرحومہ کو بخش دے اور مرحومہ کی قبر کو اپنے انوار افضال سے منور کر دے، یا ارحم الراحمین" ایک طرف تیسری سورہ کی سولھویں اور سترھویں آیت کا کچھ حصہ مرقوم ہے، ایک اور جگہ ۱۸۲ ویں آیت ہے،

اس احاطہ کے مشرق کے طرف دس ستونوں کے سہارے پر ایک چھتر ہے، ستون ہندو مندر کے ستونوں سے مشابہ ہیں، اس لئے مصنف کا خیال ہے کہ یہ کسی ہندو یا جین مندر سے لائے گئے ہیں، اس پر ایک کتبہ ہے، جو پہلے بسم اللہ الرحمن الرحیم سے شروع ہو کر سورہ ۷۲ کی اٹھارویں آیت پر ختم ہوتا ہے، اس کے بعد آنحضرت صلعم کا ایک قول نقل کیا گیا ہے، کہ جو لوجہ اللہ ایک مسجد یہاں بناتا ہے، اس کے لئے اللہ تعالیٰ جنت میں ایک گھر بنائے گا، اس حدیث شریف کے بعد جو عبارت ہے، اس کا مفہوم یہ ہے، "یہ مسجد اور جگہ اللہ اور فقط اللہ کے لئے اور اسی کے نام پر معنون ہے، یہ مبارک جامع مسجد اور مذہبی و قومی اجتماع کی یہ جگہ ایک خفیہ دولت بنائی گئی، جو اللہ کے فضل سے ہاتھ آئی اور آخر کار اسی کے نام پر صرف ہوئی اور وہ ہی اس کو شرف قبول

لہ معارف: مضمون نگار صاحب کتبہ کے اصل الفاظ نقل کرتے تو بہتر ہوتا،

بخشنے والا ہے، امیدوار رحمت، عبد ضعیف محمد البوتمارشی (خدا اس کی نیک خواہشات کو پورا کرے اور ہدایت دے) نے بعہد حکومت عالم، عادل سلطان محمد شاہ خلد اللہ ملکہٗ بن سلطان تغلق شاہ ۱۰ محرم ۷۲۶ھ (مطابق ۵ جنوری ۱۳۲۵ء) میں تعمیر کیا"

ایک علاوہ پتھر پر جو پرانی مسجد کا ہے یہ عبارت لکھی ہے، "بسم اللہ الرحمن الرحیم، ایک شاہی غلام نے بعہد حکومت سلطان فیروز شاہ نے یہ مسجد تعمیر کی، اس کے بعد فارسی کے چھ اشعار ہیں، جن کا مفہوم یہ ہے،

"یہ مسجد سلطانی طرز پر سلطان ظفر خاں گستری (یا شوستری) کے عہد حکومت میں (۸۰۰-۱۳۵۱ء) بنائی گئی، ہجرت نبوی سے ۷۵ سال بعد (۸۴، ۱۳ء) یہ مسجد خدا کی عبادت کے لئے درست کی گئی، خدا کی رحمت ہو ان عبادت گذار بندوں پر جو اس مسجد میں آکر اس کے بنانیوالے کو دعائے خیر سے یاد کرتے ہیں"

شہر میں اور اس کے ارد گرد مقبرہ عمر الکازرونی کے طرز پر اور کئی مقبرے ہیں، ان میں سے ایک اختیار الدولہ والدین خزانچی شہر کھمبات (۶ جمادی الثانی ۷۱۶ھ مطابق ۲۶ ستمبر ۱۳۱۶ء) کا ہے، دوسرا شہر سے ایک میل کے فاصلہ پر مغربی جانب کو خواجہ خضر سے منسوب ہے جس کی تاریخ تعمیر ۷۷۰ھ (۶۹-۱۳۶۸ء) ہے تیسرا حاجی یوسف بن سید احمد بن محمد بن عیسیٰ بن عبد السلام بن احمد الحاجب القریشی ۱۳ ربیع الاول ۸۱۴ھ (مطابق ۲۶ اگست ۱۴۱۱ء) کا ہے، چوتھا "مقبرہ فخر الدولہ والدین ابوبکر بن حسن بن محمد بن حسن بن عیسیٰ القریشی الحکیم" کے نام سے مشہور ہے، جس کی تاریخ تعمیر ۱۱ صفر ۸۱۸ھ ہے (۲۹ اپریل ۱۴۱۵ء)

مقبرۂ خواجہ خضر کے پیچھے ایک مسجد خستہ حالت میں ہے جس پر فارسی اشعار نہایت خوشخطی سے منقوش ہیں، اس پر ۱۲۱۵ ہجری (۱۸۰۰-۰۱ء) لکھا ہے،

یہ ہیں وہ یادگاریں جو ایک دور دراز ساحلی مقام پر کاروان رفتہ کی شان و شوکت کا افسانہ سنا رہی ہیں،

ـه اس نام کے نقطے غائب ہیں، اس لئے اس کو کئی طرح تلفظ کیا جا سکتا ہے، نام اس طرح لکھا ہے، "محمد البو تماری"

شاہان مغلیہ کے نایاب نقرئی و مسی سکے

جو

عجائب خانہ کلکتہ میں حال میں جمع ہو رہے ہیں

از

شمس العلماء حافظ نذیر احمد صاحب محقق آثار قدیمہ عجائب خانہ کلکتہ

ٹکسال بھکر کا دام | (۱) اکبر بادشاہ کا مسی دام ٹکسال بھکر، یہ دام نہایت ہی نایاب ہے اور کسی عجائب خانہ میں ہے اور نہ سکوں کے کسی متلاشی کے پاس ہے، صرف مسٹر اولیور (MR.E.E: OLIVER) نے ۱۸۸۶ء کے ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کے جرنل حصہ اول کے صفحہ ۳ میں ایک دام کا ذکر کیا ہے، جسمیں تاریخ نہیں ہے، صرف ۹۸۰ ہے، بابو راؤ کرشنا پال سنگھ ضلع ایٹہ (یونائیٹڈ پروونس) نے جنوری ۱۹۲۴ء میں مہربانی فرما کر ایک دام کلکتہ عجائب خانہ کے سکوں کے ذخیرہ میں عنایت فرمایا،

بھکر صوبہ ملتان کی سرکار میں تھا، دریائے سندھ کے جزیرہ پر ایک قلعہ ہے، اس پر واقع ہے، جلال الدین اکبر نے ۹۸۲ھ ۱۵۷۴ء میں اس قلعہ پر قبضہ کیا، اور یہ صرف تانبے کے سکوں کا ٹکسال بنایا گیا، مستشرقین یورپ کے نیومزمیٹ کا ریمارک یوں اس دام پر ہے، (AKBARS DAMS OF BHAKKAR ARE VERY SCARCE

ٹکسال گوکل پور کا روپیہ | (۲) شاہ عالم ثانی جس نے ۱۱۷۳ھ ۱۷۵۹ء سے ۱۲۲۱ھ ۱۸۰۶ء تک سلطنت کی تھی، ایک روپیہ ۱۱۹۵ھ ۱۷۸۱ء سنہ ۲۳ جلوس کا گوکل پور ٹکسال کا سرجان مارشل صاحب ڈائرکٹر محکمہ آثار قدیمہ ہندوستان نے سنہ ۱۹۲۴ء میں خرید کر کلکتہ عجائب خانہ کے سکوں کے ذخیرہ میں عنایت فرمایا، اس ٹکسال کا ذکر ہی کہیں نہیں ہے، نہایت ہی نایاب سکہ ہے، غالباً سلطنت کے ۲۳ سال بعد شاہ عالم نے گوکل پور ٹکسال

کو بنگال کے اندر کہیں قائم کیا تھا، آج کل تاگ پور لائین میں ایک اسٹیشن گوکل پور نامی بنا ہے، شاید وہی

ٹکسال ہردوار تیرتھ (۳) شاہ عالم ثانی، ایک روپیہ ۱۲۱۴ھ جلوس ۳۹ کا جس کا دار الضرب ہردوار تیرتھ ہے، ڈاکٹر موصوف نے عطا فرمایا ہے، یہ روپیہ بھی نہایت نایاب ہے،

یہ دار الضرب ہردوار ہندؤں کا مشہور تیرتھ (زیارتگاہ) ہے گنگا کے کنارے واقع ہے، یہ قلیندیجے کہ اکبر بادشاہ نے ہردوار تیرتھ کے دار الضرب میں سکے ضرب کئے تھے مگر صرف شاہ عالم ثانی کے چند روپے اس دار الضرب میں ضرب ہوئے ہیں، دو تو لاہور کے عجائب خانہ میں ہے سنہ ۱۲۱۳ھ سنہ ۳۹ جلوس اور دوسرا روپیہ اس ۱۲۱۴ھ کا ہے، بس صرف دو سکے ۱۲۱۴ھ کے دنیا کے عجائب خانہ میں ہیں،

"باقی"

گلِ رعنا

از

جناب مولانا حکیم سید عبد الحی صاحب مرحوم سابق ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ

جسمیں اردو زبان کی ابتدائی تاریخ، اور اس کی شاعری کا آغاز، اور عہد بعہد کے باکمال اردو شعراء کے صحیح حالات اور ان کے منتخب اشعار اور ان کے ہر قسم کے کلام کے نمونے درج ہیں، اور اب دار المصنفین اعظم گڈھ نے شایع کیا ہے، لکھائی چھپائی عمدہ کاغذ اعلیٰ ضخامت ۵۰۰ صفحے قیمت صہ،

"منیجر"

قسطنطنیہ کے کتبخانے

قسطنطنیہ کو اگر ایک طرف یہ فخر ہے کہ اس کے دامن سے ترکوں جیسی شجاع و بہادر قوم وابستہ ہے تو اسے یہ بھی ناز ہے کہ تمام عالم اسلامی میں عربی کی نایاب کتابوں کا سب سے بڑا ذخیرہ اپنے آغوش میں رکھتا ہے، علامہ مرحوم نے سفرنامہ میں لکھا ہے، "ترکوں کے علمی کارناموں میں جو چیز سب سے زیادہ قابل فخر ہے، وہ یہی کتب خانے ہیں ...... میں کافی یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ تمام اسلامی دنیا میں قسطنطنیہ عربی تصنیفات کا سب سے بڑا مرکز ہے"

لیکن عہد عثمانیہ میں ترکوں کی بڑی بدقسمتی تھی کہ انھیں ان بیش بہا نایاب کتابوں سے استفادہ کرنے کا موقع نصیب نہ تھا، اور نیز حکومت کی غفلت سے نایاب کتابوں کا بڑا ذخیرہ قسطنطنیہ سے باہر چلا گیا، علامہ مرحوم فرماتے ہیں "مجھ کو نہایت افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ یہ نایاب کتابیں یہاں بالکل بے کار ہیں، اول تو یہ کتب خانے دن میں صرف دو تین گھنٹے کے لئے کھلتے ہیں، اس کے ساتھ سال میں دو تین مہینے متصل تعطیل رہتی ہے"

لیکن اب مملکت ترکیہ میں انقلاب حکومت کے ساتھ کتبخانوں کے نظام میں بھی تبدیلی پیدا ہوئی ہے، اب ان کتبخانوں کے سپرد قسطنطنیہ کی زینت و آرائش میں اضافہ کرنے کے بجائے نوجوانان ترک کی علمی استعداد میں اضافہ کرنا ہے،

مجلہ الزہرا مصر میں "کتبخانہ قسطنطنیہ" پر ایک وقیع مقالہ شائع ہوا ہے جسمیں مقالہ نگار نے عہد عثمانیہ میں کتبخانوں کے حالات بیان کرکے، ان کے موجودہ نظم و ترتیب کے واقعات لکھے ہیں، اس مقالہ کی تلخیص جابجا سے ذیل میں دیجاتی ہے جس سے وہاں کے کتبخانوں پر کافی روشنی پڑیگی،

عہد عثمانیہ میں نایاب قلمی کتابوں کے ضائع ہونے کے حالات لکھتے ہوئے لکھتا ہے "قاہرہ کے علماء

میں سے بعض کا بیان ہے کہ وہ پے درپے دو سال قسطنطنیہ گئے انھیں اپنے ان دو سفروں میں ایسا اتفاق ہوا کہ انھوں نے اپنے پہلے سفر میں کسی کتبخانہ میں کوئی نفیس اور نایاب قلمی نسخہ محفوظ دیکھا تھا، پھر جب وہ اپنے دوسرے سفر میں اس کتاب کو تلاش کرتے ہیں تو اسی جلد میں اس کتاب کے عوض کوئی ایسی کتاب ملتی ہے جس کی قیمت چند قرش بھی نہیں ٹھہر سکتی،،

پھر کہتا ہے،،اور حقیقت یہ ہے کہ پایہ تخت عثمانیہ کے لئے یہ کوئی جدید امر نہیں آج سے چند صدی پیشتر کا یہ واقعہ ارباب علم سے پوشیدہ نہیں کہ سولھویں صدی عیسوی کے وسط میں ہالینڈ کا قونصل فرنسیرا کا برعلما اسلام کی تصنیفوں میں سے کئی ہزار تصنیفات خرید کر قسطنطنیہ سے ہالینڈ لے گیا، اور اسی مجموعہ میں علماء اسلام میں سے تبریزی ابن الجوالیقی، مقریزی، حافظ السنائی، عماد الکاتب، اور عبد اللہ بن الحساب النحوی کے ہاتھوں کی لکھی ہوئی تحریریں موجود تھیں، یہ ذخیرۂ کتب لیڈن (ہالینڈ) کے مشہور کتب خانہ کیلئے جو اس وقت دنیا کے بڑے سے بڑے عربی کتبخانوں میں ہے، پہلا ابر کرم تھا، لیڈن کا یہی وہ کتب خانہ ہے جس کے زیر اہتمام یورپ اور خصوصاً مطبع بریل سے اکثر عربی کتابیں طبع ہو کر شایع ہوتی رہتی ہیں، اور یہی وجہ ہے کہ یورپ کی مطبوعہ کتابیں التزام صحت کے لحاظ سے خاص امتیاز رکھتی ہیں،،

پھر مملکت ترکیہ میں انقلاب حکومت کا تذکرہ کر کے لکھتا ہے،،کمالیوں کے درمیان جب نظام سلطنت پر مباحثے شروع ہوئے تو کتبخانوں کا مسئلہ بھی زیر بحث آیا، اس سلسلہ میں سب سے پہلے یہ طے ہوا کہ کتبخانوں کی جانچ پڑتال کر کے کتابوں کے اعداد و شمار حاصل کئے جائیں، چنانچہ یہ کام ڈیڑھ سال میں اختتام کو پہونچا، اسکے بعد یہ رائے قرار پائی کہ تمام کتابوں کی دو قسمیں کی جائیں، پہلی قسم کی وہ کتابیں ہیں جن کے مطالعہ کی عام طریقہ سے ضرورت پیش نہیں آتی، ایسی کتابوں کے نظام کا فیصلہ آئندہ کے لئے انتظار کیا جائے، دوسرے وہ کتابیں ہیں جن کی اوبا و طلبہ کو آئے دن ضرورتیں رہتی ہیں، ایسی تمام کتابوں کے متعلق فیصلہ کیا گیا کہ وہ یونیورسٹی قسطنطنیہ کے کتب خانہ سے ملحق کر دی جائیں،، اس کے بعد قسطنطنیہ یونیورسٹی کے کتب خانہ میں کتابوں کے ذخیرے کا

تذکرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے،

"اب یونیورسٹی کا یہ کتب خانہ متعدد خزائن کتب کا مجموعہ ہے"

۱- جو مدارس، قسطنطنیہ یونیورسٹی سے ملحق ہیں، ان سب کے تمام کتبخانے یونیورسٹی کے کتبخانہ سے ملحق کر دیئے گئے ہیں، ان کتب خانوں کی اکثر کتابیں زبان ترکی اور یورپ کی دیگر زبانوں میں زمانۂ حال کے مصنفین کی ہیں،

۲- سلطان عبد الحمید خاں کا وہ بیش بہا کتبخانہ مع سامان آرائش (فرنیچر) کے اس میں منتقل کر دیا گیا ہے، جو پہلے قصر یلدز میں قایم تھا، قصر یلدز کی کتابوں کی تعداد ۲۵ ہزار ہے، جنمیں عبد الحمید خاں کے عہد حکومت کی تمام مطبوعہ کتابیں ہیں، اور بعض نادر و نایاب قلمی کتابوں کا بھی ذخیرہ ہے جو اپنے حسن کتابت کے لحاظ سے بہت زیادہ ممتاز ہیں، اور نیز اس میں تاریخ عثمانی سے متعلق صدہا دستاویزات اور معاہدے محفوظ ہیں، اسی طرح اس میں وہ تمام قیمتی کتابیں ہیں جنھیں مختلف حکومتوں نے سلطان عبد الحمید کو ہدیۃً بھیجی تھیں،

۳- تقریباً چالیس ہزار ایسی کتابیں ہیں جو قسطنطنیہ یونیورسٹی کو سویزرلینڈ اور مصر کے بعض ترک رئیسوں نے ہدیۃً بھیجی ہیں،

۴ کتبخانوں سے متعلق جمہوریہ ملیہ کے فیصلہ کے مطابق قسطنطنیہ کے متعدد کتبخانوں سے وہ سب کتابیں یہاں بھیج دی گئی ہیں، جن سے اہل علم اکثر مستفید ہوتے رہتے ہیں، جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا، لیکن ان کتابوں کی تعداد اور ان کی نوعیت معلوم نہ ہونے کی وجہ سے اس وقت انکی قیمتوں کے متعلق کوئی فیصلہ نہیں کیا جا سکتا، گرچہ فی نفسہ ان کتابوں کا قسطنطنیہ کی بہترین کتابوں میں شمار ہے، جیسا کہ سب سے پہلے بیان کیا جا چکا ہے،

غرض یونیورسٹی کا کتب خانہ اپنی روز افزوں ترقی پہ ہے اگر ترقی کی یہی رفتار رہی تو امید ہے کہ اس کا مجموعی ذخیرہ جلد از جلد ایک لاکھ پچھتر ہزار تک پہونچ جائیگا، اور اس وقت بھی قسطنطنیہ میں فرانسیسی زبان کی تمام مطبوعات برابر آتی رہتی ہیں، جو اسی کتبخانہ سے ملحق کر دی جاتی ہیں "

پھر مقالہ نگار تنظیم کتب خانہ کے سلسلہ میں لکھتا ہے،

"گذشتہ سال قسطنطنیہ سے ایک نوجوان ترک فہمی بک کو یونیورسٹی سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد کتبخانوں کی تنظیم کا فن حاصل کرنے کیلئے فرانس بھیجا گیا، فرانس میں فہمی بک پہلے مدرسہ سارت میں داخل ہوئے جہاں علمی اکاڈمی کے طریقہ پر تاریخی عہدنامے اور دستاویز وغیرہ یاد کرائے جاتے ہیں، لیکن یہ مدرسہ انکے حصول مقصد میں معاون نہ ہو سکا اس لئے وہ ایک دوسرے مدرسہ میں منتقل ہو گئے، جسے امریکن اشخاص نے ابھی حال میں پیرس میں قائم کیا ہے، یہ مدرسہ عہدہ داران کتب خانہ کو امریکن طریقہ پر تعلیم دینے کیلئے قائم کیا گیا ہے، اس میں دو طریقوں سے تعلیم دیجاتی ہے، پہلے نظری پھر عملی، تعلیم نظری میں، فن طباعت، تاریخی کتبوں کے حل اور اصول تاریخ پر لکچر دیئے جاتے ہیں، پھر عملی تعلیم کا یہ طریقہ ہے کہ وہاں کے کتبخانہ وطنیہ کبری کی کتابوں کی جو تقریباً تیس لاکھ ہیں، ترتیب و تنظیم سمجھائی جاتی ہے، فہمی بک نے اس مدرسہ میں داخل ہو کر ان علمی و نظری اسباق سے کافی فائدہ اٹھایا، علاوہ ازیں انھوں نے ساربوں یونیورسٹی کے کتبخانہ میں جسمیں تقریباً دس لاکھ کتابیں ہیں اور دیگر کتبخانوں میں جا کر اپنے معلومات میں اضافہ کیا، نیز انھوں نے ان کتبخانوں کی بھی سیر کی جو فرانس میں امریکہ کے طریقہ پر قائم ہیں، کیونکہ امریکہ میں کتبخانوں کی کثرت کی یہ انتہا ہے کہ وہاں تقریباً ہر پرده اور ہر گاؤں میں علحدہ علحدہ کتبخانے قائم ہیں، اور جن گاؤں میں کتبخانے موجود نہیں ہیں انکے لئے سفری کتبخانے قائم ہیں، جو ایک گاؤں سے دوسرے گاؤں میں منتقل ہوتے رہتے ہیں، امید ہر کہ فہمی بک قسطنطنیہ واپس جا کر وہاں کے کتبخانوں کی بہترین اصول پر تنظیم کریں گے،

پھر مقالہ نگار سب سے آخر میں لکھتا ہے "اب آجکل قسطنطنیہ میں یونیورسٹی کے کتبخانہ کی کتابیں شمار کی جارہی ہیں، ساتھ ساتھ ایک جامع فہرست بھی مرتب ہو رہی ہے، لیکن افسوس ہے کہ قسطنطنیہ سے جو نوادر علمی پیشتر ضائع ہو چکے ان کا نعم البدل بڑی سے بڑی مالی قربانی بھی عطا نہیں کر سکتی،،

فرانس شمالی افریقہ میں

موجودہ جنگ ریف و اسپین نے مسلمانوں کے دلوں میں شمالی افریقہ کی یاد دوبارہ پھر تازہ کردی کہ یہی وہ سرزمین ہے جو صدہا برس فرمان روایانِ اسلام کے زیرنگیں رہی، اور جس طرح آج یہ تاریخی خطہ یورپ کی حکم برداری کا جوا اپنے کندھوں پر رکھے ہوئے ہے اسی طرح کبھی اسی سرزمین کی اسلامی حکومتیں اسپین فرانس اور اٹلی کے بعض زرخیز صوبوں پر حکمرانی کرتی تھیں، یا ہے، زمانہ نے اب کروٹ بدلی، اور محمد بن عبد الکریم نے ریف کی پہاڑیوں کی چوٹی پر سے اعلان کیا کہ: غلامی کی مدت ختم ہو چکی اب ریف بھی آزادی کا طالب ہے، امید ہے کہ ریف کی آزادی، پورے شمالی افریقہ کی آزادی کا پیش خیمہ ثابت ہوگی، کہ فطرت، جنگ ریف سے تمام شمالی افریقہ کو آزادی کے حصول کا سبق سکھائے گی، چنانچہ مدیر مجلہ الہلال مصر کا خیال ہے کہ "فرانس غازی محمد بن عبد الکریم سے ریف کے چھوٹے سے ٹکڑے کیلئے نبرد آزما نہیں، بلکہ اب اُسے تمام مقبوضات شمالی افریقہ کی فکر دامنگیر ہے، اسی مناسبت سے مدیر مجلہ الہلال مصر نے جنوری کے پرچہ میں فرانس کے مقبوضات شمالی افریقہ کے حالات پر ایک مقالہ لکھا ہے جسمیں الجزائر، ٹیونس اور مراکش کے نظام حکومت، طریقہ تعلیم، اور دیگر ملکی حالات پر مفصل اعداد و شمار کے ساتھ روشنی ڈالی ہے جس سے واضح ہوتا ہے کہ فرانس، شمالی افریقہ پر مستحکم قدم جمانے کیلئے کس حکمت عملی سے آہستہ آہستہ تمام شمالی افریقہ کو اپنی خو بو میں رنگ رہا ہے، ذیل میں اسی مقالہ کی پوری تلخیص درج کی جاتی ہے،

الجزائر

الجزائر بحر ابیض متوسط کے کنارے تقریباً ... کلومیٹر (ایک کلومیٹر ۱۰۰۰ گز کا ہوتا ہے) میں پھیلا ہوا ہے، اس کے شمالی سلسلۂ کوہستان میں قبائل بربر سکونت پذیر ہیں جو اس وقت تک اپنی قومی اور وطنی روایات سنبھالے ہوئے ہیں، اور اس کے جنوب میں عرب اور بربری قبائل رہتے ہیں، اس وقت یہ پورا اسلامی خطہ فرانس کے زیر حکومت ہے، الجزائر کو اس لحاظ سے خاص امتیاز حاصل ہے کہ اس کا ایک نمایندہ فرانسیسی

پارلیمنٹ میں بھی منتخب کیا جاتا ہے، اہل جزائر کے اجتماعی طرز بود و باش میں آہستہ آہستہ فرانسیسیوں کے طرز زندگی کا رنگ غالب ہوتا جاتا ہے، ان کے مدارس میں ابتدائی تعلیم بھی فرانسیسی زبان میں ہوتی ہے،

الجزائر کو چار اضلاع میں تقسیم کیا گیا ہے، ایک "الجزائر" ہے جس میں ۵۰۰۰۰۰ باشندے ہیں، دوسرا "قسطنطنیہ" ہے جسکی آبادی ۱۴۲۵۱۶۲ ہے، تیسرا "وہران" ہے اس کے باشندوں کی تعداد ۱۰۵۰۱۴۰۱ ہے اور چوتھا ضلع جنوبی آبادی پر مشتمل ہے اس کی مردم شماری ۴۴۰۶۴۴۵ تک پہونچتی ہے، اس طرح الجزائر کی مجموعی آبادی تقریباً ساٹھ لاکھ ہے، لیکن یہ سب کے سب وہاں کے خاص باشندے یعنی قبائل عرب، بربر اور زنگی نہیں ہیں کیونکہ ساٹھ لاکھ میں سے تقریباً دس لاکھ یورپین ہیں گویا وہاں ہر چھ میں ایک یورپین ہے،

وہاں کا نظام حکومت، فرانس کے نظام حکومت کے مثل ہے صرف فرق یہ ہے کہ وہاں ایک فرانسیسی حاکم مقرر ہوتا ہے جس کے ماتحت ایک "مجلس اعلیٰ" ہوتی ہے جو ۶۰ ارکان سے مرکب ہوتی ہے ان میں سے ۳۱ ارکان عام انتخاب کے ذریعہ منتخب ہوتے ہیں اور باقی ارکان، حکومت کی طرف سے نامزد کئے جاتے ہیں، یہی "مجلس اعلیٰ" نظام حکومت میں حاکم الجزائر کی معاون ہوتی ہے اور اسی کے ذریعہ اہم قرار دادیں منظور ہوتی رہتی ہیں، اس مجلس کے علاوہ ایک دوسری مجلس بھی ہے جو مالی ارکان سے مرتب ہوتی ہے، یہ ارکان تجارتی و مالی انجمنوں کی طرف سے منتخب ہوتے ہیں، گورنر جنرل بجٹ کی منظوری میں اس مجلس سے مشورہ طلب کرتا ہے، سنہ ۱۹۱۹ء کے پہلے تک فرانسیسیوں پر ٹیکس لگانے میں چند خاص رعایتیں رکھی گئی تھیں لیکن سنہ ۱۹۱۹ء سے یہ امتیاز مٹا کر فرانسیسیوں اور ملکی باشندوں میں مساوات پیدا کر دی گئی،

الجزائر کے مدرسے فرانسیسی طرز تعلیم پر جاری ہیں، وہاں صرف ایک یونیورسٹی ہے جس سے الجزائر کے تمام مدرسے ملحق ہیں، ان مدرسوں میں تعلیم کے تین درجے قائم ہیں، اول ابتدائی پھر درجہ ثانوی اور پھر درجہ عالی، ان تمام مدرسوں میں ذریعہ تعلیم فرانسیسی زبان ہے،

عام باشندے زراعت پیشہ ہیں، ہر قسم کے غلہ کی زراعت ہوتی ہے، زمینوں کے باغ بھی کثرت سے

ہیں، اس کے وقت ایک کرور تیس لاکھ سے زیادہ ہوں گے،

ٹیونس

ٹیونس، الجزائر کے مشرق میں واقع ہے، یہ اس وقت فرانسیسی حکم برداری میں ہے، یہاں کی آبادی ۱۹۲۱ء کی مردم شماری کے لحاظ سے ۲۰۹۳۹۴۰ ہے جسمیں ۸۴۷۹۹ اٹلی کے باشندے ہیں، ۵۴۴۷۶ فرانسیسی اور ۱۳۵۲۰ مالٹا کے رہنے والے ہیں، ٹیونس میں باشندگان اٹلی کی کثرت تعداد ایک ایسا معمہ ہے جسے آج تک فرانسیسی بھی نہ حل کر سکے، اسی کثرت تعداد کی بنا پر فرانسیسیوں اور اٹلی والوں میں اقتصادی منافع کیلئے ہمیشہ چشمک رہتی ہے، شاہ ٹیونس یہاں کا موروثی بادشاہ ہے لیکن وہ فرانسیسی رزیڈنٹ کے اشارہ پر چلنے پر مجبور ہے، اسی فرانسیسی رزیڈنٹ کے ہاتھ میں عنان حکومت، امور خارجیہ اور فوجی نظم ونسق ہے، اور یہی مجلس الوزراء کا صدر بھی ہوتا ہے،

ٹیونس کے مدارس میں دو زبانوں میں تعلیم دیجاتی ہے، ایک عربی میں ہے جو بچوں کو ابتداءً پڑھائی جاتی ہے، اس کے لئے ۱۲۴۵ مکتب خانے قائم ہیں جنمیں تقریباً ۲۰۰۰۰ طلبہ پڑھتے ہیں، اور دوسری فرانسیسی زبان کی تعلیم ہے، اس کے ۱۸۰ مدارس ہیں جنمیں ۵۱۵۰ طلبہ زیر درس ہیں،

الجزائر اور ٹیونس کے اصلی باشندے مسلمان ہیں، لیکن ٹیونس میں ان عربوں کے درمیان ۳۵۰۰۰ عیسائی بھی وطن پذیر ہیں، یہاں کے باشندے بھی زراعت پیشہ ہیں، جو زیادہ تر غلہ اور انگور وغیرہ کی زراعت کرتے ہیں، یہاں کی عام برآمد یہ ہے جو اسی ترتیب کے ساتھ زیادہ ہوتی ہے، زیتون کا تیل، مختلف غلے،

مراکش

مراکش بھی فرانسیسی حکم برداری میں ہے، صرف شمال میں ایک چھوٹا سا ٹکڑا اسپین کے ماتحت ہے اسی شمالی ٹکڑے میں بلاد ریف واقع ہے، جو اس وقت محمد بن عبد الکریم کے زیر قیادت فرانس اور اسپین سے نبرد آزما ہے، باقی رہا طنجہ تو وہ اس وقت بین الاقوامی ہے، مراکش کا نظام حکومت بھی ٹیونس کے

مانند ہے، کیونکہ سلطان مراکش بھی موروثی حاکم ہیں، اور ٹیونس کی طرح یہاں کا نظم حکومت بھی فرانسیسی ہائی کمشنر کے ہاتھ میں ہے جو نہ صرف داخلی حکومت میں دخیل ہے بلکہ مراکش کے تمام امور خارجیہ اسی سے متعلق ہیں، اس لحاظ سے یہ وزیر خارجیہ کا بھی قائم مقام ہے، اسی طرح فوج پر بھی اسے پورا تسلط ہے، اور جنگی بیڑے کی عنان بھی اپنے ہاتھ میں رکھتا ہے، سلطان مراکش کے لئے یہ ناممکن ہے کہ اس کی مرضی کے خلاف ادنیٰ سے ادنیٰ قانون بھی نافذ کر سکیں، یہاں چار وزارتیں قائم ہیں ایک وزارت کبریٰ امور داخلیہ کے لئے، دوسری وزارت عدل، تیسری وزارت اوقاف کے انتظام کے لئے، اور چوتھی وزارت حکومت کی آراضی خاص کی دیکھ بھال کے لئے قائم ہے، فرانسیسی ہائی کمشنر اس مجلسِ حکومت کی معاونت کرتا ہے جو مہینہ میں ایک مرتبہ اپنا اجلاس کرتی ہے، یہ مجلس حکومت وزرار اور فرانسیسی حکم برداری کے مقرر کردہ جلیل القدر عہدداروں اور تجارتی مجالس کے نمایندوں سے مرتب ہے،

مراکش کی کوئی مکمل مردم شماری اس وقت تک دستیاب نہ ہو سکی لیکن فرانسیسی خطۂ مراکش کی آبادی تقریباً ..... ۵۰ ہے، البتہ بعض شہروں کی مردم شماری کے اعداد و شمار مل گئے ہیں، جو ذیل میں درج کئے جاتے ہیں،

نام شہر	مراکشی	فرانسیسی	اسرائیلی
فاس،	۶۰۶۳۹	۱۸۹۱	۶۷۸۴
مراکش،	۱۲۶۸۷۵	۱۴۹۴	۱۱۰۴۳
دارالبیضا،	۴۸۸۹۰	۱۹۰۹۸	۱۳۰۱۰
مکناسہ،	۲۸۲۷۶	۱۸۶۳	۵۸۶۳

اس نقشہ سے واضح ہوتا ہے کہ فرانسیسی زیادہ سے زیادہ تعداد میں مراکش میں وطن پذیر ہوتے جاتے ہیں، یہاں تک کہ اس وقت ملک کے اندرونی حصوں میں بھی داخل ہو گئے،

سنہ ۱۹۲۱ء میں مراکش کے مدرسوں کے اعداد و شمار شائع ہوئے تھے، ان سے معلوم ہوا کہ وہاں ۸ مدرسے میں خاص فرانسیسی زبان میں تعلیم دیجاتی ہے، ۵ مدارس ایسے ہیں جہاں فرانسیسی زبان میں تعلیم دیجاتی ہے، اور ۲۴ مدرسوں میں فرانسیسی اور اسرائیلی زبان ہے،

یہاں کے باشندے بھی زراعت پیشہ ہیں، یہاں کی اہم برآمد جو اسی ترتیب زیادہ ہوتی ہے، یہ ہے انڈے، السی، چمڑا، لوبیا، بادام، اور جو،

اخبار علمیہ

مصر میں تعلیمی جدّوجہد، مصر کے مدارس اور طلبہ کے آخری اعداد و شمار سے واضح ہوتا ہے کہ مدارس مصر کے سال سنہ ۱۹۲۴ء سنہ ۱۹۲۵ء میں تمام قسم کے مدارس کی مجموعی تعداد ۷،۵۳۴، اور وہاں کے طلبہ کی تعداد ۱۶۱۴۶۳ تھی، اگر ان اعداد و شمار کا آج سے تین سال پیشتر یعنی سنہ ۱۹۲۱ء سنہ ۱۹۲۲ء سے موازنہ کیا جائے تو ان تین سالوں میں مدارس میں ۱۶ فیصدی اور طلبہ میں ۲۴ فیصدی کا اضافہ ثابت ہوگا،

اس مجموعی تعداد میں سے قاہرہ میں ۱۱۸ مدارس ہیں جنمیں اس وقت ۱۲۴۲۵۳ طلبہ زیر درس ہیں، اور اسکندریہ میں ۵۵۳ ہیں جہاں ۵۶۱۱۶ طلبہ ہیں، دیگر اضلاع میں سے غربیہ میں ۱۲۰۱ مدارس منوفیہ میں ۶۶۴، دقہلیہ میں ۱۶۵۰، اور شرقیہ میں ۵۱۵ مدرسے ہیں،

مشرق کی بیداری، مغرب کے ارباب فکر میں یہ سوال آجکل بہت زور شور سے زیر بحث ہے کہ کیا مشرقی ممالک کا موجودہ ہیجان اسکی حقیقی بیداری کے ہم معنی ہے؟ چنانچہ ولایات متحدہ امریکہ میں ایک سیاسی انسٹیٹیوشن، ولیمسن انسٹیٹیوشن کے نام سے قائم ہے، جو حکومت کے مشکلات پر انسان کے حاوی ہوجانے کے ذرائع سوچنے کے لیے قائم کیا گیا ہے، اس نے ابھی سب سے آخر میں ایک کتاب "مشرق کی بیداری" کے موضوع پر شائع کی ہے، جس میں چند ایسے ماہرین کے نتائج افکار ہیں جنھیں امور مشرقیہ میں کافی دستگاہ حاصل ہے، منجملہ ان کے انگلستان کے مشہور اہل قلم سر الٹن شرول کا بھی ایک مضمون ہے، جس میں انھوں نے مصر اور ہندوستان پر اپنے خیالات ظاہر کئے ہیں اور بدلائل ثابت کیا ہے کہ مشرق کی موجودہ بیداری حقیقی بیداری ہے، اور ساتھ ہی ساتھ اہل مغرب کو متنبہ کیا ہے کہ اب مغرب، مشرق کا گلا گھونٹنے سے عاجز آچکا ہے، اسلیے ارباب سیاست

خصوصاً امریکن اشخاص کو چاہئے کہ وہ مشرق کی اس بیداری کو حقیقی اور معنوی بیداری سمجھنے کی کوشش کریں"۔

اس کتاب میں ایک فصل جاپان کے اہل قلم مسٹر تروسینی کے قلم سے بھی شائع ہوئی ہے، ان کا خیال ہے کہ "مشرق ابھی پوری طرح بیدار نہیں ہوا ہے لیکن ہاں یہ یقین ہے کہ عنقریب بیدار ہو کر رہے گا"

شمالی یورپ میں اسلامی سکے، ڈاکٹر جارج یوگوپ کا بیان ہے کہ ۱۸۳۲ء میں جزیرہ آئس لینڈ میں چند اسلامی سکے پائے گئے تھے، اسی طرح قطب شمالی کے قریب جزیرہ گرین لینڈ میں بھی پائے گئے تھے، اسی طرح یورپ کے شمالی حصہ خصوصاً روس، جرمنی، اور سوئڈن میں اسلامی سکے کے متعدد خزانے دستیاب ہوئے تھے، لیکن یہ ابھی تک حل نہ ہوسکا کہ یہ اسلامی سکے یہاں تک کیسے پہنچ گئے، ۱۸۷۸ء میں پروفیسر ٹرنبرگ نے بلاد سوئڈن کے ان مقامات کو شمار کیا تھا جہاں عربی سکے برآمد ہوئے تھے تو ان مواضع کی مجموعی تعداد ۲۹ تک پہنچی تھی، اور ۱۸۸۳ء میں ڈاکٹر ہانس ہلڈ براند نے چاندی کے ان تمام عربی سکوں کو جو جزیرہ جٹ لینڈ میں دستیاب ہوئے تھے، شمار کیا تو وہ ۱۳ ہزار سے زیادہ تھے، اس سلسلہ میں ایک حیرت انگیز اطلاع یہ ہے کہ بلغاریہ، جرمنی، ناروے، انگلستان کے ایسے بہت سے سکے برآمد ہوئے ہیں جن پر نہایت خوبصورت کوفی خط میں نقوش کندہ تھے،

ہوا سے نٹروجن کا حصول، نٹروجن تمام عناصر میں ایک نہایت اہم عنصر ہے، یہ زراعت کیلئے نہایت کارآمد ہوتا ہے، مصر میں نٹروجن کے مرکبات گیہوں اور باجرا کے کھیتوں میں کھاد کے طور پر استعمال کئے جاتے ہیں، اس لئے مصر کے کاشتکار نٹروجن کو زراعت کی ضروریات میں جنوبی امریکہ سے شلی کے روانہ کرنے سے پہلے بھی استعمال کرتے تھے، کیونکہ ان اطراف میں دریا کے ساحلوں پر ایسے پرندے پائے جاتے ہیں، جنکی بیٹ میں نٹروجن کے اجزاء موجود ہوتے ہیں، یہی بیٹ کاشتکاروں کو بھیجی جاتی ہے، جو کھاد کے کام میں آتی ہے، لیکن اب یہ بیٹ باوجود اپنی کثیر مقدار کے ختم ہونے کے قریب ہے، اس لئے ماہرین کیمیا نے ایسے طریقے نکالے ہیں جن سے

کسی دوسری جگہ سے نٹروجن کے مرکبات حاصل کئے جا سکتے ہیں، یہ معلوم ہے کہ نٹروجن کا بڑا حصہ ہوا میں پایا جاتا ہے کیونکہ یہ خیال کیا جاتا ہے کہ ایک میل مربع زمین کے بالائی حصہ پر ہوا میں بیس کروڑ ٹن نٹروجن پایا جاتا ہے، لیکن اس کے ہوا میں ہونے کی وجہ سے اس سے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا سکتا اس لئے ماہرین کیمیا نے اسے ہوا سے اتارنے کے دو طریقے دریافت کئے ہیں، اور آج یورپ میں انھیں طریقوں پر عمل درآمد ہے۔

پہلا طریقہ یہ ہے کہ پہلے ایک نہایت سخت کہربائی کمان تیار کی جاتی ہے، پھر اس میں ہوا داخل کی جاتی ہے، اس طریقہ سے نٹروجن کے اجزا ہوا سے علحدہ ہو کر کہربائی طاقت کی بنا پر اس کمان میں ثبت ہو جاتے ہیں، اور دوسرا طریقہ یہ ہے جو عام طریقہ سے معلوم ہے کہ جب نٹروجن اور ہائیڈروجن ایک ساتھ ملا کر گرم کئے جاتے ہیں تو ان سے ایک نٹروجن کا مرکب تیار ہوتا ہے جسے امونیہ کہتے ہیں اور یہ امونیہ ہیڈروجن اور نٹروجن میں تھوڑا سا لوہا ملا دینے سے جلد از جلد تیار ہو جاتا ہے، اس طرح تھوڑے سے نٹروجن سے اسکی کثیر مقدار حاصل ہو جاتی ہے اس وقت انھیں دو طریقوں سے یورپ کے کارخانوں میں نٹروجن حاصل کیا جاتا ہے، اور خصوصاً جرمنی میں آجکل ان طریقوں پر نہایت زور و شور سے عمل درآمد ہو رہا ہے، کیونکہ دول حلفا نے جرمنی میں جنوبی امریکہ سے نٹروجن کے داخلہ کی ممانعت کر دی ہے، اس لئے وہ ان طریقوں کو کام میں لانے پر مجبور ہوئے چنانچہ اس وقت جرمنی کے بہتے کارخانوں اور دیگر ضروریات میں انھیں طریقوں سے حاصل کیا ہوا نٹروجن صرف کیا جا رہا ہے،

انگلستان اور فرانس میں تعلیمی اخراجات کا موازنہ، بیان کیا جاتا ہے، کہ اگر فرانس میں مقیم رہکر ایک سال کے تعلیمی اخراجات کیلئے ۱۵۰ پونڈ کافی ہوتے ہیں، تو انگلستان میں ۲۰۰ پونڈ چاہئیں، کیا انگلستان کے دعوی اشاعتِ تعلیم کا یہ مزید ثبوت نہیں ؟،

ایک جدید آلہ، امریکہ میں ابھی حال میں ایک ایسا آلہ ایجاد ہوا ہے جو اپنی ظاہری شکل وصورت اور معنوی حیثیت سے بالکل ہاتھ کے مشابہ ہے، کیونکہ دیکھنے میں اس آلہ کی شکل ایسی ہے کہ گویا وہ انسان کا ایک ہاتھ ہے جسمیں پانچ تپلی تپلی انگلیاں بھی لٹک رہی ہیں، سردست اس آلہ کا یہ کام ہے کہ اس میں بوتلیں اور شیشیاں ڈال دی جاتی ہیں، وہ پہلے ان بوتلوں پرلیبل لگاتا ہے پھر انھیں کاگ سے بند کردیتا ہے، اس کے بعد اسی کاگ پر اپنے کارخانہ کی مہر ثبت کردیتا ہے، یہ تمام کام صرف اسی آلہ سے بہت جلد انجام پاجاتے ہیں، اس طرح صرف ایک مختصر سا آلہ دس مزدور کے عوض جلد از جلد کام کرتا ہے،

نئی کتابیں کیوں بکتی ہیں؟ لندن کی کسی بک ایجنسی نے فسانہ کی ایک کتاب شائع کی، جب اسکے تمام نسخے فروخت ہوچکے تو اس نے اس کے خریداروں میں سے ۴۲۷۱ اشخاص کے نام خطوط بھیجکر ان سے اس کتاب کی خریداری کا سبب دریافت کیا، ان خریداروں نے جس جس نوعیت کے جوابات دیئے ان کے اعداد وشمار یہ ہیں:- ان میں سے ۱۱۶۱ اشخاص نے یہ بیان کیا کہ انھوں نے اپنے احباب سے اس کتاب کی تعریفیں سنیں اور انھیں کے مشورہ پر ایجنسی سے کتابیں طلب کیں، ۸۰۴ خریداروں نے اس کتاب پر مختلف رسائل میں تنقیدیں پڑھکر اسے خریدا، ۴۱۱ خریداروں نے مختلف رسائل میں اس کتاب کے اقتباسات دیکھے تھے، ۱۷۰۶ اشخاص نے اس لئے خریدا کہ وہ اسی مصنف کی دوسری کتابیں پڑھ چکے تھے جو انھیں پسند آئی تھیں، ۴۸ آدمیوں نے یہ بیان کیا کہ وہ اس فسانہ کو پہلے کسی رسالہ میں بالاقساط دیکھ چکے تھے، اس لئے اس کی طباعت کے بعد اسے مسلسل دیکھنے کا شوق پیدا ہوا، اور صرف ۲۲ اشخاص تے اس لئے وہ کتاب خریدی کہ وہ ملک کی ادبی جدوجہد سے ہمیشہ واقف رہنا چاہتے ہیں، شاید یہ اعداد وشمار ہندوستان کے کتب فروشوں کے لئے سودمند ثابت ہوں،

تحفۂ گرامی،

جناب شیخ غلام قادر صاحب گرامی منصبدار سرکار نظام دکن خلد اللہ ملکہٗ

در فقر نہفتہ اند میری　　از گرسنگی چکیدہ سیری

ما شکوہ فروش و سست عہدیم　　تو زود نواز و دیر گیری

اللہ اللہ چہ بے مثالی،　　سبحان اللہ چہ بے نظیری

کارے ز عبودیت کشاید　　آزادی ماست در اسیری

دی پیر طریقتم چہ خوش گفت　　اے دوست بمیر تا نمیری

یکچند نشیں بمسند فقر،　　برخیز ز خواجگی و میری

از دہر دو رنگ رخت بستیم　　ہیچ است چہ طفلی و چہ پیری

یک عشوہ چہ اوّل و چہ آخر　　یک فتنہ چہ زودی و چہ دیری

آن نکتہ کہ از خودم برآورد　　برخورد بگوشم از نظیری

ہر دیدہ و خواندہ شد فراموش　　الّا تو ندیدہ در ضمیری،

ازیک خم و یک قدح مے ناب
خوردند گرامی و نظیری،

مکالمہ

(غازی مصطفی کمال و مہاتما گاندھی)

از

پروفیسر محمد اکبر صاحب منیر ملتان کالج

(مصطفےٰ کمال)

اے مردِ حق شناس و حق اندیش و حق پرست! روشن جبین تست ز انوار ِ بہتری
هم بت پرست ہستی و ہم بت شکن شدی شد جمع در تو رسم خلیلی و آذری
صد آفریں بہ ہمتِ مردانہ وار تو خواہی کہ ملتے برہانی ز چاکری
خوانی حدیثِ مہر و محبت مسیح وار تن میدہی بر نج بعزم پیمبری
ایں تار و پود فلسفہ لیکن نمی برد زنجیر ہائے بندگی و بندہ پروری
شرع مسیح باز ز افرنگ یاد گیر تا بر کنی اساس تزاری و قیصری
خورشید وار آے بہ شمشیر آبدار تا پردہ ہائے ظلمت شب راز ہم دری

ایں درد را بہ فلسفہ درماں نمی شود،
ایں کار جز بہ خنجر براں نمی شود،

(گاندھی)

اے ترک شیر دل! دم تیغ تو برق وار آتش زند بہ خرمنِ جور و ستمگری
اے افتخار شرق! بہ تدبیر و رای خویش دادی بہ ترک باز شکوہ سکندری
آری عصائے موسوی باید کہ تا کسے باطل کند طلسم اباطیل سامری

دانم کہ لازم است سر نیزہ بہر حق، اے مرد پاکباز اچرا پردہ می دری؟

برمردمان سُست عناصر دلم بسوخت خوں جوش زد چو چشمۂ خورشید خاوری

خواہم کہ رُوح تو بدمم در دیار ہند تا گردنم ز خون جہانے بود بری

آں ملتے کہ باز نماند ز حرف حق حقا کہ ہست در خور دیہیم سروری

کلک و زباں چو تیغ و سناں است بہر مرد زافرنگیاں بخواندہ ام ایں طرفہ داوری

ترسم کہ کار کلک و زبان چون بجاں رسد

نوبت بہ تیر و توپ و تفنگ و سناں رسد

کلام شاد

از خان بہادر سید علی محمد خاں شاد عظیم آبادی،

ادھر بھی کاش اکدن وہ سراپا ناز آنکلے کبھی ہم سے غریبوں کے بھی دل کا حوصلہ نکلے

کہاں تاب و تواں اک عمر کا ہجراں کشیدہ ہوں بہ آسانی دم اپنا اپنے تن سے اے خدا نکلے

عدم میں آگے بھی خوف و رجا ہمراہ ہیں اپنے ہنوز آلودہ ہیں نکلے بھی دنیا سے تو کیا نکلے

در و دیوار کی الفت نے بے خود کر دیا سب کو تہے مہماں بہ مشکل تجھ سے لے مہماں سرا نکلے

عدو تک کی بھی خواہی ہے مقصود باطن میں بہ ظاہر ہو زباں پر بد دعا دل سے دعا نکلے

چھری چلتی ہے یارب انتظارِ قتل میں دل پر گھٹا جاتا ہے دم کب دیکھئے تیغِ قضا نکلے

وہ آنکھیں ہیں کہاں جن سے کھلے سب رازِ عالم کا تماشا دیکھنے بے کار اس میلے کا آنکلے

پلٹ کر پھر نہ پوچھا شاد جیتا ہے کہ مرتا ہے،

وفادار و ا عدم میں جاکے تم بھی بے وفا نکلے،

باب التقریظ والانتقاد

مآثر صدیقی

موسوم بہ

سیرت والاجاہی

مصنفہ

صفی الدولہ حسام الملک نواب علی حسن خان بہادر

ہندوستان کی سرزمین نے جو مشاہیر علما پیدا کئے ان میں نواب صدیق حسن خان مرحوم کی ذات مختلف حیثیات کی جامع تھی، اور ان تمام حیثیات کے نمایاں کرنے کے لیے اونکی ایک ضخیم سوانحعمری کی ضرورت تھی، اسی لحاظ سے ان کے خلف الرشید نواب علی حسن خان بہادر نے چار حصّون مین اون کے حالات لکھے ہیں، اور ہر حصّے مین اون کی مختلف حیثیات وخصوصیات کے متعلق نہایت مستند معلومات جمع کئے ہیں، نواب صدیق حسن خان مرحوم نسبًا سادات حسینی سے تعلق رکھتے تھے، جو سادات بخاری کے نام سے مشہور ہے، اور اس کا سلسلہ ۳۴ واسطون سے جناب رسالت مآب صلعم تک منتہی ہوتا ہے، اسلئے مصنف نے پہلے حصّے میں اون کے تمام آبا و اجداد کے جو غالبًا صلحا، اور خیار قوم سے تھے حالات لکھے ہیں اور اس تقریب سے اور بہت سے بزرگوں کے حالات اردو زبان میں آگئے ہیں جو عام مسلمانوں کے علاوہ خاص طور پر ان سادات کے مطالعہ کے قابل ہیں جنکا سلسلہ نسب انہیں سے کسی بزرگ کے ساتھ وابستہ ہے، دوسرے حصّے میں ابتدائے

ولادت سے خود نواب صاحب کے سوانح شروع ہوئے ہیں، جنکا آغاز طالب العلمی سے ہوا ہے، اور اسی سلسلے میں اس دور کے بہت سے علماء و فضلاء کے حالات اور ان کی علمی صحبتوں کا ذکر بھی آگیا ہے، جو غدر کے پس و پیش زمانہ میں تھے، اس کے بعد رفتہ رفتہ انھوں نے ایک رئیس کی حد تک جسطرح ترقی کی ہے اسکی تفصیل کی ہے اور اس سلسلے میں بھوپال کی سیاسی تاریخ کے متعلق بہت سے اہم واقعات آگئے ہیں جو خاص طور پر دلچسپ ہیں،

تیسرے حصے میں ریاست بھوپال کے تمام انتظامی صیغوں کی تفصیل کیگئی ہے، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ نواب صاحب کے زمانے میں ریاست کے تمام کاروبار میں مذہب کا اثر کس قدر سرایت کر گیا تھا، مثلاً صیغۂ مذہبی، صیغۂ احتساب، محکمۂ زکوٰۃ، محکمۂ مساجد وغیرہ متعدد محکمے قائم تھے، جنکے فرائض جدا جدا تھے، علمی حیثیت سے بھی ریاست نے انتہائی ترقی کی تھی، متعدد دینی و دنیوی مدارس قائم تھے، اور کتاب و سنت کے احیاء کا خاص انتظام تھا، متعدد مطابع اور کتب خانے بھی تھے، جنکا حال مصنف نے تفصیل کیساتھ لکھا ہے، نواب صاحب مرحوم کے دورِ حیات کا سب سے آخری اور سب سے اہم واقعہ انتزاعِ خطاب و سلبِ اختیارات کا ہے، مصنف نے اس کے تمام وجوہ و اسباب کی تفصیل کی ہے، اور ساتھ ساتھ اُن کے جوابات بھی دیئے ہیں جو نہایت غور و فکر کے ساتھ پڑھنے کے قابل ہیں، نواب صاحب مرحوم کی وفات پر اس حصے کا خاتمہ ہوگیا ہے اور اس کے بعد چوتھا حصہ شروع ہوا ہے، جس میں ان کے عقائد، عبادات، اخلاق و عادات، معمولات و وصایا اور اُن کی علمی خدمات کی تفصیل کیگئی ہے،

اس حسن ترتیب کے ساتھ کتاب نہایت مستند ماخذوں سے لکھی گئی ہے، اولاً تو نواب صاحب مرحوم نے اپنے حالات اپنی مختلف تصنیفات مثلاً اتحاف النبلاء، حطہ بذکر الصحاح الستہ، ابجد العلوم، حظیرۃ القدس، ریاض المرتاض وغیرہ میں خود لکھے ہیں، دوسرے تاج الاقبال تاریخ بھوپال، اور تہذیب النسوان میں خود نواب شاہ جہاں بیگم صاحبہ نے ان کے اکثر حالات درج کئے ہیں، اور مختلف لوگوں نے اپنی تالیفات میں ان کے حالات لکھے ہیں، اگرچہ ایک اجنبی شخص بھی ان ماخذوں سے ان کے حالات لکھ سکتا تھا، لیکن ان کے

علاوہ اور بہت سے حالات دفتر ریاست کے کاغذات، سرکاری تحریرات اور ان کی قلمی بیاضوں سے اخذ کئے جاسکتے تھے، اور اس قسم کے ماخذ مصنف کے علاوہ کسی اور کو دستیاب نہیں ہو سکتے تھے، اور ہم خوش ہیں کہ انھوں نے نہایت سلیقہ کے ساتھ ان تمام ماخذوں سے کام لئے ہیں جابجا حوالے بھی دیئے ہیں اور ان مختلف الانواع معلومات کو نہایت خوبی کے ساتھ اپنے اپنے موقع پر کھپایا ہے، اور معلومات کے اس تنوع نے کتاب کو ہر مذاق کے لوگوں کے لیے نہایت دلچسپ بنادیا ہے، اور مذہبی، علمی، سیاسی ہر ذوق کے لوگ اس میں اپنی دلچسپی کا کافی مواد پا سکتے ہیں، خصوصاً وہ بزرگ جو ہندوستان میں کتب احادیث اور مذہب اہل حدیث کی اشاعت کی تاریخ جاننا چاہتے ہیں، عبارت کی چاشنی، اور موقع بموقع اساتذہ کے اشعار مصنف کی پختہ قلمی اور ادب فارسی پر عبور کامل کا پتہ دیتے ہیں،

ان معنوی خوبیوں کے ساتھ کتاب ظاہری صورت کے لحاظ سے بھی نہایت دلکش ہے، مطبع نولکشور میں نہایت اہتمام کے ساتھ چھپی ہے، حصوں کی الگ الگ تقسیم نے کتاب کی ضخامت کو بھی ناقابل برداشت نہیں بنایا ہے، چنانچہ پہلا حصہ ۱۰۰ صفحات میں، دوسرا حصہ ۲۴۸ صفحات میں تیسرا ۱۱۲ صفحات میں، اور چوتھا ۲۱۶ صفحات میں آیا ہے، اخیر میں حروف تہجی کے لحاظ سے نواب صاحب مرحوم کی تصنیفات کی فہرست بھی درج کردی ہے، افسوس ہے کہ کہیں کہیں تصحیح نامہ کے بعد بھی الفاظ کی غلطیاں پائی جاتی ہیں،

کتاب دو قسم کے کاغذ پر چھپی ہے، اور مولوی سید کلیم احمد ندوی منیجر شبلی بک ڈپو بھوپال ہاؤس نمبر لال باغ لکھنؤ، اور دارالمصنفین سے مل سکتی ہے، قیمت حصہ اوّل، حصہ دوم، حصہ سوم حصہ چہارم،

روحِ تنقید،

مصنفہ

سید ابو الحسنات غلام محی الدین قادری زور بی، اے،

جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن اس وقت اردو زبان کی ترقی کے متعلق جو خدمات انجام دے رہی ہے

ان میں سب سے اہم خدمت یہ ہے کہ وہ اپنے یہاں کے طلبار میں ایک ایسی روح پیدا کر رہی ہے جو اردو زبان کو گرانقدر تصنیفات و تالیفات سے مالا مال کرنے کے لیے بیچین رہتی ہے طلبار کے لیے تعلیم کا زمانہ نہایت مصروفیت کا زمانہ ہوتا ہے، اور اس حالت میں شاذونادر ہی ایسے طلبار کی مثالیں مل سکتی ہیں جنھوں نے کسی اہم موضوع پر تصنیف و تالیف کی جرأت کی ہو، لیکن جامعہ عثمانیہ کے ایک طالب العلم سید ابو الحسنات غلام محی الدین قادری زور نے زمانۂ طالب العلمی ہی میں اپنا زور طبع دکھایا ہے، اور ایک جدید اور اچھوتے موضوع یعنی فن تنقید پر ایک کتاب لکھی ہے، جسکا نام روح تنقید ہے، مصنف نے دیباچہ میں سب سے پہلے اردو کے ان تمام مشہور مصنفین کی خدمات کی داد دی ہے جنھوں نے اردو زبان میں تنقیدی خدمات انجام دی ہیں، اس کے بعد کتاب کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے، اور پہلے حصے میں حسب ذیل عنوانات پر تفصیلی بحث کی ہے تنقید کی تعریف، ادب کی تعریف، ادب کی پیدائش، ادب کی تقسیم، ادب کا مقصد، تنقید کا مقصد، تنقید نگار کے فرائض، تنقید نگار کی نگہداشت، اصول تنقید، میر حسن اور انکی مثنوی سحر البیان، دوسرے حصہ میں ارتقائے تنقید کی تاریخ لکھی ہے جس کے مختلف دور ہیں، مثلاً ازمنۂ ماضیہ (یونان) ازمنۂ ماضیہ (روما) ازمنۂ متوسطہ، عصر اصلاح، عصر بیداری اور انکشاف دنیائے جدید، فرانس اور ارتقائے تنقید، انگلستان اور ارتقائے تنقید، تین مشہور نقاد مروجہ تنقید، چند تنقیدی کارنامے، ان عنوانات کی وسعت اور جامعیت میں کسی قسم کا کلام نہیں، اور اگر ایک خالص انگریزی خواں شخص کے قلم سے اس قسم کی جامع کتاب نکلتی تو داد و تحسین کے سوا ہمارے قلم سے کوئی کلمۂ شکایت بھی نہ نکلتا، لیکن کتاب کی ابتدا میں مصنف کا جو تعارف کرایا گیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے دار العلوم میں عربی اور فارسی کی بھی تعلیم پائی ہے، اسلئے اس کتاب میں ایک مستقل عنوان ان تنقیدی کارناموں کا بھی ہونا ضرور تھا جو مسلمانوں کی طرف منسوب کئے جا سکتے ہیں، اسی تعارف میں خوش قسمتی سے ان تنقیدی کتابوں کے نام بھی بتا دیئے گئے ہیں جو مسلمانوں نے اس فن پر لکھی ہیں، لیکن مسلمانوں کے تنقیدی کارنامے صرف شعر و

سخن ہی تک محدود نہیں ہیں، بلکہ انھوں نے تاریخ، حدیث، اور فقہ غرض تمام علوم وفنون پر تنقیدیں کی ہیں اور عربی لٹریچر تنقیدات سے بھرا ہوا ہے، اسلیے ارتقائے فن تنقید کے سلسلے سے ان کو کسی طرح الگ نہیں کیا جاسکتا، تاہم جہاں تک انگریزی تصنیفات کا تعلق ہے انھوں نے اس کتاب کو نہایت محنت وجامعیت کیساتھ لکھا ہے، اور اس وقت جو لوگ ادبیات اردو پر تنقیدی حیثیت سے نگاہ ڈالتے ہیں ان کے لیے اس کا مطالعہ نہایت ضروری ہے، مکتبۂ ابراہیمیہ اسٹیشن روڈ حیدرآباد دکن، یا نظامت منزل کنگ کوٹھی روڈ حیدرآباد دکن سے ملسکتی ہے، قیمت ۴ ہے،

لطائف الادب

مؤلفہ

مولوی ظفر علی خان صاحب بی اے،

جناب مولوی ظفر علی خان صاحب بی اے علیگ کو سیاسی ہنگامہ آرائیوں سے جب جب چند لمحے سکون و اطمینان کے ملے ان کو انھوں نے اردو علم ادب کی خدمت میں صرف کیا، زیر تبصرہ رسالہ ان لمحوں کی یادگار ہے جو انھیں ناگپور جیل میں میسر آگئے تھے، اس رسالہ میں متعدد مباحث پر علیحدہ علیحدہ دس مضامین ہیں، پہلا مضمون "بخت نصر کا خواب" ہے، جسمیں بخت نصر کے اس خواب سے بعثت نبوی کی پیشینگوئی ثابت کیگئی ہے، جسکی تعبیر حضرت دانیال ؑ نے دی تھی، دوسرا مقالہ "تغلق تیمور کا اسلام" ہے اس میں چنگیز خاں کے حملے اور اسکی سلطنت کی سرسری تاریخ پھر تغلق تیمور کے قبول اسلام اور اس بناپر مغلوں میں اسلام کی عام اشاعت کے حالات بیان کیے گئے ہیں، پھر تحریک اتحاد تورانی پر ایک بسیط مقالہ ہے جسمیں اس تحریک کی نشو ونما سے آج تک کے مفصل حالات بیان کرکے نتائج اخذ کئے گئے ہیں، پھر دوئی کا ایک درخت کے ذیل میں عام تفسیروں سے گریز کرکے بہشت کے شجرۂ ممنوعہ کی یہ تفسیر کیگئی ہے کہ وہ کلمۂ خبیثہ یعنی شرک کا تمثالی درخت تھا، مؤلف کا یہ نظریہ مفسرین کے نزدیک قابل قبول نہیں، پھر "العقبہ" کے عنوان سے ثابت کیا گیا

۔لہ انسانوں کو غلامی سے نجات دلانا اور محتاجوں کو کھانا کھلانا انسان کی فطرت میں داخل ہے، جیساکہ قرآن کریم نے سورہ بلد میں واضح کیا ہے، پھر "صلاح الدین کا ذکر "بزم فرنگ میں" کے ذیل میں اٹلی کے ایک مشہور انشاپرداز کے ایک فسانہ کا ترجمہ درج کیا گیا ہے، جس سے واضح ہوتا ہے کہ سلطان صلاح الدین اپنے دشمنوں میں کس منزلت کی نظروں سے دیکھا جاتا ہے، پھر سکھ فوج کے ایک برطانوی لفٹنٹ کی ایک کتاب سے، "مہاراجہ رنجیت سنگھ کا دربار" کے عنوان سے رنجیت سنگھ کے دربار کا نقشہ کھینچا گیا ہے، اس کے بعد "ایک تاریخی معجزہ" کے ذیل میں نورالدین شہید کے عہد کے ان دو عیسائیوں کے تاریخی واقعہ کو شرح و بسط سے بیان کیا گیا ہے، جو مدینہ منورہ میں روضۂ اطہر کے عقب میں بعض نجس ارادوں سے مقیم ہوکر نقب زنی کررہے تھے، اور سب سے آخر میں "تصریحات مونسرات" ہے، یاد ہوگا! اکبر نے تحقیقِ مذاہب کے سلسلہ میں ایک عیسائی مشن کو بھی مدعو کیا تھا، مونسرات اسی مشن کا ایک رکن تھا، اس نے اپنی واپسی کے بعد لاطینی زبان میں ایک کتاب لکھی، جسے سنہ ۱۹۱۴ء میں ایشیاٹک سوسائٹی بنگال نے شائع کیا اور اب سنہ ۱۹۲۲ء میں آکسفورڈ نے اس کا ترجمہ انگریزی زبان میں چھاپا، مونسرات نے اپنی تصریحات میں ان تمام واقعات کو وضاحت سے جمع کیا ہے جو اس کے مشن کو دربار اکبری میں پیش آئے، نیز دربار کے دوسرے امور بھی بیان کیے ہیں، مونسرات نے مناظروں اور مباحث سے متعلق جو کچھ بھی لکھا ہے وہ مبالغہ، کذب اور افترا سے لبریز ہے، نیز پیغمبر علیہ السلام کے متعلق جو نہایت نا ملائم کلمات استعمال کیے ہیں، مولوی ظفر علی خانصاحب نے اپنے اس مضمون میں اسی کتاب پر مفصل تبصرہ کیا ہے، جابجا سے اقتباسات بھی دیئے ہیں جو یورپ کی "مذہبی بے تعصبی" اور "اخلاق و تہذیب" کی بہترین مثال ہے، غرض لطائف الادب اپنی گوناگوں خصوصیات کے لحاظ ایک دلچسپ اور دلآویز رسالہ ہے،

لکھائی چھپائی اور کاغذ عمدہ ہے، ضخامت ۹۵ صفحے قیمت عہ رتبہ دفتر منصور بک ڈپو لاہور۔

شاہان مالوہ، ہندوستان کی تاریخ میں خاندان تغلق کے بعد سے عہد اکبری تک کے زمانہ کو "دورِ اختلال" سے تعبیر کیا جاتا ہے، کیونکہ یہی وہ زمانہ ہے جس میں ہندوستان کے مختلف اطراف میں سلطنت دہلی سے علیحدہ ہو کر متعدد خودمختار حکومتیں قائم ہو گئیں، انھیں خودمختار حکومتوں میں ایک مالوہ کی حکومت بھی ہے جسے دلاور خاں صوبہ دار مالوہ نے قائم کیا، منشی امیر احمد صاحب علوی بی اے نے "شاہان مالوہ" کے نام سے اسی حکومت کی قیام حکومت سے اس کے زوال تک کی مفصل تاریخ لکھی ہے جس میں تمام شاہانِ مالوہ کے دورِ حکومت کو علٰحدہ علٰحدہ بیان کیا گیا ہے اور نیز ہر دور کے تعمیرات، شہروں کی آبادی، مالوہ میں علماء و فضلاء کی آمد، اور دیگر تمدنی و معاشرتی حالات بھی بیان کئے ہیں، زبان صاف اور سلیس ہے، ضخامت چھوٹی تقطیع پر ۱۵۹ صفحے، لکھائی چھپائی اچھی اور کاغذ معمولی ہے، قیمت عہ، محمد حسن صاحب مالک انوار المطابع لکھنؤ سے طلب کریں،

قوانین عربی حصہ اوّل، مولوی احمد بخش صاحب مولوی فاضل نے عربی علم صرف کی متداول کتابوں کا استقصار کر کے ایک حد تک علم صرف کے تمام مسائل نہایت اختصار اور جامعیت سے جمع کر کے انھیں "قوانین عربی" کے نام سے شایع کیا ہے، ابتدا میں علم صرف کی اصطلاحوں کی تعریف و توضیح کی گئی ہے، پھر حروف ہجا مختصراً سمجھائے گئے ہیں، اس کے بعد علم صرف کے عام قاعدے مختلف ابواب میں تقسیم کر کے بیان کئے گئے ہیں، اور ہر باب کے آخر میں بیان کردہ مسائل کے متعلق سوالات قائم کر کے مبتدیوں سے جوابات لینے کی ہدایت کی گئی ہے، کہ اس طرح مبتدیوں کے ذہن میں تمام مسائل مستحضر ہو جائیں، امید ہے کہ یہ تالیف مبتدیوں کے لئے مفید ہو گی، حجم چھوٹی تقطیع پر ۲۴۳ صفحے لکھائی بچوں کی مناسبت سے جلی ہے، چھپائی اور کاغذ بھی اچھا ہے قیمت عمر

پتہ۔ عارف اینڈ برادر کشمیری بازار لاہور،

تحفۂ احباب، جناب مولانا حکیم محمد ابراہیم صاحب بہاری نے مختلف آیات قرآن مجید کی تفسیر عربی میں "ولوامع التفاسیر" کے نام سے لکھی تھی، اب احباب کے اصرار سے اس تفسیر کو خود مؤلف نے اُردو کا جامہ پہنا کر "تحفۂ احباب" کے نام سے شایع کیا ہے، جس میں اکثر آیتون کی تفسیر میں مخالفینِ اسلام کے اعتراضات کے جوابات دیئے گئے ہیں، اور بعض آیتوں کے ذیل میں انبیاء علیہم السلام کے متعلق بعض تاریخی واقعات کی تحقیق کی گئی ہے، اور کہیں کہیں قرآن کے قصص بیان کرکے مسلمانوں کو نصیحت حاصل کرنے کی ہدایت کی گئی ہے، حجم ۹۱ صفحے لکھائی چھپائی اور کاغذ معمولی ہے، قیمت عہ، پتہ:۔ مولٰنا حکیم محمد ابراہیم صاحب بہاری بھاگل پور،

سوانح عمری خواجہ معین الدین چشتیؒ، حضرت خواجہ اجمیریؒ اُن مقدس بزرگوں میں ہیں جنھوں نے ہندوستان میں اپنے روحانی اثرات سے باشندگانِ ہند کو شمع ہدایت دکھائی، اور یہاں یکہ و تنہا اسلام کی وہ خدمات انجام دیں، جو کئی صدیوں میں تمام مسلمان تاجدارانِ ہند سے نہ ہوسکیں، اسلیے ایسے مقدس بزرگوں کی سوانح حیات کا ایک ایک نقش مسلمانوں کے لیے دلیل راہ ہے، یوں تو اردو میں انکی متعدد سوانحعمریاں لکھی گئیں لیکن ان میں امور خرقِ عادات وکرامات سے زیادہ کوئی شے نہیں ملتی، اسلیے اردو میں ایک جامع سوانحعمری کی شدید ضرورت تھی، جناب مولوی سید الیاس صاحب رضوی نے اس کا احساس کرکے زیر تبصرہ سوانح لکھی ہے، جس میں خواجہ صاحبؒ کی سوانح کا کافی حصہ آگیا ہے، خواجہ صاحبؒ کے واقعات میں سنین کے جو اختلافات ہیں اونکی تحقیق کی ہے، اور سوانح اجمیری کی مناسبت سے شہر اجمیر کے جغرافی و تاریخی حالات بھی وضاحت سے آخر میں بیان کئے گیے ہیں، ابتدا میں چند صفحوں کا ایک مقدمہ ہے جسمیں علم تاریخ کے مختلف دور قائم کرکے اسکی تدریجی ترقی دکھائی گئی ہے، لکھائی چھپائی اچھی اور کاغذ معمولی ہے، قیمت پتہ:۔ جناب محمد ادریس صاحب

تاجر کتب اجمیر شریف،

تربیت، بچوں کی تربیت اگر انکی ابتدائی عمر سے صحیح اصول پر کیجائے، تو آگے چلکر ان کے بے راہ ہونے کے کم خطرات رہجاتے ہیں، ہماری مذہبی، اخلاقی اور تعلیمی پستی کی ایک بڑی وجہ بچپن کا غلط اصولِ تربیت ہے، جناب سید شاہ محمد طٰہٰ صاحب نے اسی بنا پر یہ رسالہ تربیت مرتب کیا ہے، جس میں والدین اور سرپرستوں کو مخاطب کرکے بچوں کے مذہبی، اخلاقی اور تعلیمی حالات کی نگہبانی کے اصول بتائے گئے ہیں، جو اصول بتائے گئے ہیں وہ کارآمد اور عمل پیرا ہونے کے لائق ہیں، حجم چھوٹی تقطیع پر ۷۶ صفحے لکھائی چھپائی اور کاغذ متوسط ہے، پتہ انجمن ہلال اتحاد خسرو پور پٹنہ سے مل سکتی ہے،

ترغیب حساب، جناب خواجہ حسن نظامی صاحب کی جدت پسند طبیعت انوکھے اسلوب میں نئی نئی چیزیں پبلک کے سامنے پیش کرتی ہے، خواجہ صاحب نے زیر تبصرہ رسالہ میں عام مسلمانوں اور خصوصاً عورتوں اور بچوں کو فنِ حساب کے سیکھنے کی ترغیب دلائی ہے کہ اس ذریعہ سے احکام مذہبی کی پابندی میں سہولت اور کفایت شعاری اختیار کرنے میں آسانی ہوگی، ضخامت ۳۱ صفحے، لکھائی چھپائی اور کاغذ متوسط ہے، قیمت ۱؎ پتہ:- حلقہ مشائخ بکڈپو دہلی،

اسلامی رسول، سرزمین پنجاب سے "رنگیلا رسول" کی ترکیب وضع ہوئی معلوم نہیں خواجہ حسن نظامی صاحب کی جدت پسند طبیعت نے تقلید کیونکر گوارا کی کہ اپنے رسالہ کو "اسلامی رسول" کے نام سے موسوم کیا، رسالہ میں انبیاء کی ضرورت، بعثت انبیاء کا قانون فطرت کے مطابق ہونے اور ہر قوم میں انبیاء کے مبعوث ہونے پر گفتگو کرکے آنحضرت صلعم کے اخلاق حسنہ وخصائل کریمہ متعدد کتابوں سے اخذ کرکے جمع کئے گئے ہیں، اور آخر میں بعثت نبوی سے قبل سرزمین عرب کی حالت اور پھر آپ کے مبعوث ہونے کے اس کا اوجِ ترقی پر پہونچنا دکھایا گیا ہے، رسالہ ۳۶ صفحے پر ختم ہوا ہے، لکھائی چھپائی اور کاغذ معمولی ہے، قیمت ۲؎ پتہ: حلقہ مشائخ دہلی،

دوسرے دارالاشاعتوں کی کتابیں

رموز فطرت، طبعیات، طبقات الارض، ہیئت، اور جغرافیہ طبیعی کے ابتدائی مسائل عام فہم اور سلیس عبارت میں . . . قیمت ۱۲؍

مکاتیب، نواب وقار الملک اور نواب محسن الملک کے خطوط کا مجموعہ، عہ

استدلال، اس میں علم منطق کے اصول نہایت خوبی و عمدگی کے ساتھ سلیس زبان اور سہل طریقہ سے بیان کئے گئے ہیں عہ

فہرست، اردو زبان کی ہر علم کی تصنیفات کی مکمل فہرست مع اسمائے مصنفین و مطبع قیمت و صفحات . . . عـہ

الانسان، اس میں انسان کے تمام قوائے نفسانی و جسمانی خصوصیات طبعی کی علمی تشریح کی گئی ہے صفحہ ۲۱۳ قیمت ۱۲؍

تسہیل البلاغت، اردو زبان میں فن فصاحت و بلاغت اور بدیع پر دلکش اور سہل اور آسان کتاب ہے، ۱۲؍

حکمت عملی، فن اخلاق پر جدید و قدیم معلومات کی جامع کتاب ہے،

مورلدین، مسٹر ہنری چارلس لی کی کتاب موریسکوز کا ترجمہ جس میں اندلس سے مسلمانوں کی بربادی کے بعد مسلمانوں اور عیسائیوں کے باہمی جدال کی تفصیل کی گئی ہے، مترجمہ منشی خلیل الرحمن صاحب، قیمت . . . ۱۲؍

تاریخ مغرب، البیان المغرب فی اخبار المغرب جلد اول مصنفہ علامہ ابن العذاری المراکشی کا ترجمہ جس میں شمالی افریقہ کے مسلمانوں کی مفصل تاریخ مذکور ہے ضخامت ۴۰۰ صفحات، قیمت ۱۲؍

خلافت موحدین، علامہ عبدالواحد مراکشی کی کتاب المعجب کا ترجمہ جس میں اندلس میں موحدین کی خلافت کی تاریخ مذکور ہے ضخامت ۳۰۰ صفحات، قیمت عہ

مختصر تاریخ اسلام، تاریخ اسلام کے طالب علموں کے لیے مفید سلسلہ اسباق جس کو مصر کے فاضل مورخ محی الدین خیاط کی کتاب سے ضروری اضافوں کے ساتھ منشی خلیل الرحمن صاحب نے مختص کیا،

حصہ اول (ذکر رحمۃ للعالمین) ۳؍ حصہ دوم (خلافت راشدہ) ۹؍ حصہ سوم (خلافت بنو امیہ) ۱۰؍ حصہ چہارم (خلافت بنو عباس) عہ ۱۲؍

اخبار الاندلس، اسلامی اندلس کی مستند ترین تاریخ ہسٹری آف مورس اسپانزان یورپ کا ترجمہ جس سے بہتر اس وقت تک کوئی کتاب نہیں لکھی گئی، ایس پی اسکاٹ مترجمہ منشی خلیل الرحمن صاحب،

حصہ اول، ابتدا سے ۲۱۲ھ تک قیمت عـہ

حصہ دوم، جنگ بلاد یافت تک عہ

حصہ سوم، جنگ بازیافت کے بعد عہ

مکاتیب امیر مینائی مؤلفہ احسن اللہ خان صاحب ثاقب جس میں علاوہ ان کے خطوط کے ان کے حالات زندگی اور ان کے مشاہیر تلامذہ کے سوانح، طرز اصلاح سخن، داغ و امیر کا موازنہ وغیرہ بھی شامل ہیں۔ قیمت . . . ۱۲؍

گوہرین نامہ، مولوی احسن اللہ خان صاحب ثاقب جس میں جناب موصوف نے اپنی بلند پایہ نثر و نظم فارسی عربی اور اردو کے انتخابات جمع کیے ہیں، حجم ۲۰۰ صفحے قیمت عہ

مسلمانوں کی تہذیب، از نواب محسن الملک مرحوم ۲؍

ہلال، از ڈاکٹر اقبال، ۱؍

تصویر درد . . . . ۱؍

شمع و شاعر . . . . ۲؍

شکوہ . . . . ۲؍

فریاد امت . . . . ۳؍

وکرم اروسی، مہاکوی کالی داس کے مشہور ناٹک کا ترجمہ مع ایک بسیط مقدمہ کے جس میں ہندو ڈراما کی تاریخ پر بحث کی گئی ہے از مولوی محمد عزیز مرزا صاحب مرحوم . . . عہ

قدیم ہندوستان کی تہذیب، مسٹر آر سی دت کی بے مثل تاریخ "سویلیزیشن آف اینشنٹ انڈیا" کا ترجمہ از ایم، وی، احمد، . . . . .

مسلمانان اندلس، یعنی اسٹینلی لین پول کی مشہور کتاب مورس ان اسپین کا ترجمہ از سید عبدالغنی وارثی (علیگ) مرحوم عہ

شعر و شاعری، یعنی مولانا حالی کے اردو دیوان کا لاجواب مقدمہ، . . . . . ۱۲؍

تاریخ عرب، موسیو سیدیو فرانسیسی کی مشہور کتاب کا ترجمہ جس میں مسلمانوں کے علوم و فنون، تمدن، اور فتوحات کی تاریخ ہے قسم خاص جلد چرمی عہ (قسم عام جلد پارچہ) عہ

اساس التعلیم، یورپ امریکہ اور جاپان کی تعلیم اور درس کے تجربات مؤلفہ جناب عبدالحق صاحب بی اے . . . . . ۱۲؍

کشاف الہدیٰ، اس میں نزول قرآن، وحی و الہام اور قرآن مجید سے متعلق تمام علمی مباحث پر بحث کی گئی ہے، ضخامت ۲۰۰ صفحات، قیمت ۱۲؍

تاریخ تمدن، مسٹر ہنری بکل کی مشہور کتاب کا انگریزی ترجمہ جس میں مصنف نے نہایت فلسفیانہ غور و فکر سے تمدن کی تاریخ مرتب کی ہے اور اس کے اسباب و علل کی تحقیق کی ہے، قیمت جلد اول عہ جلد دوم ۱۲؍

پیام امن، موسیو جرڈ پال ایک فرانسیسی مصنف کے خیالات دربارہ امن عالم، واخوت انسانی وخون آشامی دول یورپ کی ترجمانی ہے، جس کے ... مولوی صاحب موصوف کا تبصرہ ہے جس میں بعض مسائل پر انجیل اور قرآن کی تعلیمات کی تفصیل ہے، اس میں بالکل نئے خیالات ہیں، ۱۶۰ صفحے ۸ر

مکالمات برکلے، مشہور فلاسفر برکلے کے ڈائلاگس کا ترجمہ جس میں مکالمہ کی صورت میں برکلے نے مادیت کا ابطال کیا ہے۔ قیمت باختلاف کاغذ ... عہ و ۸ر

مولوی سعید صاحب انصاری،

تفسیر ابو مسلم اصفہانی، عربی معتزلہ کی مفقود اور نادر الوجود ... تفسیر قرآن کے اجزاء جو نہایت ... ہے امام رازی کی تفسیر کبیر سے جمع کئے گئے ہیں، عمدہ ٹائپ میں چھپی ہے قیمت عا

سیر الصحابیات، ازواج مطہرات، بنات طاہرات اور عام صحابیات کی سوانحعمریاں اور ان کے علمی واخلاقی کارنامے، عہ

سیر الانصار حصہ اول، انصار کرامؓ کی مستند سوانحعمریاں اور ان کے اخلاقی اور مذہبی کارنامے - - - - - - - - عہ

سیر الانصار حصہ دوم، انصار کرام کے بقیہ حالات اور انکے اخلاقی اور مذہبی کارنامے، . . . . قیمت عہ

مولوی محمد یونس مرحوم فرنگی محلی

روح الاجتماع، موسیو لیبان کی کتاب جماعت ہائے انسانی کے اصول نفسیہ، کا اردو ترجمہ جس میں انسانی جماعت کے اخلاق پبلک رہنماؤں کی خصوصیات اور جماعتوں کے بننے اور بگڑنے کے قوانین نفسی بیان کئے گئے ہیں، صفحہ ۲۳۲ . . . . ع

ابن رشد، مشہور مسلمان اندلسی حکیم جو مسلمانوں میں ارسطو کے فلسفہ کا بہترین شارح سمجھا جاتا ہے اور جسکی تصنیفات مدتوں تک یورپ کی یونیورسٹیوں میں پڑھائی جاتی تھیں، اس کے سوانح اور اس کے فلسفہ پر تبصرہ اور اسی ضمن میں مسلمانوں کے علم کلام وفلسفہ پر بھی ریویو، اور یورپ مین اسلامی علوم کی اشاعت کی تاریخ اور فلسفہ جدیدہ وقدیمہ کا موازنہ بھی آگیا ہے، ابن رشد کے متعلق اتنا بڑا ذخیرہ معلومات کسی مشرقی زبان مین کیا کسی مغربی زبان میں بھی نہیں مل سکتا، ضخامت ۴۰۰ صفحے قیمت عہ

پروفیسر سید نواب علی ایم اے،

معارج الدین، جدید علم کلام پر ایک محققانہ تصنیف، فلسفہ جدیدہ اور مذہب کی باہمی تطبیق پر بہترین تبصرہ عہ

تاریخ صحف سماوی، توراۃ انجیل اور قرآن مجید کی جمع وترتیب کی تاریخ کا باہمی موازنہ اور مخالفین اسلام کے اعتراضات کا جواب قیمت عہ

شمع سخن، پیرو فقیر صاحب کی اخلاقی نظموں کا مجموعہ قیمت ۱۰ر

مفتی انوار الحق صاحب ناظم تعلیمات بھوپال،

حقائق اسلام، اسلامی مسائل کی فلسفیانہ عقلی تشریح، ع

تذکرۃ الحبیب، یعنی رسول صلعم کے اخلاق کا مفصل بیان، عہ

اثبات واجب الوجود، یعنی ذات وصفات واجب الوجود پر عقلی پہلو سے ایک نظر، عہ

تاریخ ابو البشر، کیفیت آغاز نوع انسانی حسب تحقیقات جدید، عہ

قوت خیال، الف ... صاحب کی کتاب ... کا ترجمہ جس میں ثابت کیا گیا ہے کہ ہم اپنے خیالات کی اصلاح سے اپنے اخلاق کی اصلاح کر سکتے ہیں، قیمت ۵۴ صفحے ۸ر

متفرق کتابیں،

رسائل عماد الملک، یعنی مجموعہ مضامین وخطبات نواب عماد الملک بہادر قیمت مع محصول للعہ

سیاحت قسطنطنیہ، مولانا شبلی مرحوم کی فرمائش سے خواجہ سید رشید الدین صاحب نے مشہور جرمن مکس مولر کے سفرنامہ قسطنطنیہ کا اردو میں ترجمہ کیا ہے، عا

گل رعنا، اردو زبان کی ابتدائی تاریخ اور اس کی شاعری کا آغاز اور عہد بعہد کے اردو شعرا کے صحیح حالات اور ان کے منتخب اشعار ضخامت ۴۴۰ مؤلفہ حکیم سید عبد الحئی صاحب مرحوم، صہ

جواہرات حالی، مولانا حالی کے غیر مطبوعہ اخلاقی کلام کا مجموعہ، ۔ر

الندوہ، کی جلدیں موجود ہیں قیمت فی جلد ے، قیمت فی نمبر ۴ر نادر ذخیرہ کمیاب ہے،

مقالہ روسو، فرانس کے مشہور انقلابی اہل قلم روسو کے اس مضمون کا بہترین ترجمہ جسمیں اس نے علوم وفنون کے افادی اثرات اور نتائج کی تنقید کی ہے، مترجمہ جناب ظفر حسین خان صاحب، قیمت ۸ر

رسول عربی، آنحضرت صلعم کی مختصر سیرت جسے حضور کے ایک سچے مداح سردار گوردت سنگھ دارا بی اے بیرسٹر ایڈیٹر اخبار ہند (لندن) نے تصنیف کیا ہے، لفظ لفظ سے مصنف کی سچی محبت کا اظہار ہوتا ہے - - - - - عہ

داغ جگر، جناب علی سکندر صاحب جگر مراد آبادی کی غزلوں کا مجموعہ، مرتبہ مرزا احسان احمد صاحب بی اے ایل ایل بی (علیگ) ۱۲ر

علمائے سلف، علمائے سلف کے طلب علم، حق پسندی، اتفاق، اخلاق اور ان کی معاشی زندگی کا نمونہ جسے مولانا حبیب الرحمن خان شیروانی نے ۱۳۳۱ء میں ندوۃ العلماء کے چوتھے سالانہ اجلاس میں بمقام میرٹھ پیش کیا تھا، قیمت ۱۲ر

مرتبہ نسواں، شیخ منیر حسین صاحب قدائی کے انگریزی رسالہ کا ترجمہ جس میں یہ دکھایا گیا ہے کہ اسلام میں عورتوں کا درجہ کیا ہے، اور اسکا مقابلہ دیگر اقوام سے، قیمت عہ

مسعود علی ندوی منیجر دار المصنفین اعظم گڈھ،

رجسٹرڈ نمبر اے ۷۸۱

معارف

مجلس دار المصنفین کا ماہوار علمی رسالہ

مرتبہ

سید سلیمان ندوی

مارچ سنہ ۱۹۲۶ء

قیمت: ؎ سالانہ

مطبع معارف میں چھپکر

دفتر دار المصنفین اعظم گڈھ سے شائع ہوا

دار المصنفین اعظم گڈھ

کی

خاص کتابیں (اپنا سپیشل صفحوں پر)

علامہ شبلی نعمانی

سیرۃ النبی صلعم، حصہ اوّل طبع دوم تقطیع ۲۰×۲۶، حالات نبوی از ولادت تا ختم غزوات، قیمت باختلاف کاغذ . . . . سے اور للعہ

ایضاً حصہ دوم، کارنامۂ نبوی، تکمیل شریعت، تاریخ احکام، وفات، اخلاق و شمائل وغیرہ طبع اوّل قیمت قسم اعلیٰ تقطیع کلاں . . . عہ

ایضاً حصہ دوم، طبع دوم قیمت باختلاف کاغذ تقطیع خورد صہ، سے

ایضاً حصہ سوم، تقطیع کلاں قسم اوّل عہ، قسم دوم . . سے

الفاروق، حضرت فاروق اعظم کی لائف اور طرز حکومت . . سے

المامون، خلیفہ مامون الرشید کے عہد سلطنت کے حالات مطبوعہ معارف پریس . . . . عہ

الغزالی، امام غزالی کی سوانحعمری اور ان کا فلسفہ ۱عہ

سیرۃ النعمان، امام ابوحنیفہ کی سوانحعمری اور ان کے اجتہادات اور مسائل . عہ

سوانح مولانا روم، مولانا جلال الدین رومی کی مفصل سوانحعمری مثنوی شریف اور دیگر تصنیفات پر تقریظ . . . . . . عہ

رسائل شبلی، مولانا کے گیارہ مختلف علمی مضامین کا مجموعہ . . . عمر

مقالات شبلی، مولانا کے تیرہ مختلف مضامین کا مجموعہ . . . عمر

موازنۂ (بیان) **خسرو**، خسرو کے حالات زندگی، اور انکی شاعری پر ریویو . . ۸ر

شعر العجم حصہ اوّل، شاعری کی حقیقت فارسی شاعری کا آغاز و قدماء کا دور . . . . سے

ایضاً حصہ دوم، شعرائے متوسطین کا دور . . . عا

ایضاً حصہ سوم، شعرائے متاخرین کا دور . . . عا

ایضاً حصہ چہارم، فارسی شاعری پر ریویو . . . سے

ایضاً حصہ پنجم، فلسفیانہ صوفیانہ اور اخلاقی شاعری پر تبصرہ . . عا

الانتقاد علی التمدن الاسلامی، جرجی زیدان کے تمدن اسلامی پر عربی میں ریویو ۸ر

موازنۂ انیس و دبیر، مرثیہ کی تاریخ، اردو میں اصول تنقید اور فصاحت و بلاغت کی تشریح اور میر انیس کی شاعری کا اس معیار سے موازنہ . سے

سفرنامۂ روم و مصر و شام، مطبوعہ معارف پریس، قیمت . . . عا

مضامین عالمگیر، شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر پر اعتراضات اور ان کے جوابات قیمت باختلاف کاغذ و طبع . . . ۸ر، عہ، عمر

علم الکلام، مسلمانوں کے علم کلام کی تاریخ اور اسکی عہد بعہد کی ترقیاں اور علمائے متکلمین کے نظریات اور مسائل، طبع چہارم مطبوعہ معارف پریس . عا

الکلام، مولانا کی مشہور تصنیف، جدید علم کلام جس میں عقلی دلائل سے مذہب کو فلسفہ کے مقابلہ میں ثابت کیا ہے، اور ملاحدہ اور منکرین کے دلائل کا رد کیا ہے طبع سوم مطبوعہ معارف پریس قیمت . . . . عا

کلیات، مولانا کے تمام فارسی قصائد، غزلیات، مثنویات، قطعات کا مجموعہ جو اب تک متفرق طور سے دیوان شبلی دستہ گل، بوئے گل، برگ گل کے ناموں سے چھپے تھے، اس میں سب یکجا کر دیئے گئے ہیں ۲۰ پونڈ کے ولایتی کاغذ پر نہایت عمدہ چھپا ہے، قیمت . . . عا

کلیات شبلی اردو، مولانا کی تمام اردو نظموں کا مجموعہ جس میں مثنوی صبح امید، قصائد، جو مختلف مجلسوں میں پڑھے گئے، اور وہ تمام اخلاقی، سیاسی، مذہبی اور تاریخی نظمیں جو کانپور، ٹرکی، طرابلس، بلقان، مسلم لیگ، مسلم یونیورسٹی وغیرہ کے متعلق لکھی گئی تھیں یکجا ہیں، یہ نظمیں درحقیقت مسلمانوں کے چہل سالہ جد و جہد کی ایک مکمل تاریخ ہے لکھائی چھپائی کاغذ اعلیٰ، عمر

مولانا حمید الدین صاحب بی اے

عربی زبان میں مولانا نے قرآن پاک کی تفسیر کا جو سلسلہ شروع کیا ہے اس کے حسب ذیل نمبر چھپکر تیار ہیں، یہ تفسیر بالکل جدید طرز پر لکھی گئی ہے، جسکی خاص خصوصیت قرآن پاک کی باہم آیتوں کا ربط و نظام اور بعض عجیب حقائق مستورہ کا تسلی بخش انکشاف ہے،

تفسیر سورۂ والذاریات ۶ر

تفسیر سورۂ اللہب ۴ر

تفسیر سورۂ والتین ۴ر

تفسیر سورۂ والکوثر ۴ر

تفسیر سورۂ القیامہ ۴ر

تفسیر سورۂ عبس ۴ر

تفسیر سورۂ والمرسلات ۴ر

الرای الصحیح فی من ہو الذبیح، عربی میں حضرت اسمعیل علیہ السلام کے ذبیح ہونے پر ایک مدلل اور مبسوط رسالہ یہودیوں اور عیسائیوں کے اس باب میں ہر قسم کے اعتراضات کا قلع و قمع کر دیا ہے، . . . ۱۰ر

عدد سوم	ماہ شعبان سنہ ۱۳۴۴ھ مطابق ماہ مارچ سنہ ۱۹۲۶ء	مجلد ہفدہم

مضامین

جمعیۃ العلماء کلکتہ کا خطبۂ صدارت،

یہ خطبہ جس میں عالم اسلام کے ہر قسم کے مسائل پر غائر نظر ڈالی گئی ہے اور علماء کو موجودہ مذہبی خطرات سے آگاہ کیا گیا ہے اور ہندوستان میں مسلمانوں کے حقوق و فرائض سے بحث کیگئی ہے، نہایت اہم ہے، اکثر شائقین اسکا تقاضا کر رہے ہیں، اسلئے اون کو اطلاع دیجاتی ہے کہ دفتر میں اس خطبہ کے تھوڑے سے نسخے باقی ہیں، جو اصحاب چاہیں بقیمت منگوا سکتے ہیں قیمت ۸ر ضخامت ۶۴ صفحے۔

شذرات

ہماری جماعت کا لعل شبچراغ گم ہوگیا

آہ! عبد الرحمان،

اس دو سال کے عرصہ مین ندوۃ العلماء نے اپنے کیا کیا گوہر آبدار کھوئے! ابو الحسنات مرحوم، مفتی یوسف مرحوم، اور آہ کس زبان سے کہین عبد الرحمان مرحوم! دار العلوم ندوہ نے اپنی تیس برس کی مدت مین جتنے کارآمد اور علم و دین کے خادم پیدا کئے یقین کے ساتھ کہتا ہون کہ عبد الرحمن ان سب مین بہتر تھا، اللہ تعالیٰ نے اسکی ذات مین علم و عمل کی ساری خوبیان جمع کردی تھین،

لیس من اللہ بمستنکر ان یجمع العالم فی واحد

خدا سے یہ محال نہین کہ ... دنیا کو ایک ذات مین جمع کردے

مرحوم کا وطن نگرام تھا، جو ضلع لکھنؤ کا ایک مردم خیز قصبہ ہے، یہان کے انصاریون کا خاندان مدت سے اپنے آس پاس اور اطراف اودھ مین علم و ارشاد کی مسند ہے، مرحوم اسی خاندان کے فرزند تھے، وفات کے وقت ستائیس سال کی عمر تھی گویا ۱۸۹۹ء کی پیدائش ہوگی، ابتدائی تعلیم گھر پر اپنے اعزہ سے حاصل کی، غالبًا ۱۹۱۰ء مین وہ دار العلوم مین داخل ہوئے، اس وقت مین مدرسہ مین ادبیات کا معلم تھا اور مرحوم نے کچھ ابتدائی کتابین مجھ سے پڑھی تھین، مرحوم کا بچپن آنکھون کے سامنے ہے، اسی زمانہ سے جب وہ مدرسہ مین بہت چھوٹے سے تھے، وہ اچھی، صاف اور سلجھی ہوئی تقریر کرتے تھے، چھوٹی سی عمر

اور چھوٹے سے قد مین انکی یہ ادا ایسی دلفریب تھی کہ وہ جلسون مین تماشا بنجاتے تھے، مولانا شبلی مرحوم جو اچھی استعداد اور قابل جوہر کے ہمیشہ جویان رہتے تھے وہ خاص طور سے مرحوم کی تربیت سے دلچسپی رکھتے تھے، ایک دو دفعہ جلسون مین وہ اپنے ساتھ ان کو لیکر گئے، مدرسۂ سرائمیر (اعظم گڈہ) کے پہلے یا دوسرے اجلاس مین مولانا جب ان کو ساتھ لائے، تو اس بچہ کی زبان سے ایسے اچھے خیالات اور ایسی سنجیدہ تقریر سنکر لوگ حیرت مین آگئے،

۱۹۰۹ء مین آریون نے شدھی کا پہلا فتنہ اٹھایا تھا، مولانا شبلی مرحوم اس سے بیحد متأثر ہوئے تھے گروکل کے اصول پر مولانا نے خدام الدین کی ایک جماعت بنائی تھی جسمین ان طلبہ کو داخل کیا تھا جنکے والدین یا اولیا، اپنے بچہ کو صرف مذہب کی خدمت کے لیے وقف کر سکین، یہ بچے سادہ پہننے، سادہ کھانے اور سادہ رہنے کا عہد کرتے تھے، اور زمین پر سوتے تھے، اس جماعت مین جو طلبہ داخل ہوئے، ان مین ایک یہ مرحوم بھی تھے، یہ جماعت مٹ گئی، اس کا بانی رخصت ہو گیا، حالات بدل گئے، مگر عبد الرحمان مرحوم نے اس حیثیت سے جو عہد کیا تھا، اسکو اخیر تک پورا کیا،

مرحوم نے سات آٹھ برس دار العلوم مین تعلیم حاصل کی غالباً ۱۹۱۵ء مین انھون نے مدرسہ سے تعلیم کی فراغت حاصل کی اس سے ایک سال پہلے دیوبند جا کر مولانا محمود حسن صاحب سے بیعت کی اور اجازت حاصل کی ۱۹۱۴ء مین مولانا شبلی مرحوم نے جو کام چھوڑے تھے ان کے متوسلین اور شاگردون نے ان کا بار اپنے ناتوان کندھون پر اٹھا لیا، ان مین ایک دار المصنفین کا قیام، اور دوسرا مدرسۃ الاصلاح سرائے میر کا چلانا تھا، میرے ساتھ مولنا مسعود علی، اور مولانا عبد السلام ندوی نے دار المصنفین کا کام سنبھالا، اور دوسری طرف مولانا حمید الدین صاحب کے زیر ہدایت مولانا شبلی متکلم ندوی نے مدرسہ کا انتظام اپنے ہاتھ مین لیا، تعلیم سے فارغ ہو کر مرحوم بھی وابستگان شبلی کی جماعت مین داخل ہو گئے اور چار برس تک مدرسہ سرائمیر مین رہ کر درس و تدریس کا فرض انجام دیا، اور مدرسہ مین اپنے زیر تربیت چند اچھے لڑکے پیدا کئے، اسی اثنا مین اضلاع مشرقی مین جونپور سے گورکھپور تک انکی اصلاحی تقریرین

مقبول ہو رہی تھیں، اسی زمانہ مین حضرت مولانا حمید الدین صاحب کے زیر سایہ قرآن پاک کا فیض حاصل کیا،

ترک موالات کے شباب مین جب سرکاری مدارس توڑے جا رہے تھے، مدرسہ عالیہ کلکتہ پر چھاپا مارا گیا، اور اسکی جگہ مولانا ابو الکلام صاحب نے مدرسہ اسلامیہ جامع مسجد کلکتہ قائم کیا، اس وقت مرحوم سرائمیر سے کلکتہ گئے، اور مدرسہ اسلامیہ جامع مسجد کلکتہ کی صدر مدرسی کا عہدہ قبول کیا، مولانا ابو الکلام قید ہوئے، مدرسہ کی مالی حالت جیسی تھی وہ ظاہر ہے، اس مدرسہ کو مرحوم نے چند سال تک جس ایثار، جس محنت، جس جفاکشی سے چلایا وہ حد درجہ حیرت انگیز ہے، مدرسین کو سنبھالنا، لڑکون کو تسکین دینا، اور پھر شہر مین اس کا اثر قائم رکھنا معمولی بات نہ تھی، اس تمام مدت مین شاید ہی ان کو اپنے ذاتی معاوضہ کی فکر ہوئی، یا ان کو وہ ہر ماہ مل سکا ہو، اس راہ مین کئی کئی وقت ان پر ایسے گذرے کہ فاقون تک نوبت پہنچ گئی، لیکن پیشانی پر بل تک نہ پڑنے دیا،

کلکتہ مین اس زمانہ مین شہر خلافت کمیٹی کے وہ صدر منتخب ہوئے، اور پورے شہر کو اپنے اخلاص، ایثار اور محبت سے گرویدہ بنا لیا، خلافت کانفرنس کلکتہ مین وہ صدر استقبالیہ بنائے گئے، اور کامیاب خدمات انجام دین جنکی یاد اب تک اہل کلکتہ کے دل مین ہے، ۱۰ مارچ کو جب میری زبانی کلکتہ مین ان کی وفات کی خبر پہنچی، وہان کے قومی کارکنون کو سخت صدمہ ہوا، وہ متوقع تھے کہ اجلاس جمعیۃ العلماء کے موقع پر میرے ساتھ وہ مرحوم بھی ہون گے، اور جب ان کو معلوم ہوا کہ میرے ساتھ وہ نہین، بلکہ ان کی حسرتون کی نعش آئی ہے تو چہرون پر ایک عجیب عالم طاری ہوگیا،

مدرسہ اسلامیہ کلکتہ کے بانیون نے جب مدرسہ کو بند کرنے کا تہیہ کر لیا، تو ان کے دوستون نے ان کو وہان سے ہٹا لینا مناسب سمجھا، چنانچہ وہ میرے اصرار پر کلکتہ سے لکھنؤ آئے، اور ۱۹۲۳ء مین دار العلوم ندوۃ العلماء مین ادب و تفسیر کی خدمت ان کے سپرد کی گئی، جسکو انھون نے آخر تک انجام دیا،

ان کو وجع مفاصل کی اکثر شکایت رہتی تھی، مئی ۱۹۲۵ء مین وہ اس عارضہ مین بیمار تھے، اور نقیہ ہوگئے تھے، اس وقت سے جو ان کی علالت کا سلسلہ شروع ہوا وہ ۹ مارچ ۲۶ء کو ختم ہوا، پانچ بجے مین

تندرست بھی ہوتے گئے، مگر مسلسل صحت قائم نہین رہی، ستمبر ۲۵ء مین ان کو معدہ و جگر کی خرابی کی بیماری ہوئی اور یہ ممتد رہی، نومبر مین کچھ افاقہ ہوا تو وہ اجلاس ندوۃ العلماء کے جلسہ مین گئے، وہان سے واپس آکر پھر طبیعت خراب ہوئی، مدرسہ سے رخصت لیکر مکان گئے اور اس کے بعد وہ اکثر رخصت ہی پر رہے،

بہرائچ مین ان کے بعض اعزہ مطب کرتے ہین، ان کے اصرار پر وہ بغرض علاج بہرائچ گئے اور وہان اصل مرض مین افاقہ ہوتا رہا کہ دفعۃً ان کے داہنے پاؤن مین سرطانی پھوڑا نمودار ہوا، جس پر ۲ مارچ ۱۹۲۶ء کو عمل جراحی کیا گیا، جو بظاہر کامیاب ہوا، یہ پھوڑا اس قدر کم اہم سمجھا گیا کہ ان کے وطن مین بھی اسکی اطلاع کی ضرورت نہین سمجھی گئی،

۵ مارچ کا دن گذار کر رات کو کچھ گھبراہٹ کے آثار ظاہر ہوئے، مگر صبر و استقلال کے اس مجسمہ نے تیمارداروں کو خود مطمئن کر دیا، ۶ مارچ کی صبح کو نماز فجر کے وقت نبض جب غیر منتظم پائی گئی تو ان کے طبیب و معالج رفیق و عزیز حکیم محمد نعیم انصاری ندوی نے مایوسی کی حالت مین ان سے کچھ وصیتین دریافت کین، حکیم صاحب لکھتے ہین کہ: "اس وقت انھون نے جو جوابات دیے وہ ایسے شخص کی زبان سے جسکی حالت بالکل غیر ہو رہی ہو، حد درجہ حیرت انگیز تھے" اس کے بعد خود وضو کیا اور نماز فجر ادا کی، ادھر سلام پھیرا اور ادھر ایک ہچکی کے ساتھ عبد رحمان، رحمان کے پاس پہنچ گیا، اسی دن کی شام کو بعد مغرب لکھنؤ سے دار المصنفین خبر پہنچی، یہ تار برقی نہ تھی ایک بجلی تھی جو دل پر گری، اور تمناؤن کے خرمن کو خاک و سیاہ کر گئی،

مرحوم کی وفات سے نوجوان طبقۂ علماء مین جس رکن کی کمی ہوئی اور ہندوستان مین مذہبی اصلاحی تحریک کو جو صدمہ پہنچا اس کا یقین ان کو کس طرح دلائین جو اس سے واقف نہ تھے، وہ ان لوگون مین نہ تھا جو اصل مذہب اور ضروریات مین تطبیق دیتے وقت مذہب کا پلہ ہلکا کر دیتے ہین، وہ ہمیشہ سے ایک ٹھوس مذہبی آدمی تھا، تقوی اور دینداری اس کے فضل و کمال کا زیور تھا، اکثر وہ لوگ جو اصلاحی

خیالات رکھتے ہین، عملاً مذہب مین کمزور ہوتے ہین، مگر اسکی ذات خشک و تر کا مجموعہ تھی، وہ حد درجہ مذہبی اور حد درجہ مصلحانہ تھا، اسکی تحریر و تقریر کا ایک ایک حرف مذہبی و اخلاقی اصلاحات کا دفتر ہے،

اس کے قلمی خیالات کا پہلا عکس مقالۂ خواتین اسلام ہے، یہ رسالہ کی صورت مین ہر ہائنس سرکار عالیہ بھوپال کے اعلان پر غالباً ۱۹۰۸ء مین مرحوم نے لکھا تھا، یہ رسالہ، مضمون کا اپنے موضوع مین منفرد ہے، اس مین آیات و احادیث کی روشنی مین عورتون کے فضائل، مناقب، حقوق، فرائض، اور اولیات بیان کئے ہین، اتفاق سے میرا بھوپال جانا ہوا، تو معلوم ہوا کہ ہر ہائنس نے اسکو پسند فرمایا اور دیکھا کہ اپنے دست خاص سے جا بجا اس پر بعض مباحث کے متعلق مزید تفصیل چاہی ہے، مین اس رسالہ کو بھوپال سے اپنے ساتھ لیتا آیا اور جون جولائی ۱۹۲۱ء کے معارف مین تھوڑی تمہید کے ساتھ شائع کیا،

سرائے میر کے قیام کے زمانہ مین مدرسہ کے طلبہ کے لیے حدیث و ادب کی تعلیم کے لیے امالی الحکم کے نام سے مرحوم نے ایک رسالہ لکھا اور وہ چھپا، اس مین وہ حدیثین یکجا کیگئی ہین، جو معنوی تعلیم کے علاوہ لفظی حیثیت سے بھی ادب عربی کی جان ہین، انھی دنون مین میری تالیف لغات جدیدہ کو جسکی ترتیب عربی سے اردو ہے، انھون بدل کر اردو سے عربی کر کے میرے پاس بھیجا، وہ مسودہ اب تک غیر مطبوع ہے، اسی زمانہ مین عید اضحیٰ کا ایک عربی اردو خطبہ لکھا تھا،

قیام کلکتہ کے زمانہ مین سیاسی مضامین مختلف مذہبی، اور فرضی افسانون کی صورت مین لکھے اور اخبارات مین شائع ہوتے رہے، اس قسم کے مضامین کا ایک مجموعہ "درس آزادی" کے نام سے لاہور کے ایک تاجر کتب نے شائع کیا ہے، "عدم تشدد کی نفی" ایک اور سیاسی رسالہ کا عنوان ہے جو کلکتہ ہی مین لکھا گیا تھا، خلافت کانفرنس کلکتہ کا استقبالیہ خطبہ صدارت بھی مطبوع ہے، انجمن تبلیغ الاسلام نگرام کے صدر کی حیثیت سے یہ سنکر کہ آریہ ستیارتھ پرکاش کو عراق عرب مین عربی مین شائع کرنا چاہتے ہین مرحوم نے مولانا ثناء اللہ امرتسری کی حق پرکاش کا حشو و زوائد نکالکر عربی مین ترجمہ کیا اور اسکا نام نور الحق رکھا اور وہ زیر طبع ہے ندوہ مین میری فرمائش سے عربی مین منطق پر ابتدائی رسالہ لکھا، مگر مرحوم کے اصلاحی خیالات کا سب بڑا مظہر سچ کہتا تھا

جبکہ وہ شریک اشاعت تھے، دو سال سے ہر ہفتہ وہ کسی نہ کسی مفید عنوان پر نہایت سادہ عبارت اور پُر تاثیر انداز میں مضامین لکھا کرتے تھے،

مرحوم نے ندوہ میں انگریزی بھی پڑھی تھی، اور اس میں تھوڑی استعداد بھی پیدا کی تھی، قدیم عربی تصنیفات کے مطالعہ کا بھی شوق تھا، اور اسمیں بڑی وسعت نظر پیدا ہو گئی تھی، مرحوم کا اصل فن ادب نہ تھا، تاہم وہ اس فن کی مشکل کتابیں پڑھاتے تھے، عربی میں برجستہ انشا پردازانہ مضامین لکھتے تھے، چنانچہ رسالہ الجامعہ کلکتہ میں دو تین مضامین ان کے نکلے تھے، عربی میں بلا تکلف گفتگو کرتے تھے اور اسی طرح فلسفہ و کلام کی کتابیں بھی وہ دیکھتے تھے، مگر اصلی ذوق انکا اصلاحی اور تجدیدی تھا اسی لیے علامہ ابن تیمیہ کی تصانیف کے وہ بیحد شایق تھے، سرائمیر کے قیام کے زمانہ میں حضرت مولانا حمید الدین سے تفسیر کا جو فیض اٹھایا وہ، قرآن پر مستقل قائم ہو گیا، مشہور کتب احادیث پر بھی انکی خاص نظر تھی،

یہ فضل و کمال تقریر و تحریر، مطالعہ و وسعت نظر تو الگ چیزیں ہیں، مرحوم کی زندگی کا اصلی جوہر اسکے اخلاق تھے، سراپا انکسار، سراپا تواضع، حد درجہ فروتن، مگر اسی کے ساتھ، حد درجہ بے نیاز، غنی نفس، بلند حوصلہ، اپنے اساتذہ اور بزرگوں کا حد درجہ لحاظ رکھنے والا، مطیع اور فرمانبردار، مگر اسکے ساتھ خدا کے سوا ہر بڑائی سے نڈر، اور ہر کبریائی سے بیخوف، ترک موالات کے زمانہ میں اعظم گڈہ اور کلکتہ میں انکی سیاسی تقریریں حد درجہ بلا انگیز ہوتی تھیں، مگر اسکا دل کبھی خوف سے آشنا نہیں ہوا، بڑوں بڑوں کے سامنے اظہار حق میں جلسا کی تواضع کے اس پیکر کی آنکھ نہیں جھکی، پوری جوانی اور شباب اس سادگی اور زہد سے گذار کہ زہد و سادگی کو بھی انکی جوانی پر رحم آگیا ہوگا، گاڑھے کا لمبا کرتا، سادی دوپلی ٹوپی اور اسی کا پائجامہ جو پہلے پہنا وہ اخیر تک جسم پر رہا، ترک موالات سے انکی وفاداری بہتیروں کی طرح صرف دکھاوے کی نہ تھی بلکہ وہ جلوت میں جسطرح ظاہر کرتا تھا، خلوت میں بھی اسی طرح تھا، اپنے شیروانی پہننے کیلئے بہت اصرار کیا، مگر غریبانہ تبسم جو اسکے چہرہ کا نور تھا، اس کے سوا اور کبھی کچھ جواب نہ دیا، جاڑوں میں کبھی ایک دو کمبل سے زیادہ نہیں اوڑھا، وہ انسان کی صورت میں ایک فرشتہ تھا، اُسنے نوجوان ہو کر اپنے اخلاق اور دینداری سے بوڑھوں کو شرمایا، ایکدفعہ ایک تقریب میں ہم سب شریک تھے، وہ صرف اسلیے اٹھ آئے کہ اس میں انگریزی باجہ بجایا گیا،

اے عبدالرحمٰن! تو گیا اور ہمیشہ کیلیے گیا تو نے علما اور مسلمانوں کے سامنے اپنی زندگی کا نمونہ پیش کیا، اہل ایمان کی شہادت ہے کہ تیری زندگی خدا کے حضور معتبر ٹھہری، تو رحمت الٰہی کی گود میں مسرور ہوگا، لیکن ہم تیری جدائی میں اشکبار ہیں، تیرا جسم لحد خاکی میں ہے، مگر تیری یاد تیرے دوستوں کے دلوں میں ہے، تیری روحانی آرزو پوری ہو چکی لیکن تمہاری موت سے ہماری مادی آرزوئیں ناتمام رہیں، اور شاید اب وہ ہمیشہ کیلئے ناتمام رہیں، مرنا ایکدن سبکو ہی ہے افسوس اسکا ہے کہ تو آیا اور گیا مگر ہم لوگوں نے تجھکو پہچانتے نہ پایا،

مقالات

جمعیۃ العلماء کا خطبۂ صدارت

خاتمۂ سخن

جمعیۃ العلماء کی صدارت کے تعلق سے جو بسیط خطبہ مین نے دیا ہے، وہ خود معارف کی ایک اشاعت کے برابر ہے، اور اس کے بعض خیالات معارف مین پہلے شائع ہو چکے ہین، خاتمۂ سخن کے طور پر جو باتین آخر مین خاص ہندوستان کے متعلق عرض کیگئی ہین، ناظرین معارف کو ان سے بھی آگاہ رہنا چاہیے،

خطبۂ صدارت الگ رسالہ کی صورت مین بھی مطبوع ہے،

حضرات! دوسری ضروری چیز یہ ہے کہ ہم اپنی تمام قوتون کو ایک مرکز پر جمع کرین، ہمارے خیالات واعمال مین جو ایک طوائف الملوکی پیدا ہے، وہ دور ہو، حالت یہ ہے کہ ہم کو مذہبی، تعلیمی، سیاسی، اقتصادی، اصلاحی، تبلیغی، ہر قسم کی ضرورتین ہین، اور ان ضرورتون کے لیے ہمنے الگ الگ انجمنین قائم کر لی ہین، جنمین روزانہ تصادم رہتا ہے، اور ہر ایک کمی سرمایہ سے نالان ہے، اور ہر ایک اپنی مرکزیت کے لیے کوشان ہے، ہمکو معلوم ہے کہ اونچے طبقہ کے لوگ اور اعلیٰ تعلیمیافتہ اصحاب کی جماعت اس پسر دی کے ننگ کو گوارا نہ کریگی، لیکن بہرحال ملت کی کثیر تعداد جو عام طبقون پر مشتمل ہے، ضرور اس مین شرکت پر آمادہ ہوگی، ہم کو ضرورت ہے کہ ہم پھر اپنی ملت و قومیت اور تنظیم کی بنیاد اپنی سیزدہ صدسالہ بنیاد پر قائم

کرین اور اصلی جماعت اسلامیہ نبین، تاکہ ہم دشمنون کے مقابلہ مین قوت کا ثبوت دےسکین،

ہندوستان کے ہر طبقہ کے مسلمانون کو یہ حقیقت پیش نظر رہنی چاہیئے، کہ آئندہ ہندوستان کی جو شکل وصورت بھی ہو، بہرحال یہان کی حکومت اسلامی نہ ہوگی، بہتر سے بہتر جو صورت خیال مین آسکتی ہے وہ ایک متحدہ جمہوریت کی ہے، اسلیے ہرحال مین مسلمانون کے لیے ضرور ہوگا کہ اپنے قومی و مذہبی ضروریات کے اپنے آپ کفیل ہون، اور یہی ضرورت بعینہ اس وقت بھی ہے، مسلمانون کی، سلامی و مذہبی تعلیم ان کے مدرسے ان کی مسجدین، ان کے اوقاف، ان کے نکاح وطلاق، وراثت وغیرہ قوانین و مسائل خاص محکمون کے محتاج ہین، اور آئندہ بھی رہین گے، اس وقت ہم جس بے نظامی اور بے ترتیبی کی زندگی بسر کر رہے ہین، وہ حد درجہ قابل افسوس ہے، نظر اٹھایئے، ہم سے کہین کم تعداد مین مسلمان، فلپائن، آسٹریا، ہنگری، بلگیریا، زیگوسلیویا، اور یونان مین ہین، تاہم ان کے تمام قومی و مذہبی صیغے مفتی اعظم کے ماتحت منتظم اور باقاعدہ ہین، ابھی اسی ماہ کے اخیر ہفتہ مین ریوٹر نے ہم کو مطلع کیا ہے، کہ پولینڈ کے تمام مسلمانون نے جمع ہوکر ۲۵ ارکان کی ایک مجلس ترتیب دی ہے اور اس مین چند کارکن منتخب ہوئے ہین، ایک صدر کا انتخاب کیا ہے، تاکہ وہ اس وحدت تنظیمی کے سایہ مین اپنی اسلامی زندگی کو قائم رکھ سکین، مگر افسوس ہے کہ اس سات کروڑ انسانون کی آبادی کا گروہ اب تک وحدت مرکزی کے اصول کے سمجھنے سے قاصر ہے،

ہندوستان مین، اب، اور سب سے زیادہ آئندہ مسلمانون کو اپنی بقا کے لیے ضروری ہے کہ وہ ایک امارت شرعی کے ماتحت اپنے کو منتظم کرین، تعلیم یافتہ اصحاب کو شبہہ ہے کہ علماء اس پردہ مین اپنی کھوئی ہوئی جاہت کو دوبارہ قائم کرنا چاہتے ہین، اسلیے یہ صاف کر دینا چاہیئے، کہ اگر ٹرکی مین مصطفےٰ کمال، مصر مین سلطان فواد، عرب مین ابن سعود، ریف مین محمد بن عبدالکریم ریاست اسلامی کا دعوی کر سکتے ہین اور اور ہم لوگ اس کے قبول کرنے کو تیار رہین تو کوئی وجہ نہین کہ ہم ہندوستان مین ایک غیر مسلح، اہل اور صاحب لیاقت قائد کے ہاتھ پر بیعت نہ کرسکین، اس کے لیے باقاعدہ بوریانشین عالم ہونے کی ضرورت نہین صرف

اس کے دل کو اسلام سے آشنا ہونے کی حاجت ہے، اس کے لیے اپنے مذہب اور مذہبی احکام سے ایک حد تک واقف ہونے کی ضرورت ہے، اس قائد کے ماتحت ایک منتخب مجلس شوریٰ ہو، اس کے ماتحت تعلیم و تبلیغ تالیف و اشاعت، سیاست، اصلاحات، غیر ملکی تعلقات، مالیات کے مختلف شعبے ہوں، ہر ایک شعبہ کا ایک ایک علیحدہ مدیر و ناظم ہو، تمامی محاصل و زکوٰۃ ایک جگہ جمع ہو کر ضروریات پر تقسیم ہوں، اور اسی اصول پر صوبوں کی امارتیں ہوں، اور ان کے ماتحت اضلاع کی وعلیٰ ہذا القیاس، اسی کے ماتحت نکاح، و طلاق و وراثت وغیرہ کے محکمے ہوں، اور دار الافتا ہوں، جہاں سے جدید ضروریات کے متعلق فتوے صادر ہوں، تاکہ سارے ملک میں اس مسئلہ میں جو بے ترتیبی ہے وہ دور ہو،

چند سال پہلے جب اس کے لیے موسم مناسب تھا، محض اس لیے بعض اکابر نے اس سے پہلو تہی کی، کہ تمام مسلمان اس پر متفق نہیں ہو سکتے، اسلیے جب تک اتفاق عام نہ ہو جائے، اسکو قائم نہ کیا جائے میری رائے میں صد درجہ غلطی ہے، یہ ناممکن ہے کہ کسی طاقت کے بغیر تمام مسلمان از خود ایک مرکز پر متفق ہو جائیں، اسلیے اس خیال خام سے ہٹکر ہم کو صرف یہ کرنا چاہیئے کہ صوبوں میں اس کے متعلق کوششیں کریں، جن صوبوں میں مسلمان بالکل صفر ہیں، جیسے مدراس، ممالک متوسط وغیرہ، وہاں اسکی سب سے پہلے ضرورت ہے، اور جس قدر مسلمان بھی اس مسئلہ پر متفق ہو سکیں اور اس تحریک پر آمادہ ہو سکیں ان کو ساتھ لیکر آگے بڑھنا چاہیئے، آیندہ اس سلسلہ کی خود وسعت ہوتی رہیگی، تا آنکہ کسی وقت تمام مسلمان اس حلقہ میں آجائیں، اسلام کے عقیدہ میں نظم و جماعت کے بغیر ہم صحیح اسلامی زندگی پر یقیناً قائم نہیں ہیں، کہ نصب الامامۃ واجبٌ؛

جو لوگ اس حقیقت کی تسلیم سے اختلاف کرتے ہیں، کیا وہ امامت کے اصولی مسئلہ پر اعتقاد نہیں رکھتے، کیا ان کے نزدیک مسلمانوں کی اتنی بڑی آبادی میں کسی امامت کی ضرورت نہیں، یہ کہنا کہ امامت کیلئے نفوذ و اقتدار ضروری چیز ہے، صحیح ہے، لیکن یہ کامل امامت کی شرط ہے، مسئلہ کی

صورت تو یہ ہے کہ اگر مسلمان کسی امر واجب کے ادا کرنے کی کما حقہ اور اس کو پورے شرائط کے ساتھ ادا کرنے پر قادر نہین ہے، تو آیا وہ واجب اس سے ساقط ہوجائے گا، یا حسب استطاعت جہان تک اسکی وسعت و قدرت مین ہو، اس کو ادا کرنا ضرور ہے، نماز کے لیے قیام و قعود اور قرآن پڑھنا تو ضروری ہے، لیکن اگر کوئی بیمار یا اپاہج یا گونگا اس پر قدرت نہ رکھے تو اس سے نماز ساقط ہوجائے گی، یا نماز واجب رہے گی، اور اسکو ادا کرنا اسکی طاقت اور وسعت کے مطابق فرض ہوگا، لَا یُکَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا

حضرات! سوال یہ ہے کہ آیا ہر ناحیۂ بعیدہ کی امت پر اپنے اپنے ناحیہ مین نصب امامت واجب ہے یا نہین؟ اگر ہے تو اس بنا پر کہ اس کے نفوذ و اقتدار وغیرہ کے شروط پورے نہین ہوسکتے وہ واجب اس سے ساقط ہوجائے گا، یا جس طرح جس حد تک، اور جس صورت تک ممکن ہوگا، اس کا ادا کرنا ضروری ہوگا، مسلمانون کی تاریخ مین کیا ایسے واقعات نہین کہ انھون نے اپنی محکومی اور عدم استطاعت کی حالت مین بھی ایک نوع کی تنظیمی مرکزیت قائم رکھی، چھٹی صدی مین جب کافر تاتاریون نے ایران و خراسان و ترکستان و عراق پر قبضہ کرلیا تو کیا علمائے وقت نے اُس کے لیے مسلمان والی کے مطالبہ کا مسئلہ پیش نہین کیا؟ جو آج ہماری کتب فتاویٰ کا ایک باب ہے، اس وقت بھی جب مسلمانون کا اوج اقبال تھا تجارتی ضرورتون سے ان کو دوسری غیر اسلامی سلطنتون مین آمد و رفت اور سکونت اختیار کرنی پڑتی تھی، لیکن انکی اسلامی تنظیمی وحدت کا سر رشتہ یہان بھی ان کے ہاتھ سے نہین چھوٹتا تھا، تیسری صدی ہجری مین مسلمان تاجرون کی نوآبادی چین کے شہر خانفو مین تھی، مگر وہ کس طرح رہتے تھے، اور ان کے احکام و معاملات کیونکر فیصل پاتے تھے، سلیمان تاجر اپنے تیسری صدی ہجری کے سفرنامہ مین لکھتا ہے،

ان بخانفو وھو مجمع التجار سجلا مسلما	شہر خانفو (چین) مین جو (مسلمان) تاجرون کا مرکز ہے،
یولیہ صاحب الصین الحکم بین المسلمین	ایک مسلمان ہے جسکو شاہ چین ان مسلمانون کے درمیان
الذین یقصدون الی تلك الناحیۃ	فصل احکام کے لیے مقرر کرتا ہے جو اس ملک مین جاتے ہین

یتوخی ملك الصین ذلك واذا كان فی	شاہ چین اسکو چاہتا ہے، اور عید جب آتی ہے تو وہ مسلمانون
العید صلّی بالمسلمین وخطب ودعا لسلطان	کی نماز کی امامت کرتا ہے، اور خطبہ پڑھتا ہے، اور بادشاہ اسلام
المسلمین وان التجار العراقیین لا ینکرون	کے لیے دعا کرتا ہے، اور عراقی تاجر اسکی ولایت کے احکام اور
من ولایته شیئاً فی احکامه وعمله بالحق	حق کے ساتھ اور کتاب الٰہی اور احکام اسلامیہ کے ساتھ
وبما فی کتاب الله عز وجل واحکام الاسلام	اسکے جاری کردہ حکمون سے سرتابی نہین کرتے،

(مطبوعہ پیرس ۱۸۱۱ء)

عراقیون کی فارسی زبان مین اس مسلمان والی، یا قاضی کا نام ہنرمند تھا، جو عام استعمال مین ہنرمن بولا جاتا تھا، خود ہندوستان کے مختلف ساحلی شہرون مین جہان جہان مسلمان آباد یان تھین، یہ ہنرمند غیر اسلامی سلطنتون مین اسلامی تنظیم وقضا کے ذمہ دار نظر آتے ہین،

چوتھی صدی ہجری کے جہاز ران بزرگ بن شہریار اپنے سفرنامہ عجائب الہند مین صیمور (دمن) کے قریب) مین عباس بن ماہان سیرافی ہنرمند کا تذکرہ کرتا ہے،

انه کان بصیمور رجل من اہل سیراف یقال	صیمور مین سیراف کا ایک شخص تھا جسکو عباس بن ماہان کہتے
له العباس بن ماہان وکان ہنرمن المسلمین	تھے اور جو وہان مسلمانون کا ہنرمند تھا اور شہر کا ذی وجاہت
بصیمور ذو وجه البلد والمنضوی الیه	اور وہان کے پناہ گزین مسلمانون کا مرکز تھا،
من المسلمین (صفحہ ۱۴۲ ایریل) ـ	

وہان کا راجہ مسلمانون کے متعلق اسی کے فتوی پر فیصلہ کرتا تھا، اسی مقام مین ۳۰۴ھ مین مشہور سیاح مسعودی پہنچتا ہے، وہ کہتا ہے،

علی الهنرمنة یومئذ ابو سعید معروف	ہنرمندی کے منصب پر ان دنون ابو سعید معروف بن زکریا
بن زکریا، والهنرمنة یراد به رئیس المسلمین	تھا اور ہنرمند سے مراد رئیس المسلمین ہے اور اوس کی

وذلک ان الملک یملک علی المسلمین رجلا من رؤسائهم تکون احکامهم مصروفة الیه (مروج الذہب ۲ صفحہ ۶۰ یورپ)

صورت یہ ہے کہ راجہ مسلمانون پر ان کے رئیسون مین سے ایک کو افسر بنا دیتا ہے، مسلمانون کے تمام مقدمات و معاملات اسی کی طرف رجوع ہوتے ہین،

حضرات! یہ تو گذشتہ عہد کا بیان تھا، آج بھی مسیحی طاقتون کے ماتحت جہان مسلمان آباد ہین، کسی نہ کسی حیثیت سے اس قسم کی تنظیم جاری ہے، ابھی تو نو پید الملک پولینڈ کے مسلمانون کی مجلس کا ذکر کر چکا ہون بولشویک روس مین بھی مسلمانان قازان کی مجلس دینیہ اسلامیہ کے ماتحت زندگی بسر کرتے ہین، خود ہندوستان مین سلاطین کے عہد مین صدر جہان کے نام سے اس قسم کا عہدہ قائم تھا جس کے ماتحت تمام قضاۃ و محتسب دائر ہوتے تھے، تاتاری کافرون کے استیلاء کے زمانہ مین اس عہد کے علماء نے اسی بناء پر "مسلمان والی" کے پہلو پر زور دیا، ممکن ہے کہ بعض اصحاب گذشتہ مثالون کو سامنے رکھکر یہ کہین کہ اس کے لیے حکومت مستولیہ کی حمایت و منظوری ضروری ہے تاکہ یہ منصب صاحب نفوذ و اقتدار ہو سکے، اگر اس قسم کے معترضین کی اصلی غرض یہی ہے تو ان کو اصل مسئلہ کے انکار کے بجائے صاف صاف اپنی اس نیت کا اظہار کر دینا چاہیئے، ہمارے نزدیک تو مقصود مسلمانون کو فائدہ پہنچانا ہے، اور وہ ان کے گلے مین ایک اور طوق کے اضافہ سے ممکن نہین، اس مسئلہ کے شرعی پہلو پر امارت شرعیہ بہار نے اس قدر مواد فراہم کر دیا ہے، کہ شک کی مزید گنجائش نہین،

حضرات! اس قسم کے نظم ملت سے مقصود یہ ہے کہ مسلمانون کی وحدت ملی نمایان ہو، ان کے تمام مذہبی و ملی کام منتظم ہون، ان کی ضرورتین پوری ہون، ان کے مصارف و مداخل ملی مین ایک تنظیم پیدا ہو، اور اصلی جماعتی روح ان مین نمایان ہو، دار الافتاء، دار القضاۃ اور بیت المال کا قیام ہو، ان کے غریبون اور محتاجون کی باقاعدہ امداد ہو، ان کی معاشرتی خرابیون کی اصلاح ہو، تبلیغ و اشاعت کا سلسلہ قائم ہو، ان کے مکاتب و مدارس مالی نزع سے نجات پائین،

اس نظم ملت کے نہ ہونے کی وجہ سے مسلمانوں کے تمام اعلیٰ و ادنیٰ طبقے نکاح و طلاق و وراثت کی سخت معاشری مشکلات میں ہیں، آجکل آپ میں سے جن اصحاب کے پاس ملک کے اطراف سے فتوے آتے ہوں، وہ گواہی دینگے کہ اعلیٰ طبقہ کی عورتیں خلع کے رواج پذیر نہونے کے باعث کس قدر مصیبت میں ہوتی ہیں، ظالم شوہروں سے نجات پانے کے لیے انتہا یہ ہے کہ اعلیٰ خاندان کی عورتیں شومیِ قسمت سے تبدیل مذہب تک کی جرأت کر لیتی ہیں، نیچے طبقہ کی مسلمان عورتوں میں فوری و بدعی طلاق کی صورتیں مفقود الخبری، عدم ادائے نفقہ اور فسخ نکاح کی متعدد صورتیں پیش آتی ہیں، جنکے علاج سے ہم اس نظم و امارت کے بغیر قطعاً مجبور ہیں، کیا امتِ محمدیہ کی یہ حالت علمائے کرام اور مسلمانوں کی توجہ کے لائق نہیں، اوقاف کی بے ترتیبی، مساجد کی کس مپرسی، اماموں کی جہالت، اصلاح کا محتاج نہیں مسلمانوں میں شادی بیاہ کے مراسم مشرکانہ افعال اور امور اعتقادی کی ظاہر مثالیں ہم کو ادائے فرض کی دعوت نہیں دیتیں، مسلمانوں کی اقتصادی بربادی سب سے زیادہ توجہ کے لائق ہے جسکا بڑا سبب علاوہ دیگر خلاف شرع اعمال کے یہ مراسم بھی ہیں، ہمارے صوبہ بہار میں آج سے پچاس ساٹھ برس پہلے بہار زمینداری مسلمانوں کے ہاتھ میں تھی اور آج انھیں فضول خرچیوں کی بدولت بہار دوسروں کے ہاتھ میں ہے، دولت ان کے ہاتھ میں ہے، اسی لیے ضرورت ہے کہ جدید اقتصادی و مالی مشکلات پر شرعی حیثیت سے علماء غور کریں، اور جدید اقتصادی و مالی صورتوں میں جس صورت کا جو حل اور جواب ہو اسکی اشاعت کیجائے، سب سے زیادہ پرشور مسئلہ آجکل ہندوستان میں اخذ ربا کا ہے، نیز سرکاری بنکوں ڈاکخانوں اور کواپریٹو سوسائیٹیوں سے اخذ منافع کا ہے، نقدین کا کاروبار مسلمان نہیں کرتے کیا اسکی طرف توجہ کی ضرورت نہیں، تجارتوں کی طرف مسلمان ملتفت نہیں، اسراف انکا خاص امتیاز ہے، یہ تمام باتیں علماء کے طے کرنے اور جمعیۃ العلماء کے حل کرنے کی ہیں، اور نظم ملت کے فرائض میں ہیں، مسلمان قوموں کے لیے یہ امر کس درجہ باعث شرم ہے کہ انکی برادری میں بعض ایسی قومیں الله ایسے

خاندان بھی ہین جو وراثت کی نص صریح سے روگردان ہو کر رواج کو اپنا قانون بنائین، اور علانیہ ایک عدالت مین مسلمان اپنی قومیت بتا کر پھر یہ کہین کہ قرآن پاک ہمارا قانون نہین، بلکہ خاندانی رواج ہمارا قانون ہے، پنجاب اور بمبئی کی بعض مسلمان قومون مین ہندو قانون کی پیروی کس حد درجہ افسوسناک ہے، لڑکیون کو ان کے حق وراثت سے محروم رکھنا جاہلیت کا وہ طریق ہے جس کے مٹانے کے لئے سرکار عالم محمد رسول اللہ صلعم کی بعثت ہوئی، بمبئی کے کچھ میمنون مین اور بعض دوسری قومون مین افسوس ہے کہ اس جاہلیت کی رسم پر اب تک عمل درآمد ہے، اور سب سے زیادہ یہ سنکر مجھکو افسوس ہوا ہے کہ پونہ کے بعض بنے ہوئے مولویون نے ایسے ظالمون کی حمایت مین کچھ مسئلے گھڑے ہین، انا للہ

حضرات! ہندوستانی مسلمانون کو دشمنون کے معنوی حملون سے بچانے کے لیے سوائے اس کے اور کوئی تدبیر نہین ہے کہ ناقص مسلمانون کو کامل مسلمان بنایا جائے، شدھی کے روکنے کے لیے یہی تدبیر ہے کہ دیہاتون اور دور دراز علاقون اور خاص نومسلم رقبون مین بکثرت مذہبی مکاتب جاری کئے جائین، غور فرمائیے کہ ایک مسلمان کو مسلمان بنانا یہی ہے کہ اسکو علم اسلام سے آگاہ نہ کیا جائے، اگر مسلمانون کا کوئی رقبہ مذہبی تعلیم سے سراسر ناآشنا ہے، تو وہ بظاہر جو کچھ ہو عملاً وہ گویا مسلمان نہین اور اس مین اور اس کے ہمسایہ ہندؤن مین چندان فرق نہ ہوگا، اسلئے کیا تعلیمی، کیا اصلاحی اور کیا تبلیغی ہر حیثیت سے دیہاتون مین مسلمانون کو مذہبی جہالت سے نکالنا سب سے بڑا فرض ہے،

ایہا السادہ، اسی سلسلہ مین جمعہ کے خطبون کی اصلاح بھی اشد ضروری ہے، اہلحدیث اصحاب اور بہت سے علماء نے تو اردو زبان مین خطبہ دینے کے جواز کو تسلیم کر لیا ہے، تاہم اب بھی بہت سے علماء کو صرف اردو زبان مین خطبہ دینے مین تامل ہے، اگر اتنا بھی تسلیم کر لیا جائے کہ عربی کے ساتھ ساتھ اردو مین دینا جائز ہے، تو بہت کچھ اصلاح ہو سکتی ہے، کسی اختلافی مسئلہ کو چھیڑنے کا جرم عائد نہ کیا جائے تو کہا جا سکتا ہے کہ غیر مجوزین کے پاس سوائے عمل سلف کے غیر عربی زبان مین خطبہ کے عدم جواز کی

کوئی دلیل نہین، عمل سلف کے استدلال کے متعلق عرض ہے کہ طریق سلف کے مطابق خطبہ مین حسب ذیل خصوصیتین ہوتی تھین، وہ عربی زبان مین ہوتا تھا، وہ زبانی پڑھا جاتا تھا، کسی کتاب مین دیکھ کر نہین پڑھا جاتا تھا، اسکی صورت تلاوت اور قرأت کی نہ تھی بلکہ مختصر زبانی تقریر کی ہوتی تھی، اس مین آیات و احادیث کے التزام کے ساتھ مسائل حاضرہ و متجددہ پر مسلمانون کو فہائش ہوتی تھی، ایک ہی خطبہ کسی کا لکھا ہوا صدیون تک نہین پڑھا گیا، وہ سلاطین زمانہ کی مدح و ستائش سے پاک ہوتا تھا، اس مین تعقید نہین ہوتی تھی، وہ مقفی اور مسجع بے معنی عبارت نہین ہوتی تھی، مگر ان تمام خصوصیات کو بلا نکیر ترک کر دیا، اور صرف عربی کی خصوصیت پر زور دینا قرین صواب نہین، اگر عربی کی قید نہ رہے تو حصول فوائد کے علاوہ محض ایک "بدعت" کو قبول کرکے متعدد بدعات سے ہم محفوظ ہو جائینگے جمعیۃ العلماء کی تجویز مین یہ چیز بھی آنی چاہئے کہ وہ سال بسال اماموں کی ہدایت کے لیے مختلف خطبے جو ضروری و پیش آمدہ ضروریات پر محتوی ہون شائع کرتی رہے، اسی طرح قرآن مجید جو تمام دنیا کے لئے آیا ضرورت ہے کہ اس کے ترجمے تمام دنیا کی بانون مین ہون تاکہ قرآن بلسان قومہ ہو کر رب کی ہدایت کو ہر جگہ عام کر دے، خدا حضرت شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی اور ان کے خاندان پر رحمت بھیجے جنھون نے فارسی و اردو ترجمہ کرکے اس مسئلہ کو علمائے خلف کے اختلاف آرا سے بچا لیا، مصر و ترکی مین اب تک قرآن پاک کے جواز ترجمہ اور عدم جواز مین معرکۃ الآرا بحثین درپیش ہین لیکن اے صاحبو! اسی کے ساتھ اس فتنہ کو بھی روکنا چاہیئے جو آجکل ہندوستان مین عام ہو رہا ہے، کہ ہر اہل و نا اہل تجارتی اغراض سے ایک نئے ترجمہ کی بدعت مین گرفتار ہے، ان ترجمون مین باہم اس درجہ اختلاف ہے کہ خدانخواستہ اگر اصل (بحکم وانا لہ لحافظون) محفوظ نہ ہو تو تحریف کے عمل گناہ سے مفر نہین، یہانتک کہ بعض جاہل و طامع تاجرون نے قرآن پاک کے منظوم ترجمہ کی بھی جرأت کی مگر افسوس ہے کہ ہم اپنی شرعی امارت و نظم ملت نہ ہونے سے اس کا کوئی علاج نہین کر سکتے،

اس کے ساتھ قرآن پاک کی طبع و اشاعت کی احتیاط کا بھی سوال ہے، ہمارے نزدیک تو قرآن پاک کو غیر اسلامی مطابع مین چھپنے کے قانونی مسئلہ پر زور دینا چاہیئے، اسی کے ساتھ مطابع اور اسلامی ملک کی جس مین سب سے آگے لاہور کے مطابع ہین، قرآن پاک کے اعراب و الفاظ وغیرہ کی تصحیح مین بے پروائی سخت افسوسناک ہے ہمنے چند قرآنون کو ایک ساتھ ملا کر دیکھا تو ہر صفحہ مین غلطیان نظر آئین، پیشاور کے ایک بزرگ نے اس قسم کی غلطیون کی مثالین چھاپکر شائع کی ہین، اور افسوس ہے کہ صاحب مطبع ہونے کی بنا پر اس گناہ مین ہم بھی کسی قدر شریک ہین، مصر و ترکی مین قرآن پاک کی تصحیح مین سرکاری طور سے اس قسم کی تصحیح اور صحیح قرآن چھاپنے کی کوشش کیجاتی ہے، ابھی حال مین اسی ترکی مین جسکو شاید بہت سے لوگ بیدین ترکی کہنے کو تیار ہو جائین گے حکومت نے اپنی خاص نگرانی مین قرآن پاک کی اشاعت کی،

حضرات! جب یہ سطرین زیر تحریر تھین، مصر سے ایک نئی تالیف نقض کتاب الاسلام واصول الحکم محمد خضر حسین سابق مدرس جامع زیتونہ و قاضی محکمۂ شرعیہ تونس کی موصول ہوئی، جسمین مصنف نے قاضی عبدالرزاق مصری کی کتاب الاسلام و اصول الحکم کا جس کے فتنے کا ذکر پہلے آچکا ہے، نہایت شافی وکافی جواب دیا ہے اور ثابت کیا ہے کہ اسلام اور سیاست کبھی مذہبًا الگ نہین ہو سکتے، اور اسلامی قوانین کی بنیاد شریعت پر رکھی جا سکتی ہے نہ کہ رومن لا اور قوانین یورپ پر، جزاہ اللہ خیر الجزاء، ضرورت ہے کہ ہماری جمعیۃ العلماء بھی اس بارہ مین مصر و تونس کے علمائے حق کی تائید اور مخالفین سے اپنی برأت ظاہر کرے،

آخر مین ایک چیز کی طرف مجھکو اور مسلمانون کو متوجہ کرنا ہے، اور وہ دار الاسلام ہے، مدت سے یعنی ۱۹۰۸ء سے جب مین ندوۃ العلماء کے صیغۂ اشاعتِ اسلام کا نائب ناظم تھا، یہ خواہش میرے دل مین ہے کہ نومسلمون کے قیام و تعلیم و تربیت کے لیے کوئی خاص جگہ بنائی جائے، جسکا نام دار الاسلام ہو، جس طرح یتیم خانے آپ نے قائم کئے ہین، نومسلم خانے بھی آپ قائم کیجئے، عہدِ حکومت مغلیہ مین دار دفتر

جدید الاسلام کے نام سے ایک عمدہ تھا نومسلمون کی غور و پرداخت وغیرہ اس کا فرض تھا، اس کو بہت سی سرکاری اعانتین ملتی تھین، جبکل جو لوگ اسلام قبول کرتے ہین، انکی بہت بری حالت ہوتی ہے، اسلام کے بعد سب سے پہلی تعلیم جو ان کو دیجاتی ہے وہ گداگری کی ہے، کیا یہ اسلام کے شایان شان ہے ؟ زکوٰۃ کے مصارف مین اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگون کا ایک حصہ رکھا ہے اور اس مد سے باقاعدہ اسکے لیے مصارف ادا ہوسکتے ہین، پھر تبدریج یہ بھی ضروری ہے کہ ملک کے مختلف خاموش اطراف مین اس قسم کے متعدد دوار الاسلام قائم ہون، جہان ایک سے دوسری جگہ نومسلم حسب حال منتقل ہوسکین، اور وہان وہ کچھ اسلامی تعلیم اور کوئی حرفت سیکھین، یا مسلمان زمیندار ان کو کاشتکاری کے کامون مین لگائین، غور کیجئے کہ اس وقت چھوٹی چھوٹی صنعت و حرفت کے تمام کام دیسی نوعیسائیون کے ہاتھون مین ہین، علاقہ ترہت کے راج مین جسقدر دیسی عیسائی ہین وہ بڑھئی اور لوہار کے کام سے بخوبی اپنی پرورش کر رہے ہین، پونہ، لاہور، لکھنؤ وغیرہ بڑے شہرون مین جلدسازی، چھپائی، اور اسٹیشنری کے متفرق کام انکو سکھائے جاتے ہین، کیا آپ ایسا نہین کرسکتے

حضرات ابھی تو کہنے کی بہت باتین ہین، خوشنما تجویزون کا ایک انبار لگایا جاسکتا ہے، لیکن جب خیال آتا ہے کہ ہم کو کہنے کی جسقدر قوت ہے، افسوس اس قدر کرنے کی نہین تو وعید لم تقولون ما لا تفعلون سے ڈر معلوم ہوتا ہے ؛

فلو ان قومی انطقتنی رماحهم

اگر میری قوم کے نیزے مجھے نطق بخشتے تو مین بولتا ،

نطقت ولکن الرماح اجرت

لیکن افسوس کہ انھون نے میری زبان بند کر دی ہے

ونسأل اللہ التوفیق لما یحب ویرضی، والعاقبۃ للمتقین

سراج اورنگ آبادی،

از مولوی بشیر احمد صاحب برہانپوری پنشین ٹیچر ہائی اسکول دھولیا،

جب سے یہ پتہ چلا ہے کہ دکن اردو کا گہوارہ تھا، اور دکنی صدہا سال قبل اردو کی نظم و نثر پر حاوی تھے، تب سے خطۂ دکن مین ایک ہلچل سی پیدا ہو گئی ہے، اور ہر فرد بشر اس دھن مین ہے کہ کوئی پرانی کتاب مل جائے، تاکہ اسلاف کے زرین کارنامے منظر عام پر لائے جائین، خدا کا شکر ہے کہ اہل دکن کی یہ کوششین رائگان نہین گئین، آئے دن ایک نہ ایک کتاب دستیاب ہو ہی جاتی ہے، پہلے پہل کلیات قلی قطب شاہ نے اہل شوق کو اپنے دیدار سے مسرت بخشی، بعد ازان سب رس نے شائقین کو سوم رس پلایا، اس کے بعد طوطی نامے کا طوطی بولا، اور اب دیوان سراج نے اپنے چہرے سے فروغ نو پیدا کیا ہے،

یہ دیوان جناب سید قادر محی الدین جیلانی صاحب ساکن اورنگ آباد کے ہان دستیاب ہوا، سراج کی ایک اردو مثنوی موسوم بہ بوستان خیال بھی ان کے پاس تھی، جو چند روز قبل حیدرآبادی حضرات لے گئے، سراج نے پہلے اپنے رطب و یابس کلام کا ایک کلیات ترتیب دے رکھا تھا، اور زیر بحث دیوان اسی کا انتخاب ہے چنانچہ خود مصنف نے اس کے بارے مین لکھا ہے کہ ؎

اے سراج اس منتخب دیوان کے سب ریختے خاص ہین کی خامۂ مژگان خوبان سے ہین لائق صاد کے

یہ دیوان نہایت خوشخط ہے، اور ۱۱۶۱ھ کا لکھا ہوا ہے، جدول سنہری ہے اور کہین کہین درمیان مین سنہری افشان بھی ہے، شروع کے چند صفحات پہ نہایت نفیس نقش و نگار ہین، تقطیع معارف کے برابر ہے اور صفحات ۲۰۵ ہین، اختتام پر مندرجہ ذیل عبارت تحریر ہے :-

"تمت تمام بعون الملک العلام - دیوان من تصنیف شاہ سراج الدین صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ

بروز دوشنبہ شہر صفر المظفر سنہ ۱۱۶۱ھ ،

یہ دیوان شاید خواجہ محمد جان صاحب بہادر قوی جنگ کے کتبخانے میں رہ چکا ہے، چنانچہ مندرجہ بالا عبارت کے نیچے ان کی اس طرح مہر ثبت ہے۔

مہر خواجہ محمد جان بہادر
قوی جنگ ۱۱۸۵ھ

اس کے بعد یہ کتاب ایک فرنگی کپتان کے قبضے میں گئی جیسا کہ ان کے منشی میرزا محمد حسین کی عبارت ذیل سے ظاہر ہے:-

این کتاب از مال کپتان فارمن صاحب بہادر می باشد، خوش خرید نمودند کاتب الحروف میرزا محمد حسین عفی عنہ منشی صاحب مذکور، مورخہ ششم ماہ جمادی الاول ۱۲۳۳ھ،

زیر بحث دیوان سراج کے پہلے دیوان کے دس سال بعد لکھا گیا ہے، پہلا دیوان ۱۱۵۱ھ میں ترتیب دیا گیا تھا۔

حالات سراج

نام شاہ سراج الدین اور تخلص سراج ہے، سادات حسینی سے تھے، خاص اورنگ آباد کے باشندے تھے، شعرائے قدیم ان سے واقف تھے، میر تقی میر نے نکات الشعراء میں اور میر حسن نے اپنے تذکرۂ شعراء میں ان کا ذکر کیا ہے، لیکن دونوں کو سراج کے پورے پورے حالات معلوم نہ ہو سکے، اشعار بھی زیادہ نہ مل سکے، چمن بے نظیر میں چند غزلیں پائی جاتی ہیں، چونکہ یہ کتاب (چمن بے نظیر) بمبئی میں ۱۲۷۲ھ میں چھپی ہے، اسلئے ممکن ہے کہ اس کے مؤلف کو سراج کا دیوان ملا ہوگا، جناب نواب مصطفے خان شیفتہ اور عبد الغفور خان نساخ نے اپنے تذکروں میں سراج نام کے دو دو شاعروں کے حالات لکھے ہیں مگر اشعار جو مثالاً درج کئے ہیں وہ سراج اورنگ آبادی ہی کے ہیں، اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ تذکرہ نویسوں کو ان کے صحیح حالات معلوم نہ ہو سکے، ہاں لچھمی نارائن شفیق[1] نے گل رعنا اور چمنستان میں سراج کے متعلق جو کچھ لکھا ہے وہ واقعی صحیح ہے،

[1] لچھمی نارائن شفیق غلام علی آزاد کے شاگرد رشید اور سراج کے ہمعصر تھے، انھوں نے کئی تذکرے لکھے تھے جن میں بعض کتبخانۂ آصفیہ میں موجود ہیں۔

اوائل عمر ہی سے سراج کا رجحان تصوف کی طرف تھا، یہ کیفیت بارہ سال کی عمر سے شروع ہوئی اور سات سال تک یہی عالم رہا، حالت وجد مین زبان پر بیساختہ فارسی اشعار جاری ہوجاتے تھے،

ہوش مین آنے کے بعد حضرت شاہ عبدالرحمن صاحب چشتی کے مرید ہوئے، اور اپنے پیر بھائی عبدالرسول خان کے ایما سے اردو دیوان لکھا، پہلا اردو دیوان ۱۱۵۸ھ مین لکھا، سراج نے اپنے مقطعون مین کئی جگہ اپنے پیر شاہ رحمن کا نام دہرایا ہو، سراج نے ۱۱۷۷ھ مین وفات پائی،

دیگر تصانیف سراج | اردو دیوان کے علاوہ ان کا ایک کلیات بھی ہے، ایک مثنوی بوستان خیال ۱۱۶۰ھ مین لکھی، ایک فارسی دیوان بھی مرتب کیا تھا، مگر اب اس کا کہین پتہ نہین ہے، فارسی شعرا کے کلام کا ایک انتخاب کیا تھا، منتخب دیوانہا (۱۱۶۹ھ) اس کا تاریخی نام ہے،

شاگردی | میر نے نکات الشعرا مین لکھا ہے کہ سراج سید حمزہ دکنی کے شاگرد تھے، لیکن شعرائے دکن کے تذکرون مین سید حمزہ کا کہین پتہ نہین چلتا، لچھمی نارائن شفیق اورنگ آبادی اپنے تذکرۂ چمنستان مین اور افضل بیگ خان قاقشال تحفۃ الشعرا مین لکھتے ہین کہ سراج وہبی شاعر تھے، کسی کے شاگرد نہ تھے،

معاصرین سراج | سراج بڑے خوش نصیب تھے کہ غلام علی آزاد جیسے شاعر و ادیب ان کے ہم جلیس تھے، ان کے علاوہ، لچھمی نرائن شفیق، عبدالوہاب افتخار دولت آبادی، ظفر بیگ ظفر اورنگ آبادی، محمد فقیر درد مند اودگیری، مرزا محمد باقر شہید، موسوی خان جرأت، موسوی خان فطرت، عبدالقادر سامی، عارف الدین خان عاجز کے ساتھ صحبتین گرم رہا کرتی تھین،

شاگردان سراج | سراج کے دکن مین بیسیون شاگرد تھے جنمین سے مندرجہ ذیل قابل ذکر ہین،

(۱) خواجہ ابوالبرکات عشرت (۲) خواجہ عنایت اللہ فتوت، (۳) خواجہ اشرف علی خان فغان (۴) میرزا محمد جان نثار (۵) مرزا عطاء اللہ ضیا (۶) جے کشن داس بجان،

ولی کے بعد ریختہ کا بازار سراج ہی سے گرم ہوا، ولی نے ریختہ کی زمین مین جو پودے لگائے تھے ان کو سراج نے اپنی توجہ کی آب پاشی سے سرسبز کیا، چنانچہ سراج اس پر فخر کرتے ہوئے کہتے ہین ؎

تجھ بنا اے سراج بعد ولی　　کوئی صاحب سخن نہین دیکھا

ولی اور سراج کے زمانہ مین کچھ زیادہ فرق نہین ہے، ولی نے ۱۱۵۵ھ مین وفات پائی اور سراج نے ۱۱۷۷ھ مین اس دار فانی سے منھ موڑا، بہرحال سراج نے ولی کی آنکھین دیکھی ہین، اور چونکہ ولی کی غزلون پر مخمس لکھے ہین، اسلیے ممکن ہے کہ ان کے آگے زانوئے تلمذ بھی تہ کیا ہو، مخمسون مین ملحقہ مصرعون کو اس خوبی سے کھپایا ہے کہ ولی کے اشعار کا لطف دوبالا ہو گیا ہے،

سراج نے ذو معنی الفاظ اور ضلع جگت سے کام لیا ہے، جناب مولوی عبد الجبار صاحب صوفی ملکاپوری تذکرۂ شعرائے دکن مین فرماتے ہین کہ ولی کی طرح سراج کا کلام ایہام اور ذو معنی الفاظ سے پاک ہے، مگر ہم اس کے قائل نہین، کیونکہ بیسیون اشعار ایسے بھی ہین ملے ہین جو ایہام ذو معنی اور ضلع جگت کی مد مین داخل کئے جا سکتے ہین، مندرجہ ذیل اشعار اسی قبیل سے ہین:-

شعر سراج از بس عالم مین ہے زبان زد　　دیوان کی زمین ہے دیوان عام گویا،

گرچہ ماہ نو فلک پر ہے ہلالی وقت کا　　تاب کیا ہے بیت ابرو کا ترے لاوے جواب

پنجۂ عشق کے شکنجے سے　　مین ہوا شش جہت مین بارہ باٹ

اس مشتری جبین کا مجھے غم ہوا زحل　　طالع میرے کا نیک ستارہ کب آویگا،

زخم دل پر سلون کے مت ستم کا لون رکھ　　اے سلونے مان تو اپنی ملاحت کی قسم

وہ بھول مرا آج کدھر بھول پڑا ہے　　دل بھول کے بھولون نہ سماوے تو بجا ہے

کر اس سوزن پلک نے دل تنگ　　حمایت کے لیے ہین بند ما کے،

تجھ زنخدان کی چاہ ہے ساقی　　حوض کوثر کی نین مجھے پروا (نہین)

گرچہ آسیب اس ذقن نے دیا لیکن آتی ہے مجھ کون بوئے بہی

جھانجھ مین کیون نہ آئے میرا دل تجھ جدائی کی مجھ کون نوبت ہے

عکس دکھلا اپنے رخ کا اے گہر دریائے حسن منتظر ہے دیدۂ گرداب اورچشم حباب

اس قسم کی بیسیون اشعار ہین جنکو بخوف طوالت قلم انداز کر دیا گیا ہے، گو آج کل کے شعرار رعایتِ الفاظ اور ضلع جگت کو عیب سمجھتے ہین، مگر ہماری یہ رائے ہے کہ متقدمین کے لیے الفاظ کی کھپت کا یہ بہترین ذریعہ تھا، یہی وجہ ہے کہ قدمار کے کلام مین الفاظ کی جسقدر کثرت پائی جاتی ہے، وہ آجکل کے شعرار کے کلام مین نظر نہین آتی، موجودہ شاعری مین صدہا الفاظ متروک کر دیئے گئے ہین اور بچے کھچے معدودے چند لفظون کو الٹ پھیر کر بار بار استعمال کیا جاتا ہے، اگر چندے یہی حال رہا تو فارس فیلن اور فرہنگ آصفیہ کے ہزارون الفاظ چند ہی روز مین چیستان یا معمے بنکر رہ جائین گے، شاہ سراج بھی میر، سودا، نظیر اور انشا کی طرح ہزارون الفاظ لکھ گئے ہین، مثلاً:-

کپڑون کے نام:- نیمہ وار، جامہ وار[1]، محمودی، چشم بلبل، مخمل،

پھولون کے نام:- موتیا، سورج مکھی، گل چاندنی، لالہ، ہزارا، گل دوپہری، گل عباسی، گل نافرمان، گل نرگس، گل سوسن، چنبیلی، گلاب، گل شب بو، اور گل صد برگ،

اقسام رنگ:- پستئی، گلابی، کیسری یا زعفرانی، کاکریزی، خاکی، صندلی، سبز، سیاہ، عباسی، شہابی، ارغوانی، نرگسی، بادامی، سرخ، حنائی، زرد، سرمئی، پستئی،

اشیائے آتشبازی:- ہتھ پھول، ستارے، ٹوٹے، ستارون کا جھاڑ، ہوائی، مہتابی،

اصطلاحات شطرنج و گنجفہ:- بازی، ہار جیت، بساط، نرد، ششدر، شاہ، شہ، میر، بازی، ترپ، پتہ،

الفاظ متعلق بہ موسیقی:- پردہ، قانون، ساز، نوبت، زیر و بم، جھانجھ، طنبور،

[1] اب اورنگ آباد مین صرف جامہ وار، ہمرو، مشروع، کمخواب، اور تاش بنے جاتے ہین،

آلات حرب:۔ کٹنا راتند دق، بھالا، برچھی، تیغ، سروہی، تیر کمان، خنجر، نیمچہ، توپ، نیزہ، شمشیر، کتی، سپر، جدھر،

الفاظ متعلق بہ زیورات و جواہرات دجواہر فروش، کم عیار، نقد قلب، کانٹا، موتی، جوہر، پہنچی، ہیرا، مالا،

بلاق، جوہری، لعل، زمرد، عقیق، یاقوت، جواہرات کی آب، کھوٹا، کھرا، کسوٹی پر کسنا، تپانا،

الفاظ تصوف:۔ اسم جلالی، خانوادہ، بیعت، سلسلہ، الفی، الف کھینچنا، مٹھ، بیراگی، بیراگ لینا،

مرگ چھالا، خود پرستی، ہستی، نیستی، ہادی، وجد، حال، ناسوت، لاہوت، چراغ حقیقت، مجاز، عرفان،

وحدت، کثرت، زاہد خشک، زہد، تقوی، حلقہ، ذکر جہری، یاہو،

مندرجہ بالا الفاظ کے متعلق ہمنے اشعار بھی نکال رکھے ہیں، لیکن چونکہ تمام اشعار کا لکھنا خالی از

طوالت نہ ہوگا اسلئے ہم اس وقت صرف فہرست ہی پر اکتفا کرتے ہیں،

ہندی الفاظ اور ہندی تشبیہیں باوجود فارسی نگار شاعر ہونے کے سراج نے ہزاروں ہندی الفاظ کا استعمال کیا ہے

اور بعض جگہ تو ہندی تشبیہوں سے بھی کام لیا ہے جس سے انکی زبان دانی اور بے تعصبی کی جھلک نمایاں

ہوتی ہے، اشعار ذیل پڑھیے اور داد دیجئے،

تین راون ہیں، ارجن بان پلکین بھوں دھنک سمجھ کے ... ہمارے دل کی دکھ نگری کے راجا رام چندر ہو

مجکوں جوں فرہاد اس شیرین دہن کی یاد ہے ... قصۂ چندر بدن ہے ہیکل مہیار نت

مشتاق ہوں تجھ لب کی نصیحت کا و لیکن ... رانجھا کے نصیبوں میں کہاں ہیر کی آواز

بھنور ابرہ کے داغ کا ہوا اس میں جانشین ... جب آب اشک تازہ یہ اس کا کنول کرے

مجلس میں شمع رو کی پروانگی سبے مجکوں ... میرے نصیب میں ہے کیا سبھ گھڑی لگن کی

پوتھی خیال یار کی آئی ہے جب سے ہاتھ ... دک ورق سیں تب ستی لکھتا ہوں غم کے آنک

شوق دل کا کیک بیک اُڑے ہو دل ... وقت آیا ہے میرے[2] پر اب کُپل

[1] کتی کتری زبان کا لفظ اسکے معنی شمشیر خورد کے ہیں، [2] میرے پر یعنی مجھ پر

دور کرنے کو غم کی تاریکی — چودھوین رات کا چندرکان ہے!

پیو باج بزم بلبل نالان خراب ہے — مرجھا رہا ہے صحن گلستان مین پھول آج

کہان جاتا ہے ای جادو مین ہوت (جادو چشم) — ہماری بات سن ای من ہرن ہوت

سرمئی آنکھون کو کیا سرمے سے کام — ناحق ان پر تو ستا کرتے ہو تم (الزام)

دل کے پرت نگر کون بسائے رہتے پیار مین — پھر کیون غضب سین مار کے سمار کر چلے،

تصور تجھ بھوؤن کا اے صنم سمرن ہو امن کا — سدا دیول کی پوجا کام ہے ہراک برہمن کا

کیا ہے حق نے تجکون بادشاہ کشور خوبی — غریبان کی سوا کون مان لے دے دان درشن کا

برہ کے تیرباران کون سہا ہر بے جگر ہوکر — دل مجبور میرا اسور ہے تجھ عشق کے رن کا (بہادر)

جہنم کیون نہ ہو حسرت سے پانی — ہماری آہ آتش سے سرس ہے (بڑھکر)

املا گو دیوان کا خط بہت صاف ہے مگر معروف ومجہول کا نمایان فرق نہین ہے، بعض جگہ لمبی "ے" کے نیچے نقطے دے دیئے ہین، جس سے معروف کا مفہوم ہوتا ہے، اور یہ حالت عدم نقاط مجہول سے مراد لیجاتی ہے، ہائے دوچشمی اور ہائے ہوز کا کوئی امتیاز نہین ہے، ڈ اور ڑ کو ذ اور ژ لکھا ہے، جدائی اور کوئی کو جدای اور کوی تحریر کیا ہے، دیگر الفاظ کا خاکہ درج ذیل ہے:-

جیون = جون — وو = وہ — بجے = مجھے

ہوئیگا (بروزن فعلن) ہوگا — کے = کی — نہوین = نہون (بروزن فعل)

ہوے (بروزن فع) ہو — کے = کے — تج = تجھ

ہوئین (بروزن فع) ہون — روانے = روانی — اپنا۔ لانا۔ کھانا۔ پانا وغیرہ

دلیؤ (بروزن فع) دو — ساقے = ساقی — تمام مصادر کو لانان، کھانان،

آپہ = آپ — بہاؤ = بھاو — پانان لکھا ہے،

داؤ = دانون ، چہرو = چہرہ ، سے = ہے ، کتین = کہتین ،

الفاظ کا دو طرح پر استعمال | مندرجہ ذیل الفاظ کو دو طور پر استعمال کیا ہے :-

(۱) کوئی اور کئی (بروزن فع) (۲) نہین اور نین (بروزن فع) (۳) گئی اور گی (بروزن فع)

(۴) کہان اور کان (بروزن فع) ہوا اور لوہو دونون طرح (۶) انگارا (بروزن غبارہ)

انگارا (بروزن سہارا)

تذکیر و تانیث | بہت سے الفاظ جو آجکل مؤنث مانے جاتے ہین ان کو مذکر باندھا ہے، آہ اور آواز کو دونون طرح باندھا ہے ۔ فاختہ کی جمع فاختے اور سلام کی جمع سلامین لکھی ہے ،

مذکر الفاظ:- جان ۔ حمد ، ابتدا ، برسات ، فنا ، بقا ، شفق ، جانکندن ، نرگس ، ندا ، سرحد ، ہاٹ (بازار) لذت ، چشم ، تمنا ، آرزو ، سیر ، معراج ، بوند ، قمری ، قدر (یہ تمام الفاظ اب مؤنث بولے جاتے ہین ، مگر سراج نے انھین مذکر باندھا ہے)

مؤنث الفاظ:- کندن (سونا) ذکر ، کیف (نشہ) وصف ، دَل (فوج) امتیاز ، سلام ، الماس وغیرہ الفاظ کو مؤنث باندھا ہے (آج کل الماس مختلف فیہ ہے ،)

دکنی الفاظ کا استعمال | سین (سے) ستی (سے) ایس کا (اپنا) کنے (پاس) تجہ صفت سے (تیری صفت سے) مجہ قتل پر (میرے قتل پر) تجہ ثنا مین (تیری ثنا مین) اسی طرح ۔ من ہرن ، آہونین ، برہ آگ ، (برہ کی آگ) کا اشعار مین استعمال کیا ہے ، سون اور ستھے (سے) کا کہین استعمال نہین کیا ہے ۔ ان الفاظ کے علاوہ چند خاص دکنی الفاظ استعمال کیے ہین جو ذیل مین مع تشریح لکھے جاتے ہین :-

جھال = آگ کی لپٹ سے کب تلک اب تاب لائے تجہ برہ کی جھال کا ،

کرنا لگا = کرنا پڑا سے

عشق جب آیا تو ترک آبرو کرنا لگا گوشہ گیری چھوڑ بسیر کو بکو کرنا لگا

تجنا= بستہ ہونا یا ٹھہرا جاتا ؎ تج گئین آنکھین میری تصویر حیرت کی قسم

جون تون= یونہی، اسی قسم کا ؎ زنجیر بھلی قید بھلی موت بھی جون تون

پن= پر= مگر ؎ پن حق نہ کرے کس کو گرفتار کسی کا

تقصیر= جناب، حضور= یہ لفظ اب تک حیدرآباد مین بولا جاتا ہے، ؎

تقصیر اتنی عرض سنو اس غلام کی میرا سلام سب سے مقدم ہو آکے

وُہ= اُس ؎

وہ خوش دہن کی جدائی سے بزم گلشن مین ہر ایک غنچہ ہے رنگ ملال کا شیشا

سلنا= کھٹکنا ؎ خار حسرت کا کلیجے مین سلا ہائے سلا،

رُلنا (لوٹنا) ؎ مرغ بسمل سا لہو بیچ رلا ہائے رلا،

پھوٹنا= ٹوٹنا، اہل دکن ہر چیز کے ٹوٹنے کو پھوٹنا کہتے ہین ؎ شیشۂ ناموس ونگ کا پھوٹا

سرس= بڑھکر= ع ہماری آہ آتش سین سرس ہے،

یون کر جیونکر= اس طرح جس طرح (یہ استعمال دکن مین اب متروک ہے) ؎

مقابل حسن کے ہے عقل یون کر کر جیونکر آگ کے نزدیک خس ہے

منگتا ہے= مانگتا ہے، میرے سے= مجھ سے، ؎ منگتا ہے میرے سے جان رخصت

باقی= آن ؎ نہ پھرنا جان دینا اس گلی مین دل بیجان کی بانی یہی ہے،

آہ سوسنا= آہ کرنا ؎ سوس کر آہ درد کھو آرام دل ہمارا ہوا درس کا گدا

سریکا= مانند ع مجھ سریکا اگر پریشان ہو،

بادہنا= ہوا چلنا ع یہ آہ سرد کی جب سے بہی ہے بادنسیم،

لہ وہ بمعنی اس، اب دکن مین بھی نہین بولتے۔

تلوار بہنا = تلوار چلنا، سے

تجہ عشق کے رن مین دل مرا کام آیا　　　　اس کھیت مین آج خوب تلوار بہی (از بگ)

(اب باد بہنا یا ہوا بہنا دکن مین بھی نہین بولتے (پرانا محاورہ ہے)

اتا = اتنا سے کہا کسنے تجھے اتا ستم کر،

بہنکا = وار سے تیغ ابرو کے ایک دو بہنکے،

نہ سہاوے = نہ بہاوے سے گر سر گلستان نہ سہاوے تو بجا ہے،

کھلا، کھلیان، خرمن، سے

داغ جفا ہین سینۂ سوزان مین بیشمار　　　　جلتے کھلے کے بیچ انگارون کی کیا کمی

کھلا ہونا = چاند کے گرد ہالۂ ماہ ہونا، سے

مہتاب رو کے رخ پہ سیہ خط نہین سراؔج　　　　جا کر کھلا ہوا ہے مرے دود آہ کا

فعل غلط کا استعمال | دکنی تا حال فعل کو فاعل کے مطابق استعمال کرتے ہین، فاعل واحد ہو تو فعل بھی واحد ہوگا، اور فاعل جمع ہو تو فعل بھی جمع ہوگا، فاعل کی تذکیر و تانیث کے ساتھ فعل کی بھی تذکیر و تانیث بدلی جاتی ہے، اس قسم کی غلطیان سراؔج کے کلام مین بھی پائی جاتی ہین:-

مین سنا ہون تجھ لبون کا نام ہے حاجت روا، = مین نے سنا ہے،

دیکھا ہون جب سے دانت ترے رنگ پان سے سرخ = مین نے دیکھے ہین،

عشق نے کیا کیا ہی مہانی، = عشق نے کیا کی ہے مہانی،

دفا کے ملک کے راجون نے ڈھیل ڈالے ہین، = ڈھیل ڈالی ہے،

بجوم داغ کے طرتے بنایا غم کے مالی نے، = بنائے غم کے مالی نے،

سراؔج کی شاعری پر ایک نظر | شاہ سراؔج اپنے زمانے کے استاد اور ماہر فن تھے، اورون کے چبائے ہوئے

تواون کو چبانے سے انھین عار تھا تشبیہات کے معاملے مین وہ مروجہ اردو یا فارسی شاعری کے مقلد تھے طبیعت انتہا درجہ کی جدت پسند پائی تھی، ان کا مطالعۂ اشیا نہایت وسیع تھا، انگریزی شاعرون کی طرح چشم دید باتون کو شعر مین باندھ گئے ہین، آہ کی تشبیہین نہایت فرسودہ ہوگئی ہین جنھین سُن سُنکر کان اکتا گئے ہین، لیکن اسی پامال مضمون کو شاہ سراج دو سو سال قبل اس خوبی کے ساتھ لکھ گئے ہین کہ لامحالہ دل سے صدائے آفرین ومرحبا نکلتی ہے، اشعار ذیل ملاحظہ فرمایئے:-

(آہ کا علم) فوج خرد وہوش مین ہلچل ہو سبب کیا ۔۔۔ شاید علم آہ نمودار ہوا ہے،

(آہ کے سپاہی) اے عقل نکل جا کہ دھوان آہ کا مین ہو ۔۔۔ یہ عشق کے لشکر کے سپاہی نظر آئے

(ناگون کی پٹاری) دل پر آہ مین میرے وہ صنم ڈرتا نین ۔۔۔ کالے ناگون کی پٹاری ہو خدا خیر کرے

(آہ کی رسی) آہ کرتا خون دل پانی ہوا انکھون سے بہ ۔۔۔ کیونکہ بن رسی کوے سے آب کھینچا جائیگا!

(آہ کی کنجی) کلید آہ سے صندوق دل کا قفل کھلتا ہو ۔۔۔ خدا کے کارخانے کا ہو مشکل کشا کہیے

(آہ کا سرنگ) قلعۂ دل کو غم نے گھیرا تھا ۔۔۔ تس پہ اس آہ کا سرنگ ہوا

یہ بات مشہور ہے، کہ سپند ورِ یا سرمہ کھانے سے آواز بیٹھ جاتی ہے، زعفران زیادہ مقدار مین استعمال کرنے سے آدمی ہنستے ہنستے مرجاتا ہے، مومیائی اعضا کو قوت بخشتی اور ٹوٹی ہوئی ہڈی جوڑ دیتی ہے، اسپند نظر بد کے کام آتا ہے، یہ باتین سراج کے زمانہ مین بھی مشہور تھین، ان کو اشعار ذیل مین باندھ گئے ہین:-

طاقت افغان مجھے کیونکر رہے ۔۔۔ خنجر چشم صنم کو ل ہے،

ہنستا ہو مجکو دیکھ کے وہ شوخ اے سراج ۔۔۔ شاید کہ رنگ زرد مرا زعفران ہوا

جدائی سے ہوا ہون دل شکستہ ۔۔۔ تم اپنے وصل سے دو مومیائی

نہین ہے خوف مجھے اب کہ بہر دفع گزند ۔۔۔ جگر ہے مجمر، و دل ہو شرار، و داغ سپند

سراج نے کہین کسی پہلوان کو لیزم ہلاتے ہوئے دیکھ لیا ہوگا، اس کا جھک جھک کر بار بار سیدھا ہو ہو جانا بہت مرغوب خاطر ہوگا، اس لیے اس کو بھی ایک جگہ باندھ گئے ہین، ؎

ہوا ہون زور کش ورزش کشاکش غم　　قد خمیدۂ غم دیدہ مجکو لیزم ہے،

دکن مین عشرۂ محرم مین صدہا قسم کے کھیل تماشے ہوا کرتے ہین، کچھ لوگ حلقہ باندھکر الاؤ کے گرد پھرتے جاتے ہین اور ہائے دوست (ہے دوس) دولھا، ہائے دوست دولھا کے نعرے لگاتے جاتے ہین، ایک عجیب سمان ہوتا ہے، جو جگر کے ٹکڑے کئے دیتا ہے، سراج چونکہ روزمرہ معاملات کو غور وخوض سے دیکھا کرتے تھے، اسلیے اس لفظ کو بھی شعر کی زنجیرون مین جکڑ دیا، ؎

پکارون کیون نہین ہے دوست ہے دوست　　کہ ہر شب قتل کی ہے رات مجکو ن

سراج کا زمانہ خیر و برکت کا زمانہ تھا، دکن مین رات دن ہُن برستا تھا، لوگ آسودہ و خوش حال تھے، روپیے پیسے کی کمی نہ تھی، دھن دولت سے خزانے پُر رہا کرتے تھے، اکبری مہرون کا گھر گھر رواج تھا، اسلیے سراج نے بھی داغ کی تشبیہ مین اس سکہ کو چلا دیا ہے، ؎

درکا ہین عشاق کو کان جواہر گنج زر　　سینے کے ہے صندوق مین ہر داغ مہر اکبری

سراج کے زمانے مین امیر امرا اور صاحب استطاعت اشخاص عیش و عشرت کے دلدادہ تھے شراب و کباب کے علاوہ معجون فلک سیر، معجون گلابی اور اسی قسم کے بیسیون کیف آور معجونون کا استعمال ہوا کرتا تھا، سراج سے یہ واقعہ کیونکر چھوٹ سکتا تھا ایک شعر مین باندھ ہی تو دیا ؎

تری آنکھین نشہ مین اسقدر ہین سرخ اے ساقی　　کہ ان کا دیکھنا مجھ حق مین معجون گلابی ہر

سراج کا تکیہ (جسکے اردگرد باغ بھی تھا) مرجع خلائق تھا، ہر ملت و مشرب کا آدمی وہان موجود ہوتا تھا[1]، بھنگڑون اور فقیرون کا تو ایک خاصا مجمع رہا کرتا تھا جنھین بجز افیون کی چسکی اور بھنگ کی سبزی کے

---

[1] ایک جگہ سراج اس نمونہ مین فرماتے ہین ؎ چاہیئے زاہد دل کو بجز رنگ　　باغ عاشق ہے دست مشرب،

اور کوئی مشغلہ نہ رہتا تھا سراج کے لیے ناممکن تھا کہ تمام باتین کھلے بندون دیکھتے اور اپنے دیوان مین انکا کہین بطور تشبیہ استعمال نہ کرتے، اسلیے ایک جگہ فرماتے ہین، سے

ستون کو غم کے اب ہو یہ نشۂ دو بالا اس سبز خط کی سبزی خال سیہ کی افیون

زمانۂ قدیم سے بارھوین صدی کے اخیر تک دکن کی فوج مین رجپوت، عرب اور افغان (کاکا زئی) بھرتی کئے جاتے تھے، رجپوت نیزہ بازی مین کمال رکھتے تھے اور کاکا زئی افغانی سخت مزاجی مین ضرب المثل تھے، سراج نے مندرجہ ذیل اشعار مین ان کا ذکر کر کے ایک تاریخی واقعہ کی نقاب کشائی کی ہے

نوک مژگان صنم حق مین میرے تیر جون نیزۂ رجپوت ہوا،

دیکھ (دیکھکر) تیری زلف کو کھاتا ہو سنبل پیچ و تاب اصل مین بدرگ ہو جس کی ذات ہو کاکا زئی

ہندوستانی حلوائی زمانہ دراز سے اپنی دوکانین سجاتے آئے ہین، اگلے زمانے مین گلوب، (پردۂ فانوس) دار قندیلین لگا کر دوکانون کی زیب و زینت بڑھائی جاتی تھی، سراج نے حلوائی کی قندیل کو بھی نہ چھوڑا ایک جگہ شعر مین باندھ ہی دیا، سے

لب پہ ترے بُلاق کا موتی ہے چراغ دوکان حلوائی

جس طرح اگلے زمانے مین کافور قیصوری، عقیق یمنی، کہربائے شمعی، مشک تبتی، حلتیت کابلی، آئینۂ حلبی، برد یمانی، کاسۂ چینی، فولاد ہندی اور فیروزۂ نیشاپوری کی شہرت تھی، اسی طرح ہندوستان مین تیغ محرابی، اور بوندی کی کٹار خاص وقعت کی نگاہ سے دیکھی جاتی تھی، سراج نے جب کہ ادنی ادنی باتین تک شعرون مین باندھ دی ہین وہان ہتھیارون سے کیونکر گریز کر سکتے تھے، کہتے ہین اور کیا خوب کہتے ہین کہ سے

اے صنم تیرے خیال ابروے خون ریز سے دل شہادت گاہ زخم تیغ محرابی ہوا

ہے پپیہا شور مین تجھ بن۔ گھٹا آئی ہے جھوم مجھکو لگتا ہے صنم ہر بوند بوندی کا کٹار

چونکہ اورنگ آباد مین جوار کی کاشت بہت ہوتی ہے، اور دشت دور کڑبی کے پولون سے پٹ جاتے ہین، دیہات کے کسان گاڑیان بھر بھر کر شہر مین بغرض فروخت لاتے ہین، کہین سراج نے بھی کڑبی کے پوے دیکھ لیے اور حضرت زاہد کے جسم مبارک سے تشبیہ دے دی، :-

نہین بخشے ہے کیفیت نصیحت خشک زاہد کی　　　　حلاوہ آتش صہبا سے اس کڑبی کے پولے کو

اگلے زمانے مین اورنگ آباد کی سرسبزی وشادابی ضرب المثل تھی، محمد تغلق کے زمانے ہی سے شاہی باغات کی بنیاد پڑ چکی تھی، اجنٹا سے لیکر اورنگ آباد تک باغات کا ایک مسلسل سلسلہ قائم تھا، اور شمال مین کنڑ تک ان باغات نے جگہ گھیر رکھی تھی، [1] آب رسانی کا انتظام جیسا اورنگ آباد مین تھا اور کہین نہ تھا، گھر گھر باغات تھے جنکی پرورش ان حوضون کے پانی سے ہوا کرتی تھی جو ہمیشہ لبریز رہا کرتے تھے، ۱۸۲۰ء مین سر ولیم ارسکائن نامی سیاح نے سورت سے اورنگ آباد تک پیدل سفر کیا تھا، اسے اورنگ آباد کے پانی کی افراط دیکھ کر بڑا تعجب ہوا اور اپنے سفرنامہ مین لکھ گیا کہ اورنگ آباد کی سی پانی کی افراط و فراوانی مین نے دنیا کے کسی شہر مین نہین دیکھی [2]،

باغون کی کثرت اور پانی کی فراوانی کے باوجود، اورنگ آباد اور اس کے مضافات کے فواکہات ناکافی ثابت ہوتے تھے، اسلئے بیرونجات سے بھی مختلف قسم کے میوہ جات آیا کرتے تھے، مثلاً سنگنیر (ضلع احمد نگر) کے انار اور شمالی ہند کے ہرے ہرے سیب بھی اورنگ آباد کے بازارون کی زیب و زینت بڑھایا کرتے تھے، بھلا ایسی مشہور باتین سراج سے کیونکر چھوٹ سکتی تھین، اپنے اشعار مین انکا استعمال کرکے آنے والی پود کے لیے معلومات کا ذخیرہ چھوڑ گئے، اشعار ذیل ملاحظہ ہون :-

دلِ پُرخون مرا ترے غم سے　　　　ہو رہا ہے انار سنگنیر

سبزۂ خط سے زنخدان نے ترے پایا ہے رنگ　　　　ان دنون آیا ہے تحفہ سیب ہندوستان کا

---

[1] رسالہ فواکہات اورنگ آباد مرتبہ منتظم محکمہ زراعت حیدرآباد دکن [2] رسالہ ایشیاٹک سوسائٹی بمبئی بابت ۱۹-۱۹۱۸ء ص ۷۲

سراج صائب کے رنگ مین

سراج چونکہ تشبیہون اور استعارون کے بادشاہ تھے، صائب کا رنگ اختیار کرنا ان کے لیے کوئی مشکل کام نہ تھا، اپنے دیوان مین کئی جگہ صائب کی طرح شاید اشعار لکھے ہیں،

دانہ دکھا کے مجھ کو کیا دام مین اسیر
آخر ہوا ہے آفتِ جان خط و خال دوست

گلے مین طوق ہے انگلی کو انگوٹھی کے حلقے سے
تلاش نامداری مین گرفتاری کا سامان ہے

لائق پیرہن فقر ہین آئینہ دلان
تیرہ دل کب ہے سزاوار نمد پوشی کا

آنسو نے گردِ کلفتِ دل کو فرو کیا
دیکھا ہے کس نے خاک کو بالانشین آب

نازک دلی ہے لازمۂ صاف طینتی
ظاہر ہے شکل موج سے چین جبین آب

صہبا پرست عشق کو عشرت روا نہین
مجلس سے غم کے نغمۂ طنبور دور ہے،

عزلت نشین کے نام کو شہرت ہے خلق مین
اس بات کا گواہ ہے عنقائے کوہ قاف

ترے لب کے ہین دعوے سب خلاف آنازنین اکثر
کہ جون برعکس ہوتا ہے خطر دئے نگین اکثر

(باقی)

گلِ رعنا

از جناب مولانا حکیم سید عبد الحیٔ صاحب مرحوم سابق ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ

جس مین اردو زبان کی ابتدائی تاریخ اور اسکی شاعری کا آغاز اور عہد بعہد کے باکمال اردو شعرا کے صحیح حالات اور ان کے منتخب اشعار اور ان کے ہر قسم کے کلام کے نمونے درج ہین اور اب دار المصنفین اعظم گڈہ نے شائع کیا ہے، لکھائی چھپائی عمدہ کاغذ اعلیٰ ضخامت ۵۰۰ صفحے قیمت ؎

"منیجر"

جیمس کا نظریۂ جذبات،

(۲)

از مولوی معتضد ولی الرحمن صاحب ایم اے پروفیسر فلسفہ جامعۂ عثمانیہ

اب جیمس[1] کا نظریہ خود اسی کی زبان سے سنئے :-

"کثیف جذبات (مثلاً خوف، غصہ، غم وغیظ) کے متعلق عام خیال یہ ہے کہ کسی واقعہ کا ذہنی ادراک اس ذہنی تاثر کا باعث ہوتا ہے جس کو جذبہ کہتے ہیں، اور یہ مؤخر الذکر ذہنی حالت جسمانی مظاہر پیدا کرتی ہے، اس کے برخلاف میرا نظریہ یہ ہے کہ واقعۂ مہیجہ کا ادراک براہ راست اور بلاواسطہ جسمانی تغیرات کو پیدا کرتا ہے، اور ان تغیرات کا بحالت وقوع احساس جذبہ ہے، عوام کہتے ہیں کہ ہمارا نقصان ہوتا ہے، اس لئے ہم اندوہگیں ہوتے اور روتے ہیں، ہم ایک ریچھ کو دیکھتے ہیں، اور خوفزدہ ہوکر بھاگتے ہیں، کوئی شخص ہماری ہتک عزت کرتا ہے، اور ہم غصہ میں آکر اس کو مارتے ہیں، جس مفروضہ کی ہم یہاں حمایت کررہے ہیں، اس کے مطابق یہ ترتیب صحیح نہیں، ایک ذہنی حالت دوسری ذہنی کیفیت کا نتیجہ نہیں ہوتی جسمانی تغیرات کا ان کے درمیان ہونا لازمی ہے، لہذا یہ کہنا صحیح تر اور معقول تر ہوگا کہ ہم روتے ہیں اس لئے ہمکو افسوس ہوتا ہے، ہم مارتے ہیں اسوجہ ہمکو غصہ آتا ہے، ہم بھاگتے ہیں اس سبب ہمکو ڈر لگتا ہی، نہ یہ کہ ہمکو افسوس

---

[1] بعینہ یہی خیال ۱۸۶۱ء میں جرمنی کے ایک ماہر تشریح اجسام ہے ہنلے (HENLE) نے ظاہر کیا تھا، اور اس کی طرف جیمس صاف طور پر اشارہ کرتا ہے، اس کے علاوہ ایک اور شخص تسزولبے (CZOLBE) بھی جذبات کے متعلق یہی خیال رکھتا تھا، مادیت کا مشہور مورخ لینگ، اس کا ہمخیال ہے،

ہوتا ہے، اور ہم رو تے ہیں، ہمکو غصہ آتا ہے اور ہم مارتے ہیں، ہمکو ڈر لگتا ہے اور ہم بھاگتے ہیں، ادراک کے بعد اگر یہ جسمانی احوال نہ ہوں، تو یہ ادراک خالصۃً دوقنی، بے زور بے رنگ اور جذبی حرارت سے عاری رہتا ہے، اس حالت میں ہم ریچھ کو دیکھکر بھاگتے، یا ہتک عزت ہوتی ہوئی دیکھکر مارنا مناسب سمجھتے لیکن خوف یا غصہ کا احساس نہ ہوتا[1]،،

جیمس یہ خیال ظاہر کرنے کو تو کر گیا لیکن اس کو یقین تھا کہ اس کی مخالفت کی جائیگی، اس خیال کی مخالفت کا یقین تو ہر ذی عقل شخص کو ہوگا، اور جیمس تو نفس بشری کا رمز شناس تھا، اصلیت یہ ہے کہ ایسے عقیدے کو چھوڑ دینا جو مدت سے مسلم ہو معمولی بات نہیں، نیا خیال تو یوں بھی معترضین و مخالفین کی جماعت پیدا کر لیا کرتا ہے، اور اس خیال میں تو جدت کے ساتھ ندرت بھی تھی، کس قدر عجیب سی بات ہے کہ ہمکو غصہ صرف اس وجہ سے آتا ہے، کہ ہم مارتے ہیں، یا خوف اس وجہ سے پیدا ہوتا ہے، کہ ہم بھاگتے ہیں پہلی ہی نگاہ میں اور سنتے ہی، اس خیال کا لغو مہمل اور محال ہونا جاہل سے جاہل پر بھی روشن ہوجاتا ہے، تا بہ علما و ماہرین چہ رسد، چنانچہ یہی ہوا، کہ عوام نے تو اس کو فرزانہ فلسفیوں کی مخصوص دیوانگی اور پاگل پن پر محمول کیا لیکن علما اور ماہرین انگشت بدنداں ہوکر رہگئے کہ جیمس بہ ایں تجرد قابلیت، اس لغویت کا قائل ہی نہیں بلکہ موجد ہے، لیکن جیمس ان سب پر خندہ زن تھا، اور ان کی جہالت کو علم کے حجاب اکبر کا نتیجہ سمجھتا تھا، بالکل اندھیرے اور بہت تیز روشنی، دونوں میں آدمی گویا اندھا ہوجاتا ہے، یہ لوگ اندھیرے کی وجہ سے تو اندھے نہ تھے لیکن علم کی بہت تیز روشنی نے ان کو خیرہ کر دیا تھا، جیمس کے نزدیک اس خیال کی تائید و تصدیق، اور اس کے ظاہری استبعاد کو رفع کرنے کیلئے دور از قیاس خیالات، بہت زیادہ سائنٹفک اعتبارات منطقی استدلالات، اور متعدد مشاہدات کی ضرورت نہیں بلکہ مبتنی یا افتادہ واقعات

[1] جیمس، پرنسپلز آف سائیکولوجی، جلد دوم صفحہ ۴۴۹، ۴۵۰، آیندہ ہم اس کا حوالہ صرف جیمس سے دیں گے۔

ہی اس کو تسلیم کرنے پر مجبور کرتے ہیں، وہ لکھتا ہے:-

"قارئین میں سے کسی کو اس میں شبہہ نہیں ہو سکتا، کہ اشیاء ایک خلقی و فطری آلہ کے ذریعے سے فی الواقع اس قسم کے جسمانی تغیرات کا باعث ہوتی ہیں، یا یہ کہ یہ تغیرات تعداد میں اس قدر زیادہ اور بلحاظ قوت وضعف اس قدر مختلف ہوتے ہیں کہ تمام جسم کو باجے کا پردہ کہا جا سکتا ہے، جو شعور کے ہر تغیر سے، یہ کسی قدر خفیف وضعیف کیوں نہ ہو، متاثر ہوتا ہے، یہ عضوی فعلیتیں مختلف طریقوں سے ایک دوسرے کے ساتھ مجتمع ہو سکتی ہیں، اور اسی وجہ سے یہ ممکن ہو جاتا ہے کہ خفیف سے خفیف جذبہ بھی ایسے جسمانی انعکاس کا باعث ہو، جو بحیثیت مجموعی ذہنی کیفیت کی طرح بالکل بے مثال ہو، چونکہ ہر جذبے میں اکثر حصے متغیر ہو جاتے ہیں، اس لئے ہمارے لئے یہ ممکن ہے کہ ہم کسی جذبہ کے مظہر کا کلیۃً احیا کر سکیں، جو عضلات کہ ہمارے احاطۂ قدرت میں ہیں، ان میں ہم ارادۃً اس قسم کے تغیرات پیدا کر سکتے ہیں لیکن جلد، غدود، دل، اور دیگر احشا کو متغیر کرنا ممکن نہیں، کیونکہ یہ ہمارے ارادے کے زیر تصرف نہیں"[1]

یہاں اس بات کی توضیح ضروری معلوم ہوتی ہے، کہ جیمس کے نزدیک جذبہ ان احساسات سے مرکب ہوتا ہے، جو ہمارے جسمانی تغیرات کا نتیجہ ہوتے ہیں، مثلاً ریچھ سے خوفزدہ ہو کر ہم بھاگتے ہیں دل کی حرکت تیز ہو جاتی ہے، تنفس میں سرعت پیدا ہوتی ہے، چہرے کی رنگت زرد پڑ جاتی ہے، وغیرہ ان میں سے ہر ایک تغیر مخصوص احساس پیدا کرتا ہے، ان تمام احساسات کے مجموعے کا نام جذبہ ہے، اب چونکہ جسم میں ان گنت تغیرات ہو سکتے ہیں، اور چونکہ ان کے مرکبات و مجموعات کی تعداد بھی

---

[1] پرنسپلز آف سائیکولوجی جلد ۲ صفحہ ۴۵۰،

بے نہایت ہے، لہٰذا ہر جذبہ کے ساتھ جسمانی تغیرات بھی مختلف ہوں گے، یا بقول جیمس "کوئی جذبہ دوسرے کے بالکل مشابہ نہیں ہو سکتا"، اب ہر جذبے میں جسمانی تغیرات کے پیدا کردہ احساسات ہوتے ہیں، اور یہ ظاہر ہے کہ بعض جسمانی تغیرات کو تو ہم پیدا کر سکتے ہیں، لیکن بعض ایسے بھی مواقع ہیں کہ جو ہمارے قابو میں نہیں ہوتے، مثلاً جلدی جلدی سانس کا لینا، بدن میں رعشہ پیدا کرنا، بھاگنا، یہ سب ہمارے لئے ناممکن نہیں، لیکن غدود کی فعلیت کو روکنا، دل کی حرکت کو تیز کرنا، چہرے پر زردی پیدا کرنا یقیناً ہمارے لئے محال ہے، اگر ہم چاہیں کہ کسی خاص جذبہ کا نہ صرف ذہن میں بلکہ واقعتہً اپنے اندر احیا کریں تو ہمارے لئے لازمی ہے کہ ان تمام جسمانی تغیرات کو بھی بروئے کار لائیں، جن کے احساسات سے وہ جذبہ مرکب ہے، چونکہ ہم بالارادہ ان تغیرات کو پیدا نہیں کر سکتے، اسلئے کسی جذبہ کا اصلی حالت و صورت میں احیا بھی ناممکن ہے، مثلاً خوف کو پیدا کرنے کے لئے تمام عضوی تغیرات کو پیدا کرنا لازمی ہے، اور چونکہ یہ ناممکن ہے اس لئے نقلی خوف کی صورت بعینہ یہی ہوگی، جیسے کہ ہم کاغذ کی بتی ناک میں کر کے چھینک لیں، یا ارادۃً ڈکار لیں، ظاہری حیثیت سے مصنوعی چھینک اور نقلی ڈکار اصلی چھینک اور حقیقی ڈکار کے مشابہ ہوتی ہے، لیکن اس میں اصل کی بات پیدا نہیں ہوتی، یہی حالت اس جذبے کی ہوگی ہے، جو اصلی اور حقیقی مہیج کی عدم موجودگی میں بہ تکلف پیدا کیا گیا ہو، اس میں اصل کی حرارت اور جان نہیں ہوتی،

ان تمام باتوں کی توضیح کے بعد جیمس ایک اور اعتراض کی پیش بینی کرتا ہے، اگر یہ تسلیم کر بھی لیا جائے کہ مختلف اشیاء ہمارے اجسام پر بے تعداد تغیرات پیدا کرتی ہیں، اور یہ کہ ان کے مجموعوں کی تعداد بھی اتنی ہی لامحدود ہے، تو اس کا کیا ثبوت ہو کہ ہم کو ان کا وقوف بھی ہو جاتا ہے، اس اعتراض کیلئے جیمس اسطرح تیار ہے کہ

"تیسری بات یہ ہو کہ ان جسمانی تغیرات میں سے ہر ایک، یہ کوئی سا ہو، واقع ہونے کے وقت واضح یا غیر واضح طور پر محسوس ہوتا ہے، اگر قارئین نے کبھی اپنی توجہ اس طرف مبذول نہیں کی، یہ خبر ان کی حیرت اور دلچسپی کا باعث ہوگی کہ وہ

وہ اپنے آپ میں اکثر ایسے جسمانی احساسات کو معلوم کرسکتا ہے جو اس کی مختلف جذبی کیفیات کے ساتھ مخصوص ہوتے ہیں...... ہمارے جسم کا ہر ایک حصہ ذی حس ہے، اور یہ اس احساسِ ذات میں جو ہم میں سے ہر ایک میں لازمی طور پر ہوتا ہے خفیف یا شدید خوش آیند یا ناخوش آیند یا مشتبہ احساسات کا اضافہ کرتا ہے،..... چنانچہ جب ہم کسی ذرا سی مشکل سے زچ ہو جاتے ہیں، تو سارے جسمانی شعور کا نقطۂ اجتماع آنکھوں اور بھوؤں کے اکثر غیر محسوس سکڑنے پر ہوتا ہے، اسی طرح ایک عارضی اور وقتی ہراسانی میں یہ نقطۂ اجتماع بلعوم میں ہوتا ہے جہاں نگلنے کی سی حرکات ہوتی ہیں، یا صاف کرنے کی سی، یا ایک خفیف کھانسی کی، اسی طرح اور بہت سی مثالیں بیان کی جاسکتی ہیں[1]"

اس میں کلام نہیں کہ جیمس کے اس دعوے کی تردید دشوار ہے، مطالعۂ باطن سے ہم یقین کے ساتھ معلوم کرسکتے ہیں، کہ جسمانی تغیرات کا احساس ہمکو ہوتا ہے، چاہئے تو اصل میں یہ تھا کہ ہم مغلوب الجذبہ ہونیکی صورت میں اس کو معلوم کرنے کی کوشش کریں کہ اس خاص وقت ہم کو یہ احساس ہوتا ہے یا نہیں لیکن یہ ناممکن ہے، کیونکہ جب ہم کسی جذبہ کو اس معائنہ کے لئے روکتے ہیں تو جذبہ سرے سے غائب ہو جاتا ہے اس کا مطالعۂ باطنی ناممکن ہے، لیکن چونکہ ہم کو عام بحث سے تعلق ہے اس لئے جیمس کے بیانات کافی ہیں، تغیراتِ جسمانی کے امکان و وقوع، ان کی کثرتِ تعداد، اور ان کے امکانِ احساس کو تسلیم کراکے جیمس نے گویا اپنی اصلی دلیل کے لئے راستہ صاف کیا ہے، یہ تمام دلائل و توضیحات گویا دیباچہ تھے اسکی اصلی دلیل کا جسکو وہ اس طرح پیش کرتا ہے:-

"اگر ہم کسی شدید جذبے کو تصور میں لائیں اور پھر اس کے شعور میں سے اکی

---

[1] جیمس پرنسپلز آف سائیکولوجی جلد ۲ صفحہ ۴۵۱،

تمام جسمانی علامات کے احساسات کو منتزع کرنے کی کوشش کریں، تو ہمکو معلوم
ہو گا کہ باقی کچھ نہیں بچتا، کوئی "ذہنی مواد" ایسا باقی نہیں رہتا، جس سے اس
جذبے کو مرکب کیا جاسکے، ہم عقلی ادراک کی سرد حالت میں رہجاتے ہیں[۱]"

اس دلیل کی تصدیق کے لئے جمیس پھر مطالعۂ باطن کی طرف مرافعہ کرتا ہے، لیکن یہاں وہ افراد کو بہت مختلف پاتا ہے، بعض تو اس کے انکار پر مجبور ہوتے ہیں، لیکن بعض اس کو اس قدر بدیہی الدلالت سمجھتے ہیں، کہ یہ استدعا ہی ان کے نزدیک لغو اور بے معنی ہے، اگر ایک مضحکہ خیز چیز کو دکھا کر ان سے کہا جائے کہ ہنسی کے احساس یا اس کے میلان کو روک لیں، اور پھر بتائیں کہ اس کی مضحکہ خیزی کے کیا معنی ہیں، تو وہ کسی چیز کا نام نہیں لے سکتے، مضحک چیز کو دیکھ کر نہ ہنسنا، ان کے لئے طبعاً ناممکن سا ہے، اسی طرح اگر ہم خوف کے جذبے میں سے دل کی دھڑکن، تنفس کی تیزی، ہونٹوں کے رعشے وغیرہ کو خارج کردیں، تو سمجھ میں نہیں آتا کہ خوف کس چیز کو کہا جائے گا، علی ہذا القیاس غصہ میں اگر سینے کے اُبال، چہرے کی سرخی، نتھنوں کے پھولنے، دانتوں کے پیسنے وغیرہ کا وجود نہ ہو، تو غصہ کا بھی وجود نہیں ہو سکتا، یعنی یہ کہ جذبہ کی تکوین و تشکیل کے لئے ان کا ہونا از بس ضروری ہے، کیونکہ اگر یہ نہیں ہوتے، تو ان احساسات کا بھی وجود نہیں ہوتا، جو ان سے پیدا ہوتے ہیں، اور جب یہ احساسات نہ ہوں گے تو جذبہ کہاں سے آئیگا، دوسرے الفاظ میں اگر ان کو خارج کردیا جائے، تو جذبہ بے جسم ہوتا ہے، اور غیر مجسم جذبہ جمیس کے نزدیک عنقا ہے، غیر مجسم جذبہ ایک بے حس اور بے احساس وقوف کا مترادف ہے، اپنی حالت پر جس قدر زیادہ غور و خوض ہوگا، اسی قدر واضح یہ بات ہوتی جائیگی، کہ ہر قسم کی کیفیات جذبی، تاثرات و جذبات ان جسمانی تغیرات سے مرکب ہوتے ہیں، جن کو ہم ان کے مظاہر کہتے ہیں، اگر ہمارا جسم بالکل بے حس ہو جائے تو جذبہ کا طاری ہونا ناممکن ہے،

---

[۱] پرنسپلس آف سائیکالوجی حصہ دوم ص ۴۵۱ [۲] پرنسپلس آف سائیکالوجی حصہ دوم صفحہ ۴۵۲

اگر جیمس کا یہ نظریہ صحیح ہے تو ظاہر ہے کہ ہر ایک جذبہ مختلف عناصر و اجزا کے مجموعہ کا نتیجہ ہوتا ہے، یہ عناصر عضوی تغیرات ہوتے ہیں جو کسی مہیج سے اضطراراً پیدا ہوتے ہیں،

توارد کی اس سے بہتر کیا مثال ہو سکتی ہے کہ جس وقت نئی دنیا میں جیمس جذبات کے متعلق فرسودہ، مگر مقبول عامی و عالم اور دقیانوسی لیکن مسلم ماہر و جاہل، خیالات کا قلع قمع اور اپنی اس مہم کے ذرائع و وسائل کی تلاش و تفتیش کر رہا تھا، تو اسی وقت اور ان ہی دنوں میں پرانی دنیا کے ملک ڈنمارک کی کوپن ہیگن یونیورسٹی کا ماہر عضویات، کارل جارج لینگ، بھی اسی شغل ہلاکت خیزی میں مصروف تھا، جو مقصد نئی دنیا کے ماہر نفسیات کے پیش نظر تھا، وہی پرانی دنیا کے ماہر عضویات کی توجہ کو اپنی طرف مبذول کرا رہا تھا، جس نتیجہ پر مقدم الذکر کی تمام تحقیق و تفتیش ختم ہوتی ہے، وہی مؤخر الذکر کی تمام کوششوں کو کامیابی کا تاج پہناتا ہے، نفسیات تأثرات، اور بالخصوص معالجین و اطبا، کی جو خدمت ایک نے کی، وہی دوسرے نے کی، غرض ان دونوں میں سے قدر تشابہ، اتحاد و اتفاق ہے، کہ سرزمین ہند میں اس قسم کے واقعہ کو معانی و بیان کی کتابوں میں سرقہ کی مثال کے طور پر بیان کیا جاتا، لیکن یہاں یہ حالت ہے کہ جیمس لینگ کی مساعی اور اس کے طریق غور و فکر سے ناآشنا ہے، تو لینگ جیمس کے خیالات اور اس کے اسلوب تحقیق سے ناواقف، منزل مقصود دونوں کی ایک ہی ہے، مگر جو راستے ان دونوں نے اختیار کئے ان میں قدرے اختلاف ہے، پروطوغورس علم کی اضافیت کا سب سے بڑا حامی ہے، اس کے نزدیک صداقت و حقیقت مطلق نہیں بلکہ اضافی ہوتی ہے، لیکن صداقت و حقیقت کے مطلق ہونے کی اس سے بڑھکر مسکت شہادت اور کیا ہوگی، یہ سب کچھ ہے لیکن جو شہرت و ناموری جیمس کو حاصل ہوئی، وہ لینگ کو نصیب نہ ہوئی، جذبہ اور جیمس تقریباً مترادف ہو چکے ہیں، لیکن لینگ کے نام سے بہت کم لوگ روشناس ہیں، حالانکہ بواعث شہرت دونوں میں ایک ہی ہیں،

جیمس کا نظریہ تو ہم اسی کے الفاظ میں گذشتہ اوراق میں مفصلاً بیان کر چکے ہیں، اب اسی کے اس

نادیدہ ہکن وہم کا رکے خیالات بھی اجازۃً سن لیجئے[1]:-

"...... ہر جذبے میں بھی اتنے ہی یقینی اور محسوس اجزاء ہوتے ہیں،

(۱) ایک علت یعنی ایک احساسی ارتسام جسمیں حافظہ یا گذشتہ متلازم تمثال سے تغیر ہو جاتا ہے، اور (۲) ایک معلول یعنی محرک[2] اوعیہ کے تغیرات اور ان کی وجہ سے جسمانی و ذہنی وظائف کا تغیر، اب سوال یہ ہے کہ ان دونوں اجزا کے درمیان کیا واقع ہوتا ہے؟ یا یہ کہ ان کے درمیان کچھ ہوتا بھی ہے کہ نہیں؟ اگر کوئی شخص مجھکو بھرا ہوا پستول دکھائے، اور میں لرزہ براندام ہو جاؤں، تو کیا خالصۃً ذہنی عمل یعنی خوف، شروع ہوتا ہے جو اس لرزہ، اختلاج قلب اور ہراسانی کی علت ہے، یا یہ جسمانی مظاہر اس دہشت انگیز علت سے براہ راست اور فوراً پیدا ہوتے، اور اس لئے جذبہ اجسام کے ان وظیفی اختلالات پر مشتمل ہوتا ہے"

آگے چل کر پھر کہتا ہے:-

"عام خیال یہ معلوم ہوتا ہے کہ جیسا کہ ابھی کہا جا چکا ہے، ایک جذبہ انگیز موقعہ و محل کا قریبی نتیجہ خالصۃً نفسی ہوتا ہے، یعنی یہ کہ یا تو ذہن میں ایک نئی طاقت پیدا ہو جاتی ہے، یا ذہنی حالت میں کوئی تغیر آ جاتا ہے، اس کے علاوہ یہ ذہنی فعلیت ہی وہ تاثر یعنی حقیقی انبساط

---

[1] The Emotions by James Lange Ed. by Dunlap

[1] یہ اور مابعد کے تمام اقتباسات اسی کتاب کے صفحات ۳۰ تا ۴۰، سے لئے گئے ہیں، [2] وہ آلات جنکو اوعیہ دموی کی حرکات پیدا کرنے میں دخل ہوتا ہے،

وانقباض وغیرہ ہے، اور جسمانی مظاہر ثانوی ہوتے ہیں، جو ہمیشہ ہر جذبہ

کے ساتھ موجود رہتے ہیں، لیکن بذات خود بالکل غیر ضروری ہیں"

یہاں تک اس نے عام خیال کی ترجمانی کی ہے، اور دکھایا ہے کہ عوام کے نزدیک جذبہ ایک ذہنی تاثر پر مشتمل ہوتا ہے، جسمانی مظاہر اس کے غیر ضروری اور منفک لوازم ہوتے ہیں، لیکن اس کا خیال ہے کہ اس مفروضہ کو صحیح صرف اس وقت تسلیم کیا جا سکتا ہے جب (۱) یہ ان مظاہر کی توجیہ کرے، جن کے لئے وہ قائم کیا گیا ہے، اور (۲) اس کے علاوہ کسی اور ذریعہ سے ان مظاہر کی توجیہ ممکن نہ ہو، ان شرائط میں سے پہلی شرط کو وہ ناقابل ثبوت کہہ کر تسلیم کر لیتا ہے، اب سوال صرف یہ رہجاتا ہے کہ کیا یہ ان مظاہر کی توجیہ کے لئے ضروری ہے؟ اگر جواب اثبات میں ہے، تو یہ مظاہر اس کے بغیر بالکل ناقابل ہونے چاہئیں لیکن اس کو کسی طرح بھی تسلیم نہیں کیا جا سکتا ہے کہ اس مفروضہ کی عدم موجودگی میں ان مظاہر کی توجیہ ناممکن ہے، یعنی یہ کہ ذہنی تاثرات کے بغیر ہی جذبات کی ماہیت سمجھی اور سمجھائی جا سکتی ہے، اس تمام بحث سے وہ اس نتیجہ پر پہونچتا ہے، کہ خوف کا جذبہ اصل میں جسمانی تغیرات کے ادراک کا ہم معنی ہے، اور یہ کہ اگر اس ادراک کو خارج کر دیا جائے، تو خوف کی ہستی ہی باقی نہیں رہتی، لیکن اس خیال پر اعتراض یہ وارد ہوتا ہے، کہ ہمارا ذاتی تجربہ اس کے بالکل منافی ہے، کیونکہ خوف میں بھی، ہر جذبے کیطرح ایک مخصوص تغیر، اور ذہن کی ایک مخصوص حالت کا احساس ہوتا ہے، جو جسم سے بالکل بے نیاز ہوا کرتا ہے، اس اعتراض کا جواب لینگ اس طرح دیتا ہے، کہ:-

"ہمارے پاس جسمانی اور ذہنی نوعیت کے احساس میں امتیاز کرنیکا

کوئی ذریعہ نہیں، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ کوئی شخص ذہنی احساس اور

جسمانی احساس میں تمیز نہیں کرسکتا، ہر ایک شخص نفسی اور جسمانی حیات
میں تفریق کرنے کے قابل نہیں، ہم کسی حساس کا انتساب صرف نظراً کرتے
ہیں، نہ کہ کسی فوری اور قریبی ادراک کی بنا پر،،

مثال کے طور پر وہ کہتا ہے کہ ایک غمزدہ شخص کے عضلات کی تھکان اور انکی نرمی اس کی بے خون جلد کی ٹھنڈک، کسی چیز پر توجہ مجمع کرسکنے کی ناقابلیت کو باعث غم کے خیال کا نتیجہ و معلول کہا جائے گا، لیکن واقعہ یہ ہے کہ محض اس خیال سے غم کی کیفیات پیدا نہیں ہوسکتیں اس کا وجود اس وقت تک نہیں ہوسکتا جب تک کہ اس کے جسمانی مظاہر کا ظہور نہ ہو، ان تمام دلائل سے وہ اس نتیجہ پر پہونچتا ہے کہ:-

"ایک خوف زدہ شخص کی علامات جسمانی کو خارج کرنے، یعنی اس
کی نبض اس کی نظر، اس کی رنگت اس کی حرکات، اس کے تکلم اور
خیالات میں اگر کوئی تغیر نہ ہو، تو اس کے خوف میں سے کیا باقی
رہ جائے گا،،

لینگ کے اس نتیجہ کا مقابلہ کیجئے جیمس کے اس قول سے کہ اگر جذبہ میں سے جسمانی علامات کو خارج کردیا جائے، تو کوئی ایسا ذہنی مواد باقی نہیں رہتا جس سے جذبہ مرکب کہا جاسکے، دونوں کے دونوں بالکل ایک ہی نتیجہ پر پہونچتے ہیں، دونوں کے دونوں جسمانی تغیرات کے احساس کو جذبہ کا جوہر قرار دیتے ہیں، نہ کہ کسی خاص ذہنی تأثر یا کیفیت وجدانی کو، دونوں کے نزدیک پہلے واقعہ مہیجہ کا علم ہوتا ہے، یہ علم جسمانی تغیرات پیدا کرتا ہے، اور ان تغیرات جسمانی کے احساس سے کیفیت حسی کا ونما ہوتی ہے، لیکن اس تمام اتفاق و اتحاد کے باوصف ان میں ایک جزئی فرق یہ ہو کہ لینگ کے نزدیک دوران خون کے تغیرات جذبات کے اساسی جسمانی اختلالات میں سے ہیں، جیمس نے ان تغیرات کو اتنی اہمیت

نہیں دی، اس کے نزدیک تمام تغیرات اور بالخصوص حشوی تغیرات، جذبات کے انبعاث کے لئے لازمی اور ضروری ہیں، لیکن اگر اس جزئی اختلاف سے قطع نظر کر لی جائے تو جیمس و لینگ بالکل متحد الرائے اور متفق الخیال ہیں، یہی وجہ ہے کہ اس نظریہ کو بالعموم "نظریۂ جیمس و لینگ" کہا جاتا ہے[1]،

"باقی"

---

[1] بعض لوگوں کو غلط فہمی ہوتی ہے کہ جیمس کا نظریۂ جذبات کرداریت کے نظریۂ جذبات کا پیشرو ہے، یا دوسرے الفاظ میں جیمس نے کرداریت کے خیالات و رجحانات کی پیش بینی کی ہے، یہ غلط فہمی اس وجہ سے پیدا ہوتی ہے، کہ "کرداری نفسیات" میں صرف جسمانی رد و اعمال سے بحث ہوتی ہے، بعینہ یہی حال جیمس کے نظریۂ جذبات کا ہے، اس میں بھی جسمانی تغیرات پر بہت زور دیا گیا ہے، اسی وجہ سے جیمس کا نظریہ کرداری ماہرین نفسیات کے نقطۂ نظر سے بہت قریب معلوم ہوتا ہے، لیکن اس خیال میں یہ نظر انداز کر دیا جاتا ہے کہ کرداریت شعور کے وجود کو ناقابل ثبوت اور اس لئے ناقابل تسلیم سمجھتی ہے، گویا اس کے وجود کی منکر ہے، اس کے نزدیک انسان ایک مشین ہے جو خارجی یا داخلی اثرات کی جواب میں رد عمل کرتا ہے، یہ صحیح ہے کہ جیمس نے اپنے نظریہ میں تغیرات جسمانی پر بہت زور دیا ہے، لیکن اسکے نزدیک جذبات نہیں بلکہ ان کے شعور یا احساس سے مرکب ہوتے ہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ صرف اس شعور یا احساس کو شامل کرنے سے جیمس نے اپنے آپکو کرداریت سے علیحدہ کر لیا ہے، ماہیت جذبات کے متعلق پروفیسر واٹسن نے کرداریت کی ترجمانی اس طرح کی ہے، کہ "جذبہ ایک موروثی "انموذجی ردعمل" ہے جسمیں مجموعی جسمانی آلات اور خصوصاً حشوی اور غدودی نظامات کے عمیق تغیرات شامل ہوتے ہیں" (نفسیات ایک کرداری کے نقطۂ نظر سے ص۱۹۵) اور "انموذجی ردعمل" سے وہ ردعمل مراد ہے جسمیں ایک ہیجان کے جواب کی مختلف تفاصیل ایک حد تک مدامی اور منتظم ہوتی ہیں، اور بعینہ تقریباً ایک ہی ترتیب کے ساتھ ظاہر ہوتی ہیں" (ایضاً) لیکن اگر جذبے کی ماہیت کو اس طرح بیان کیا جائے تو جذبہ اور جبلت میں امتیاز مشکل ہوگا، کیونکہ جبلت بھی پروفیسر واٹسن کے نزدیک ایک تقریباً اسی نوع کا "انموذجی رد عمل" ہوتا ہے، اس مشکل کی عقدہ کشائی اس طرح کی جاتی ہے، کہ جذبی ردعمل میں کم از کم عارضی طور پر ہمارا تمام جسم مختل ہو جاتا ہے (ایضاً ص۱۹۶) اور جبلت میں ایسا نہیں ہوتا، اس فرق کو زیادہ وضاحت اور صحت کے ساتھ اس طرح بیان کیا جا سکتا ہے، کہ جذبہ میں دائرۂ اثر اس فرد کے جسم تک محدود رہتا ہے جس پر جذبہ طاری ہوا ہے، اس کے خلاف جبلت میں یہ اس قدر وسیع ہو جاتا ہے کہ وہ فرد بحیثیت مجموعی اپنے ماحول کی اشیاء سے مطابقت پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے، (ایضاً ص۱۹۷) اس نظریہ کے مطابق ہمارے اکثر جذبات کیساتھ جبلتیں بھی شامل ہوتی ہیں، مثلاً خوف کے جذبے کے ساتھ بھاگنے کی جبلی حرکات، چنانچہ خود واٹسن اس نتیجہ کی طرف اشارہ کرتا ہے:۔ "غالباً ہر وہ ہیج جو ایک مخصوص جبلی فعل کا باعث ہوتا ہے، ایک ہی وقت میں جذبی کیفیت میں بھی تغیر پیدا کرتا ہے، بظاہر یہ امر معلوم ہوتا ہے کہ ہم یہ مان لیں کہ ایک جذبہ بغیر کسی ظاہری جبلی جواب کے ظاہر ہو سکتا ہے، لیکن یہ مان لینا مشکل ہے کہ ایک جبلی فعل کسی نہ کسی قسم کی جذبی حالت پیدا کئے بغیر صادر ہوتا ہے" (ایضاً ص۲۳۱) ڈاکٹر میکڈوگل کا بھی بعینہ یہی خیال ہے اگرچہ اس کا طریق استدلال اس سے مختلف ہے (ملاحظہ ہو نفسیات عمرانی ص۴۶ و مابعد) لیکن شینڈ اس خیال کا مخالف ہے، وہ کہتا ہے کہ ضروری نہیں کہ ہر جبلت کے ساتھ جذبہ پایا جائے، مثلاً چلنا ایک جبلی فعل ہے لیکن اس کے ساتھ کوئی جذبہ نہیں ہے (ملاحظہ ہو [illegible] Foundations of Character صفحات ۱۰۲ تا ۱۱۳) یہ ایک بہت دلچسپ بحث ہے، لیکن ہماری موجودہ بحث سے خارج ہے، ورنہ یہاں تو "افسانہ از افسانہ می خیزد" کا قصہ ہے،

اسی ضمن میں یہ معلوم کرنا بھی خالی از دلچسپی نہ ہوگا کہ ایڈگل نے جیمس اور کرداریت کے نظریۂ جذبات کے فرق کو واضح کرنے کے لئے یہ قاعدہ بیان کیا ہے، کہ کرداریت کا نظریۂ جذبات مساوی ہے جیمس کے نظریہ جذبات منفی شعور کے، یعنی اگر کرداریت کے نظریہ جذبات کو ب سے تعبیر کیا جائے، اور جیمس کے نظریہ کو ج سے اور شعور کیلئے د کی علامت مقرر کی جائے، تو اس تعلق کو ریاضی کی زبان میں اس طرح بیان کیا جا سکتا ہے:۔

ب = ج - د ،

(ملاحظہ ہو "نظریات حافظہ" ص۳)

مزاجی مساحت ذہنی

(۳)

از جناب ظفر حسین خانصاحب سب ڈپٹی انسپکٹر مدارس فتحپور ،

مشہور لطیفہ ہے کہ کہین کا لا تیتر بول رہا تھا، اس کو ایک بنئے، ایک حجام ایک قصائی اور ایک صوفی نے سنا، بنیا سمجھا کہ تیتر کہتا ہے "ہلدی، مرچین، ادرک" حجام نے تصور کیا کہ وہ کہتا ہے "استرہ، قینچی، کسبت"؛ قصائی کو سنائی دیا "ہڈی، گوشت، راتب" جبکہ صوفی صاحب نے یہ تاویل کی "سبحان تیری قدرت"

اُتلاف افکار کی اس سے زیادہ عام فہم مثال ملنا دشوار ہے، زمانۂ حال کے علمائے نفسیات نے استلافات ذہنی کو مزاج شناسی کا آلہ قرار دیا ہے، چنانچہ یہ عمل اس طرح کیا جاتا ہے کہ چند الفاظ معمول کے سامنے جوڑے جاتے ہین اور اس سے کہا جاتا ہے کہ معاان کے سننے کا سب سے پہلا خیال جو اس کے ذہن مین خطور کرے، اسے بیان کرے، مثلاً

سوال، کتاب؟ جواب - زہر عشق، سوال، کرسی؟ - جواب، تھیٹر

سوال - فرش؟ جواب، ناچ - سوال، خواہش؟ - جواب، شراب

سوال - خوف؟ جواب، نالش،

راقم سطور نے اپنے اوپر اس طریقہ کی آزمایش کی ہے کہ کوئی ایک تصور لیا اور ایک کاغذ کے تختہ پر اس تصور کے اُتلافات، در اُتلافات، (بغیر ذہن پر زور ڈالے) لکھتا چلا گیا، دو سو تین سو اُتلافات لکھنے کے بعد، ان تصورات کو نوعیت کے اعتبار سے مختلف سرخیون مین تقسیم کیا اور یہ دکھایا کہ کس قسم تصورات کا پلہ بھاری ہے اور کس کا ہلکا، متعدد بار آزمایش کی ہے اور اس تجربہ کو ہمیشہ اپنے نفس کا آئینہ پایا ہے

بعض امریکن ماہرین فن نے، سیرت شناسی کی آزمایشین، اس قبیل کی معین کی ہین کہ معمول

مختلف جرائم کی علی قدر مراتب فہرست مرتب کراتے ہین، یا ان سے کہتے ہین کہ فضائل کو اپنے نقطۂ نظر سے ترتیب دو،

ایک اور طریقہ یہ ہے کہ معمول کو متضاد الفاظ کی ایک فہرست دیدی جاتی ہے مثلاً مستعد، کاہل، مغرور، منکسر، وغیرہ اور معمول سے کہا جاتا ہے کہ وہ آپ کو ان مین سے کسی کے تحت مین رکھے، قابل لحاظ یہ امر ہوتا ہے کہ معمول کن مقامات پر فوری فیصلہ کرتا ہے، اور کن مقامات پر تامل کرتا ہے،

ایک اور آزمایش مین معمول سے کہا جاتا ہے کہ اپنے دستخط بہ سرعت تمام کرد، اس کے بعد معمولی رفتار سے دستخط کرائے جاتے ہین، دونون کا مقابلہ کرنے سے پتہ چلسکتا ہے کہ معمول مین کاہلی اور تیزی کا کیا تناسب ہے، دوسری آزمایش مین معمول سے کہا جاتا ہے کہ اپنا نام نہایت آہستہ آہستہ لکھے، اس آزمایش سے اس کا پتہ چلسکتا ہے کہ معمول مین، خلاف عادت، حالات کے مطابق، اس ذات کو ڈھالنے کی صلاحیت کس درجہ ہے، علیٰ ہذا القیاس، ایک آزمایش مین ایک محدود اور تنگ جگہ مین معمول سے کچھ عبارت جلد لکھنے کو کہا جاتا ہے، موجد آزمایش کا خیال ہے کہ اس آزمایش مین ان خصوصیات ذہنیہ کا امتحان متصور ہے جسکو ایک ٹریم یا موٹر چلانے والے مین پایا جانا چاہئے، اسی طرح آنکھین بند کرکے، دریا مین کا پہاڑہ پڑھتے ہوئے، یا دوسرے ہاتھ سے کنگھا کرتے ہوئے لکھنے کی آزمائشین ہین، جنسے مشکلات کے مقابلہ کی قوت کا پتہ چلتا ہے، ایک آزمایش مین قلم کے آگے کوئی وزنی چیز رکھدی جاتی ہے اور معمول سے کچھ لکھنے کو کہا جاتا ہے،

تصویرون کے وسیلہ سے بھی مزاج شناسی کیجاتی ہے، معمول کے سامنے (مصور پوسٹ کارڈ[1] اس کام مین نہایت موزون آلۂ آزمائش ہین) چند تصویرین رکھدیجاتی ہین اور اس سے کہا جاتا ہے کہ ان تصویرون کو اپنے پسند یا مذاق کے مطابق ترتیب دو،

[1] میرے ذہن مین کچھ عرصہ سے یہ منصوبہ تھا کہ اپنے بچہ کو ابتدائی تعلیم، پکچر پوسٹ کارڈون کے ذریعہ سے دون اس لیے کہ تعلیم کا مفہوم نوشت و خواند کی تحصیل مین محدود و سمجھنا، تعلیم کے تنگ ترین معنی لینا ہین، اس طریقہ کی صورت عمل، میرے ذہن مین یہ تھی کہ البم مین ہر شب کو ایک پوسٹ کارڈ چسپان کر دیا جاتا ہے تا کہ دوسرے دن تک دفتی پر خوب وصل ہوجائے، یہ بچہ

مزاج شناسی مین سب سے زیادہ مشکل کام، لیکن اسی کے ساتھ سب سے زیادہ ضروری، مختلف جذبات کے تناسب کا تخمینہ کرنا ہے، بخت و اتفاق سے ایک ایسا انکشاف حال مین ہوا ہے جس سے امید کیجاتی ہو کہ جذبات کے کمی و بیشی ہندسانہ طور پر صحیح صحیح قیاس کیجا سکیگی، یہ انکشاف اس طرح ہوا کہ ایک صاحب کے ہاتھ مین آلۂ برق پیما کے تار تھے، اس وقت اتفاقاً ان پر کوئی جذبہ طاری ہوا اور انھون نے دیکھا کہ سیلان برق کی مقاومت جو ان کا بدن معمولاً کر رہا تھا، دفعۃً کم ہوگئی، بعدازان تجربہ سے معلوم ہوا کہ اگر معمول کے ہاتھ اس آلہ سے منسلک کر دیئے جائین اور اس کے اندر خواہ داخلی اسباب مثلاً تصور کے ذریعہ سے یا خارجی اسباب مثلاً کسی کا نام لینے یا پستول کا فیر کرنے سے جذبات پیدا کئے جائین، تو آلۂ برق پیما سے اس انقلاب کا نشان ملسکتا ہے، چنانچہ معمول کی مختلف دلچسپیون یا جذبات کا باہمی تناسب، اس آلہ سے کمال صحت کے ساتھ دریافت ہوسکتا ہے، یہ آلہ مستقبل مین نفسیاتی دارالاختبار، کا غالباً ایک اہم جزو ثابت ہوگا اور کیا بعید ہے کہ اس آلہ کو کسی عنوان سے زیادہ ترقی دیجا سکے اور شعور کے دیگر کیفیات کی پیمایش بھی اس کی مدد سے ہو سکے، بہرطور، فی الحال اس قدر مسلم ہے کہ آلۂ برق پیما، آلۂ جذبات پیما بھی ہے،

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) کا گویا اس دن کا سبق ہے، اول دس تصویر پر بچہ سے سوال کئے جائین اور وہ خود تصویر کو بغور دیکھ کر جواب دے اس کے بعد معلم یا معلمہ اس تصویر کے ذریعہ سے بچہ کے معلومات عامہ مین اضافہ کرے، دوسرے دن گذشتہ یوم کی تصویر پر بطور اعادہ کچھ سوال کئے جائین، پھر ورق الٹ کر نئی تصویر پیش نظر کیجائے، ایک دم سے سب تصویر دن کا بچہ کو دکھانا، اس کی نفسی حیرانی کا باعث ہوگا، نیز بعدازان جب یہ تصویرین مقررہ قاعدہ کے مطابق، فرداً فرداً سامنے آئینگی توچونکہ پہلے کی دیکھی ہوئی ہونگی، اسلیے بچے کو اس قدر دلچسپی نہ ہوگی، جتنی پہلے بار دیکھنے مین ہوئی، اور جس قدر دلچسپی مین کمی ہوگی اسی قدر توجہ مین کمی ہوگی، اور جس قدر توجہ مین کمی ہوگی، اسی قدر حافظہ پر اس کا اثر کم پڑے گا، اس سلسلہ مین اس لطیفہ کا ذکر بیجا نہ ہوگا کہ اسی غرض کے لیے مین نے لکھنو کے بازار امین آباد کی خاک چھانی، لیکن، بازار کی خوش مذاقی کا بھلا ہو کہ کسی دوکان پر مجھے ایک پوسٹ کارڈ بھی اس قابل نہین ملا جو بچون کو دکھایا جاسکے، ایک دوکاندار صاحب نے تو بہانتک اہتمام کیا تھا کہ براہ راست فرانس سے حیا سوز پوسٹ کارڈ منگائے تھے، اور چونکہ انھین یہ معلوم نہ تھا کہ مین کس قسم کے پوسٹ کارڈون کی تلاش مین ہون، فرمانے لگے کہ بہت تھوڑے کارڈ باقی رہ گئے ہین، اگر آج نہ لیجیگا تو کل ان کے ملنے کی امید نہ رکھیے، اگر یہ سچ ہے تو آف رے پبلک مانگ! اسی طرح بازار مین کوئی ایسا البم بھی نہ تھا جو بچون کے ہاتھ مین چند روز تک رہ سکے، دوکان پر بالعموم پتلے کاغذ کے البم ملتے تھے جن کی جلد لیڈریٹ یعنی چرم نما کاغذ کی تھی، فضول نقش و نگار بنا کر ان کی قیمت بڑھا دی گئی تھی، یہ البم بھی دراصل انھین "نفیس" پوسٹ کارڈون کے لیے موزون تھے جو دوکانون پر بالعموم پائے جاتے تھے،

بعض علمائے نفسیات کا اعتقاد ہے کہ اعلیٰ ذہانت کے ساتھ، عالی اخلاق کا پایا جانا ضروری ہے، لہذا اول الذکر کو آخر الذکر کی ایک لازمی علامت سمجھنا کچھ غلط نہیں، چنانچہ امریکن پروفیسر ٹرمن کا دعویٰ ہے کہ اعلیٰ ذہانت کے ساتھ ان چوبیس اوصاف کا پایا جانا ضروری ہے:-

ظرافت[۱]، مسلسل توجہ[۲]، استقامت[۳]، جدت[۴]، صفائی[۵]، قوت ارادی[۶]، دیانت[۷]، ملنساری[۸]، قیادت[۹]، صورت شکل[۱۰]، بشاشت[۱۱]، معاونت[۱۲]، جسمانی خودداری[۱۳]، محنت[۱۴]، ہمت[۱۵]، بھروسہ[۱۶]، گویائی[۱۷]، ذہنی انکسار[۱۸]، اطاعت[۱۹]، ہردلعزیزی[۲۰]، مزاج کی ہمواری[۲۱]، ضبط جذبات[۲۲]، فراخدلی[۲۳]، تیزی[۲۴]،

اس عالم نفسیات کا دعویٰ ہے کہ "ان چوبیس صفات کا تناسب دریافت ہونے پر بغیر باضابطہ مساحت ذہنی کے معمول کا ذہنی خارج قسمت صحیح صحیح بتا سکتا ہوں"

ریفارمیٹری اسکولوں جیل خانوں اور چکلوں کے باشندوں کی مساحت ذہنی سے دریافت ہوا ہے کہ ان میں سے اکثر کا ذہنی خارج قسمت اس قدر پست تھا جس قدر کہ ایک فاتر العقل انسان کا ہونا چاہئے، علی ہذا وہ طلبا، جو اپنی طالب علمی کے زمانہ میں ذہنی خارج قسمت کے لحاظ سے نہایت ادنیٰ تھے، آگے چل کر بدچلن بھی ثابت ہوئے، اور عمر بھر حکومت کے لیے اقتصادی حیثیت سے، ایک کثیر صرفہ کا باعث رہے، ایسے افراد کو، اگر ابتدا ہی میں ذہنی تشخیص کر کے نگرانی کیجاتی اور ان کے مناسب حال تعلیم و تربیت دیجاتی، تو حکومت صرف کثیر سے بچ سکتی ہے،

امریکہ کے ایک پہاڑی خاندان کے متعلق مذکور ہے کہ وہ اپنی بداعمالیوں سے ساٹھ سال کی مدت میں ریاست مساچیسٹ کو پندرہ لاکھ روپیہ کے قریب زیر بار کر چکا ہے، علاوہ ان امراض اور بداخلاقیوں کے جو اس کی ذات سے دیگر خاندانوں میں پھیلی ہیں، تحقیقات سے ثابت ہوا کہ اس خاندان میں منجملہ ۷۰۹ افراد کے، ۴۸ فیصدی، ذہنی خارج قسمت میں نہایت پست تھے، ۲۴ فیصدی جرائم پیشہ تھے، ۲۰ فیصدی شرابی تھے، ۴۲ فیصدی عورتوں کو حرام کے حمل رہے، اور دس فیصدی علانیہ کسب کرتی تھیں،

اس طرح خاندان جوک کا ذکر ہے جو ۵ء سال کے دوران مین ریاست نیویارک پر اپنی بداعمالیون سے ۴۰ لاکھ کا صرفہ ڈال چکا ہے اور خاندان نام قریباً ۴ لاکھ کا صرفہ![1]

درسی مساحت ذہنی ،

نصاب تعلیم کے کسی مضمون کو لو اور اسکو نفسیاتی نقطۂ نظر سے غور کرو، تو معلوم ہوگا کہ ہر مضمون کی تہ مین متعدد قوائے نفسیہ کا عمل مضمر ہے، مثال کے طور پر پڑھنے کو لو، اگر پڑھنے کی نفسیاتی تحلیل کیجائے تو اس کے اجزائے ترکیبی یہ پائے جائینگے،[2]

(۱) حروف یا الفاظ کا ادراک بصری،

(۲) ذہنی یا داخلی تلفظ، یعنی حروف یا الفاظ کے (مقررہ آوازون کے ساتھ) باہمی ربط و تعلق کا احساس

(۳) لسانی یا خارجی تلفظ یعنی ذہن کا عضلات و اعصاب تلفظ یا مخارج قرأت پر تسلط (۴) تفہم عبارت،

چنانچہ پڑھنے کے امتحان کے ضمن مین، مذکورۂ بالا اعمال ذہنیہ کی مساحت، متصور ہے، اسی طرح دیگر مضامین کی نفسیاتی تحلیل کرنے سے دیگر کیفیات نفس ملتے ہین،

محققین فن نے نصاب تعلیم کے ہر شعبہ پر آزمائشین مقرر کی ہین، جنکے ذریعہ سے مختلف عمرون یا درجون کے طلبا کی مساحت ذہنی ہوسکتی ہے،

علاوہ عام مساحت ذہنی کے، درسی نظام آزمائش کا دوسرا مقصد، کسی خاص مضمون مین، طالب علم کی کمزوری کا دریافت کرنا اور اس کمزوری کی نوعیت کا تشخیص کرنا ہے یعنی درسی مساحت ذہنی کے ذریعہ سے ہم صحیح صحیح معلوم کرسکتے ہین کہ فلان طالب علم فلان مضمون مین کمزور ہے (لیکن اس قدر عام امتحان سے بھی معلوم ہوسکتا تھا) اور اس کمزوری کی نوعیت یہ ہے، درسی مساحت ذہنی اور معمولی امتحان مین بڑا فرق سوالات کی نوعیت کا ہے، معمولی امتحان کا منشا طالب علم کے منتہائے واقفیت کا جانچنا ہوتا ہے،

[1] "قوائے ذہنیہ کی نفسیاتی آزمائش" مؤلفہ مصنفہ پروفیسر ڈاکٹر ڈوبن، [2] ممکن ہو کہ مزید غور کے بعد مزید تحلیل کیجائے، سردست انھی فرقون کے دائرہ مین یہی اجزاء ہین،

درآنحالیکہ درسی مساحت مین آزمایش نہایت سہل اور سادہ سوالات سے مرکب ہوتی ہے، جنکا مقصد واقفیت کی پڑتال نہین ہوتا بلکہ ان قوائے ذہنیہ کی جانچ ہوتا ہے جو مضمون زیر امتحان سے متعلق ہین، ان آزمایشون کو نفسیاتی اصول سے ترتیب دیا جاتا ہے اور ابتدا سے اخیر تک مبلغ کی جانچ کی بجائے ذہنی ترقی کی جانچ ملحوظ رکھی جاتی ہے، معمولی امتحان مین طالبعلم کی کمزوری کی نوعیت کا پتہ چلانے کیلئے کوئی باقاعدہ رعایت نہین ہوتی انکے ذریعہ سے طالب علم کے پاس یا فیل ہونے سے عام کمزوری کا پتہ چلسکتا ہی مگر یہ نہین دریافت ہوتا کہ وہ کمزوری کیسی ہے، درسی مساحت ذہنی کی آزمائشون مین سوالات خاص اس امر کے دریافت کرنے کیلئے ترتیب دئیے جاتے ہین اور قلیل وقت مین معلوم ہوجاتا ہے کہ طالب علم کن مقامات پر ٹھوکر کھاتا ہے،

اس نظام مساحت سے کماحقہ واقفیت مدرسین کے لئے از بس ضروری ہے، اسلیے کہ وہ اس کے ذریعہ سے ایک ماہر فن کی حیثیت سے اپنے شاگردون کے ذہنی امراض کی صحیح و قطعی تشخیص کر سکتے ہین، اور مناسب حال علاج تجویز کر سکتے ہین، بعض مدرسین کمزور طلبا کی عدم ترقی سے بددل ہوکر، مایوسانہ اپنی توجہ ان کی جانب سے ہٹا لیتے ہین اور انکی دلی خواہش ہوتی ہے کہ کسی طرح معائنہ سے قبل ان کے نام خارج ہوجائین، لیکن چونکہ تعداد کی حاضری بھی ان پر عائد ہوتی ہے، اسلئے طوعاً و کرہاً ان کے نام درج رجسٹر رکھتے ہین، بعض مدرسین تو یہانتک کرتے ہین کہ اگر ان کو افسر معائنہ کے آنے کی اطلاع کسی ذریعہ سے آگے مل چکی ہے تو ایسے طلبا کو اس روز غیر حاضر کر دیتے ہین اور قلت حاضری کے الزام کو خرابی کار کے الزام پر جو ان طلبا کے حاضر ہونے سے عائد ہوتا ترجیح دیتے ہین، لیکن جس طرح طبیب کی دلچسپی کا مرکز، مریض ہے نہ کہ صحیح انسان، اسی طرح معلم کی دلچسپی کا مرکز، بالخصوص کمزور طالب علم ہونا چاہئیے اور ان معاملات مین، افسر معائنہ سے جو گویا ان سے زیادہ وسیع تجربہ کار طبیب ہے، مریض کو دکھا کر مشورہ کے لیے تیار رکھنا چاہیئے، مجھے اس باب مین مدرسین کی غلط فہمیان دور کرنے کی اکثر ضرورت پیش آتی ہے اور یہ سمجھانا پڑتا ہے کہ کسی طالب علم کے کمزور ہونے کی ذمہداری تنہا مدرس کی تعلیم پر

عائد نہین ہوتی، بلکہ اس کے متعدد اسباب ہین، چنانچہ مدرسین کو ایسے طلبا حاضر کرنے کی طرح طرح سے ترغیب دیجاتی ہے، میرے مدرسین آئندہ معائنہ کے وقت مین کرنے کے لیے حسب ذیل نقشہ تیار رکھتے ہین جسکی سرخیان انکو اچھی طرح سمجھا کر بتا دیگئی ہین، وہ سرخیان یہ ہین،

(۱) نام طالب علم (۲) درجہ (۳) مضمون (۴) کمزوری کی نوعیت (۵) کمزوری کے اسباب، (۶) علاج (۷) تجربہ یا تدبیر کا نتیجہ (۸) کیفیت،

کیفیت کے خانہ کا اندراج میرے لیے مخصوص ہے، طالب علم کا معائنہ کرنے کے بعد، مدرس کی رائے سے اتفاق یا اختلاف مع تدبیر لکھدیتا ہون جس طرح شفاخانون مین مختلف مریضون کے لیے جداگانہ کمرے ہوتے ہین مثلاً آنکھ کے مریض کے لیے جدا، کسی دوسرے مرض کے لیے جدا، اسی طرح میری ہدایت ہے کہ ایک ہی قسم کی کمزوری مین مبتلا لڑکون کو یکجا بٹھایا جائے، تاکہ ان کی مشترک شکایت کی جانب مدرس بآسانی توجہ کر سکے، اور انکی ترقی کی بآسانی نگرانی کر سکے،

اس سلسلہ مین ایک واقعہ کا بیان غالباً ناظرین کی دلچسپی کا باعث ہوگا، چند روز ہوئے ایک کمزور طالب علم پیش ہوا، یہ طالب علم دیگر مضامین بالخصوص حساب مین اچھا تھا، لیکن اس کا خط باوجود ایک اونچے درجہ کے طالب علم ہونے کے نہایت ناقص تھا، خط کی خرابی کی نوعیت یہ تھی کہ دائرے بالعموم ناقص تھے بعض بعض دائرے تو گویا چند مستقیم خطوط کے ملانے سے بنا دیئے گئے تھے، مثلاً نون کو وہ تقریباً یون لکھتا تھا ل، دوسری خرابی حروف کے ملاوٹ مین تھی، تیسری، لکھنے کی رفتار حد سے زیادہ سست تھی، اول و دوم نقشہ مین مذکور تھے لیکن سست نویسی کی جانب مدرس کا خیال نہین گیا تھا، حالانکہ مرض کی یہ ایک نمایان اور اسباب کی تفتیش مین ایک مفید علامت تھی،

مدرس کے خیال مین، ان خرابیون کے دو سبب تھے (۱) طالب علم کی عدم توجہ اور (۲) غیر حاضری طالبعلم مذکور کا معائنہ کرنے کے بعد، مین نے حسب ذیل اسباب قرار دیئے،

(۱) قلم کی غلط گرفت،

(۲) تختی کی غلط گرفت، صحیح زاویہ پر تختی کا نظر کے سامنے نہ ہونا،

(۳) قوتِ مشاہدہ کی کمزوری،

قلم اور تختی کی غلط گرفت کی وجہ سے ذہن کو اپنے تخیلات کی صحیح تعمیل کرانے مین جو مادی دشواری پیش آتی ہوگی وہ ظاہر ہے، لیکن اسکے ساتھ اس مین بھی شک نہین کہ ان مادی مشکلات کے علاوہ اس طالب علم کی قوتِ مشاہدہ بھی، فطرۃً نہایت ضعیف تھی،

مین نے تختہ سیاہ پر کھریا سے یہ شکل کھینچی [شکل] اور پورے تین سکنڈ تک پیش نظر رہنے کے بعد اسے مٹا دیا اور طالب علم سے کہا کہ وہ اس شکل کو اپنی تختی پر بنائے، اسکی بنائی ہوئی شکل کا نقشہ یہ تھا [شکل]، اوپر کا جز بجائے نصف دائرہ کے ایک کشیدہ منحنی مائل بہ استقامت، خط تھا جو عمودی خط سے جدا رہنے کے بجائے اس سے ملا دیا گیا تھا، دائرہ کے غلط بنانے کا سبب ممکن ہے مادی ہو یعنی، قلم تختی کی غلط گرفت لیکن دونون خطون کو ملا دینا صریح مشاہدہ کی خطا تھی، طالب علم کے خاندان کے متعلق دریافت کرنے پر معلوم ہوا، وہ ایک بنئے کا لڑکا ہے جس کا باپ، دادا، اور دیگر مورث اعلیٰ ہندی تحریر کے علاوہ کسی دوسرے رسم الخط سے غالباً ناآشنا تھے، حیاتیات کے قانونِ توارث کی بنا پر اس امر کو اہمیت دیجا سکتی ہے، چنانچہ اس اصول پر حساب مین اس کا تیز ہونا اس نظریہ کی تائیدی تصدیق تھی، لیکن اس قدر عیان مادی اسباب (جیسے قلم تختی کی غلط گرفت) کے سامنے بغیر کافی تجربہ کے اس نظریہ کو اہمیت نہین دیجا سکتی، ہان اگر ان مادی موانع کے دور ہونے کے بعد اور کافی مشق و تمرین کے باوجود بھی یہ خرابیان بحال رہین، تب منطق استقرا کے رو سے ان ہر دو امور کے سبب ہونے مین ضرور شک پیدا ہوجائیگا

تحریر کے ابتدائی مراحل بچے کے لیے نہایت کٹھن منزل ہین، نفسی اعتبار سے، اس کے ہاتھ کے رگ اور پٹھے، تحریر جیسے نازک کام کو زیادہ دیر تک انجام نہین دے سکتے، اسلیے کہ اعصاب پر

ان کی نوعمر توجہ کا تسلط زیادہ دیر تک قائم نہین رہ سکتا، میرے خیال مین ۵ سال سے آٹھ سال تک بچہ سے لکھائی کا کام لینا اس پر سخت ظلم کرنا اور تعلیم سے اسے بدشوق بنانا ہے، لیکن کیا کیا جائے کہ موجودہ اصول و نصاب تعلیم ہر ملک مین بچون کے ہاتھ مین قلم اور کتاب ایک ساتھ دیتے ہین،

عام دیہاتی مدارس مین تو جہان ایک مدرس کے پاس اعلیٰ اور ادنیٰ درجے ہوتے ہین یہ قیامت ہوتی ہے کہ مدرس بذات خود تو اعلیٰ درجہ کی تعلیم مین دلچسپی لیتے ہین اور چھوٹے بچون کی تختی ادھر بھری اور ادھر اس کو صاف کر کے پھر لکھنے کا حکم مل گیا، سچ پوچھیے تو تعلیمی نقطۂ نظر سے ان بچون کے حق مین تختی کا دھونا اسکو کھریا سے پوتنا اور ٹوٹی ہوئی بوتل کے پیندے سے اسے گھوٹنا بدرجہا مفید ہے، کہ اس مین ہاتھ اور آنکھ کی تربیت، ان کی عمر کے لحاظ سے زیادہ موزونیت کے ساتھ مرعی ہے،

دیگر ممالک مین مساحت ذہنی کی اشاعت،

اسٹریا،

وزارت تعلیم کی جانب سے ہائی اسکولون اور یونیورسٹیون مین داخلہ کے وقت، طلبا کی مساحت ذہنی کا انتظام ہے، اور وزارت رفاہ عام وائنا جو جنوری ۱۹۲۰ء سے قائم ہوئی ہے، حرفی مساحت ذہنی

لہ مین نے اکثر دیکھا ہے کہ میرا بچہ اپنی بہن سے جس کا سن ابھی دو سال ہے آنکھین بند کرنے کو کہتا ہے، تاکہ صاحبزادہ صاحب کے ہاتھ مین جو کھلونا ہے اُسے "کو ا" کرے جانے، لیکن بچی بمشکل تمام کوئی دو سکنڈ آنکھین بند رکھنے کے بعد کھول دیتی ہے، اسلئے کہ اس سے زیادہ اسکی قوت ارادی کام نہین کر سکتی، لیکن چونکہ "کو سے" کے آنے اور کھلونے کو اڑا کر لے جانے مین یقیناً دو سکنڈ سے زیادہ وقت درکار ہوتا ہے، صاحب زادہ صاحب اس کی اس حرکت پر بہت جز بز ہوتے ہین، اور کبھی اس غریب کو اس قصور کی پاداش مین سزا جسمانی بھی برداشت کرنا پڑتی ہے، ہمارے بعض ناقابل مدرسین بھی، بالکل اس قبیل کے موقعون پر باوجود سزا جسمانی کے ممنوع ہونے اور بیچارے بچے کے معذور ہونے کے زد و کوب کے مرتکب ہوتے ہین، لکھنے کے کام کو مسلسل گھنٹون تک جاری رکھنا اور اس پر جسمانی سزا دینا صریح ظلم ہے، ۔

کی ذمہ دار ہے علاوہ برین حرفی مساحت ذہنی کا کام متعدد نفسیاتی دار الاختبارات مین انجام پذیر ہوتا ہے

بلجیم

ابتدائی اور ثانوی مدارس مین مساحت ذہنی زیر تجربہ ہے، برسلز مین ڈاکٹر ڈیمور ضعیف العقل طلبا کی آزمایش کے لیے مساحت ذہنی کا استعمال کر رہے ہین،

حرفی مساحت ذہنی کے فرائض ایک مستقل محکمہ کے تحت مین انجام پا رہے ہین، جو ایک وسیع کتب خانہ، ایک دار الاختبار اور تین مختلف شعبون یعنی طبی، نفسیاتی، صنعتی، پر مشتمل ہے، ہر شعبہ ایک ڈائرکٹر کی نگرانی مین ہے، صنعتی شعبہ کا ڈائرکٹر محکمہ کا جنرل ڈائرکٹر بھی ہے،

چین

شانگھائی مین ایک قومی انجمن تعلیم اور صنعت و حرفت کے درمیان باہمی تعلقات ہموار رکھنے کے لیے قائم ہے، حرفی مساحت ذہنی کا استعمال کیا جاتا ہے،

ڈنمارک

میونسپلٹیون کی جانب سے حرفی مساحت ذہنی کے دار الاختبارات قائم ہین، بعض کارخانہ دارون کی انجمنین اپنی دار الاختبارات علحدہ قائم کر رہی ہین،

فن لینڈ

ریلوے کے ملازمین کے انتخاب کے لیے ایک نفسیاتی دار الاختبار ہے،

فرانس

علاوہ انفرادی و اجتماعی مساعی ذہنی کے حرفی مساحت ذہنی کا کام متعدد انجمنون اور کارخانون کے ہاتھ مین ہے،

جرمنی

مدارس مین انفرادی و اجماعی مساحت ذہنی کے علاوہ درسی مساحت ذہنی کا استعمال عام ہے، حرفی مساحت ذہنی کے لیے کثیر التعداد جماعتین اور دار الاختبارات ہین،

ہالینڈ

انفرادی و اجماعی و درسی نظامات زیر استعمال ہین، حرفی مشورہ کا کام ایک میونسپل کمیٹی کے متعلق ہے علاوہ ازین ۱۹۲۱ء سے ایسٹرڈم مین ایک نفسیاتی دار الاختبار قائم ہے جو پیشون کے متعلق مشورہ دیتا ہے،

اٹلی

عملی نفسیات کے دار الاختبارات مین، مساحت ذہنی سے کام لیا جاتا ہے، حرفی مساحت ذہنی کا نظام بعض دار الاختبارات مین زیر تحقیق ہے،

جاپان

اقتصادی نفسیات کا سررشتہ ۱۹۲۱ء سے ٹوکیو مین، عام نفسیاتی تحقیقات اور حرفی مساحت ذہنی کے مسائل حل کرنے مین مشغول ہے، عملی نفسیات کا شعبہ جو یونیورسٹی ٹوکیو سے متعلق ہے، حرفی مساحت کا نظام مدون کر رہا ہے،

لکسمبرگ

یہان، ایک نفسی و عضویاتی دار الاختبار قائم ہے، جس کے متعلق ایک صنعتی دار العلوم ہے، داخلہ کے وقت امیدوارون کی مساحت ذہنی کی جاتی ہے، آزمایشون کے نتائج برای استقرار جمع کئے جا رہے ہین،

ناروے

کرسچیانا مین ایک انجمن قائم ہے جو اس ملک کے مخصوص حالات کے لحاظ سے حرفی مساحت

ذہنی کا ایک ایسا نظام تیار کرنے مین مشغول ہے جو حرفی مشورہ اور نیز بری اور بحری افواج کے امیدوارون کے انتخاب مین کارآمد ثابت ہو سکے، اس انجمن کی مالی امداد سرکاری یونیورسٹی اور پرائیوٹ ذرائع سے ہوتی ہے، فوج کے کام کا معاوضہ "وزارتِ دفاع" کی جانب سے دیا جاتا ہے،

ہسپانیہ

عام مساحت ذہنی کا استعمال مدارس مین شاذ ہے لیکن میڈرڈ مین ایک انجمن ہے جو اس کام کو کر رہی ہے، حرفی مساحت ذہنی کے لیے ایک مستقل انجمن ہے جو چار محکمون پر مشتمل ہے،

(۱) محکمۂ مساحت طبی و عمرانی، جو معمول کی طبی آزمایش کرتا ہے اور اس کے خاندان کی طبی تاریخ و طرز معاشرت سے متعلق، معلومات بہم پہنچاتا ہے،

(۲) محکمۂ مساحت ذہنی جو معمول کی ذہانت کی آزمایش کرتا ہے، معمول کو ایک پرچہ دیاجاتا ہے جس مین اس کے مذاق طبعی، خواہشات، جذبات، عمرانی ماحول وغیرہم سے متعلق سوالات چھپے ہوتے ہین، معمول ان سوالات کے جوابات لکھکر پرچہ واپس کرتا ہے،

(۳) محکمۂ اعداد و شمار، (۴) محکمۂ اطلاع،

سوڈان

گوتھن برگ مین ایک نفسیاتی دار الاختیار ہے جو حرفی مساحت ذہنی کا مواد جمع کر رہا ہے، اسکی آمدنی پرائیوٹ ذرائع سے ہے، لیکن وقتاً فوقتاً محکمہ تعلیمات کی جانب سے طباعت وغیرہ کے کامون کے لیے امداد ملتی رہتی ہے،

سوئٹزرلینڈ

مساحت ذہنی چند ابتدائی مدارس مین زیر استعمال ہے، تھوڑا عرصہ ہوا جب یونیورسٹی زیورچ تجربات کرنے مین مشغول تھی، حرفی مساحت کا کام متعدد انجمنون کے ہاتھ مین ہے،

امریکہ،

مساحت ذہنی کی ابتدا اگر فرانس مین ہوئی تو اسکی انتہا، بلا مبالغہ امریکہ مین ہوئی، اس ملک مین مساحت ذہنی کے جملہ نظامات یعنی انفرادی، اجماعی، عملی، حرفی، مزاجی، درسی، رائج و شائع ہین اور نت نئے تجربات اور اصلاحات ہو رہے ہین، جنگ کے زمانہ مین ماہر نفسیات کو جس وسیع پیمانے پر تجربات کرنے کا موقع ملا تھا، اس کا ذکر اوپر آچکا ہے، مساحت ذہنی کے اصول پر، اکثر مدارس مین، غبی طلبا کی علحدہ، اور ذہین طلبا کی علیحدہ دفعات قائم ہین، اور ان کے حسب حال ان کی جداگانہ تعلیم کا انتظام ہے، علی ہذا، عام دفعہ بندی مین بھی مساحت ذہنی سے کام لیا جاتا ہے، تعلیمی تحقیقات کی متعدد انجمنین ہین جو ذہنی آزمایشون کی آزمایش اور فراہمی مواد مین سرگرم کار ہین،

حرفی مشورہ کے دو صیغے اپنی شانداری کے لحاظ سے خاص اہمیت رکھتے ہین، یعنی ہارورڈ یونیورسٹی کا صیغۂ مساحت حرفی اور انجمن ہدایت حرفی،

امریکہ کی بعض میونسپلٹیان، حرفی مساحت ذہنی کے کام مین دلچسپی لیتی ہین اور انھون نے بڑے بڑے ابتدائی مدارس اور ضلع ہائی اسکولون مین حرفی مشیر مقرر کئے ہین جو طلبا کو ان کے افتاد طبع کے مطابق، پیشہ اختیار کرنے کا مشورہ دیتے ہین

انگلستان

انگلستان کے بورڈ آف ایجوکیشن کی جانب سے جون ۱۹۲۲ء مین ایک مفصل رپورٹ مساحت ذہنی پر شائع ہوئی ہے جس کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس ملک مین مساحت ذہنی کے ہر شعبہ پر کافی اعتنا کیا جارہا ہے، انگلستان مین عرصہ سے عملی نفسیات کے متعدد دار الاختبارات قائم ہین جنمین ہمیشہ مساحت ذہنی کا کام ہوتا رہا ہے،

ہندوستان

ہندوستان مین مساحت ذہنی کے نام تقریبًا صفر ہے، سب سے مقدم کام ملکی نظام مساحت کی تدوین ہے جسین ملکی مشترک خصوصیات کا لحاظ رکھکر، ایک ایسا پیمانہ وضع کرنا ہے جو ہر صوبہ مین استعمال کیا جا سکے، اس قسم کا آل انڈیا پیمانہ تیار کرنے کے لیے حسب ذیل تدابیر اختیار کرنا ہونگی،

(۱) مساحت ذہنی کے ایک آل انڈیا صیغہ کا قیام،

(۲) ہر صوبہ مین مساحت ذہنی کی ایک کمیٹی کا قیام جسکی سرکردگی مین ہر ضلع مین مساحت ذہنی کا کام شروع کیا جائے، ہر صوبہ کی کمیٹی ایک پیمانہ کا مسودہ تیار کرکے ضلع کی کمیٹیون مین بھیجے اور ضلع کی کمیٹیان کافی تجربہ کے بعد آزمایش کے نتائج کی اطلاع صوبہ کی کمیٹی کو دین اور اپنی رپورٹ مین مسودہ پیمانہ کی ترمیم و اصلاح تجویز کرین،

(۳) صوبہ کی کمیٹی مختلف اضلاع کی رپورٹون کو پیش نظر رکھکر صوبہ کی مساحت ذہنی کا دوسرا پیمانہ تیار کرے اور مسودہ ماسبق کی طرح اس کا تجربہ بھی کیا جائے، یہانتک کہ ایک مشترک، قابل عمل، ہر صوبہ کے مناسب حال مساحت ذہنی کا پیمانہ دریافت ہو جائے،

(۴) صوبہ کی کمیٹیان اپنے اپنے صوبون کا مجوزہ پیمانہ آل انڈیا کمیٹی کو بھیجین جسکا فرض ہوگا کہ مختلف صوبہ کے پیمانون کو پیش نظر رکھکر ایک آل انڈیا مساحت ذہنی کے پیمانہ کا مسودہ تیار کرکے صوبون کی کمیٹیون کو بھیجے، اس مسودہ کا صوبہ کی کمیٹیان ضلعون مین تجربہ کرائینگی، اور آل انڈیا کمیٹی کو کیفیت کی رپوٹ کرینگی، اس طور پر ایک آل انڈیا پیمانہ وضع ہو سکے گا، یا اس کا وضع ہونا ناممکن العمل ثابت ہوگا،

(۵) صوبہ کی کمیٹی مین، کمشنری سے دو تین ممبر مقرر کیے جائین،

(۶) آل انڈیا کمیٹی مین ہر صوبہ سے چار پانچ ممبر ہون،

(۷) ہر صوبہ کی یونیورسٹی مین عملی نفسیات کی کرسی اور دارالاختبارات قائم کیے جائین،

(۸) میونسپل اور ڈسٹرکٹ بورڈ دن کو گورنمنٹ اس کام کے لیے علحدہ امداد دے،

اس تمام نفسیاتی تحقیقات مین ایک دوسرا ضمنی فائدہ بھی متصور ہے وہ یہ کہ اس ذریعہ سے ملک کی نفسی خصوصیات، سائنٹفک طور پر منکشف ہوجائنگی اور ان کے لحاظ سے مروجہ طریق تعلیم مین جو تمامتر غیر ممالک کے مروجہ طریقون کا چربہ ہے، مناسب ترمیم واصلاح کیجاسکیگی،

مکمل مساحت ذہنی کی تدوین،

عنوان بالا، راقم سطور کا موجودہ موضوع فکر ہے، اپنے محترم دوست مولانا عبدالماجد صاحب مصنف فلسفۂ جذبات کے مشورہ کے بعد ایک ایسے پیمانہ کی تدوین زیر غور ہے جو شعور انسانی کے جملہ کیفیات کو محیط ہو، اس مساحت کا نتیجہ معمول کی نفسی حالت کا مکمل آئینہ ہوگا،

اس نظام آزمایش مین، قوائے نفسی کے لیے جداگانہ دس دس آزمایشین ہین جنین سے ہر ایک کے تحت مین بیس بیس سوالات ہونگے، قائم کیجائنگی اور آزمایش کا نتیجہ گراف یا نقشہ مین دکھایا جا سکے گا، اس گراف کا ایک نامکمل نمونہ، تفہیم مقصود کے لیے صفحہ ۲۲۰ پر کھینچا جاتا ہی ملاحظہ ہو،

ان گرافون مین، نقاط کے ملا دینے سے اقلیدس کی مختلف شکلین بنین گی اور ان کے اعتبار سے معمول کے نفوس نامزد کئے جا سکتے ہین بعض حالتون مین ایسا ہوگا کہ نقاط کے ملا دینے سے ایک مستقیم خط بنجائیگا، جو قاعدہ کے ساتھ متوازی بھی ہوگا، اس شکل کے معمول کو "متوازی القوی" کہینگے، اس کے خلاف کو "غیر متوازی القوی"

غیر متوازی القوی کے (اشکال کے اعتبار سے) حسب ذیل اقسام ہونگے:-

(۱) مثلث،

(۲) ذوار بعتہ الاضلاع،

(۳) کثیر الاضلاع، جیسا کہ صفحہ ۲۲۰ کی شکل ہے،

(۴) مددر۔ ممکن ہے کہ ان اشکال کو معمول کے عقول کے اوصاف معروفہ کے ساتھ کچھ لگاؤ بھی ہو یعنی مثلاً ممکن ہے کہ تجربہ سے، گول شکل کا معمول گول عقل کا بھی ثابت ہو،

نقشہ مساحت ذہنی

نام مع عمر	حامد ۔ ۲۰ سال
وزن	ایک من بیس سیر
رفتار تنفس	۴۰ بار فی منٹ
حرکت نبض	۷۰ بار فی منٹ
جسمانی خصوصیات	دست وچپ سے زیادہ کام لیتا ہے، ضعف بصر کی خفیف شکایت ہے،
خاندانی حالات	طبقہ متوسط کا فرد ہے، اکثر حالات والدین کا لاڈ پیار، پیشہ زمینداری، خاندان کے بعض افراد شعر و سخن میں ذوق ر معمول امتیاز رکھتے ہیں،

آزمائشات،

۱۰ ۹ ۸ ۷ ۶ ۵ ۴ ۳ ۲ ۱

قوت ادراک بذریعہ حواس خمسہ

ذوق

جذبات

مادہ

پروفیسر براؤن

از

مولوی سید محمد طاہر صاحب رضوی بی اے کلکتہ

۱۹۲۶ء کے آغاز ہی مین ایک ایسا ایران دوست دنیا سے اٹھ گیا جس کا ثانی کوئی دوسرا نظر نہین آتا، یعنی تقریباً چونسٹھ سال کی قابل قدر زندگی کے بعد ۶ جنوری ۱۹۲۶ء کو پروفیسر براؤن نے اس دار فانی کو ہمیشہ کے لیے خیرباد کہا، ابتدائے عمر سے اخیر دم تک اس لائق ہستی نے مشرقی علوم و ادب کی کوئی خدمت اٹھا نہ رکھی تمدن اسلام اور اہل ایران سے جو دلچسپی پروفیسر موصوف کو تھی اس کا اندازہ ذیل کی چند سطور سے بخوبی ہو سکتا ہے،

اڈورڈ گرنوائل براؤن کی پیدائش، ۷ فروری ۱۸۶۲ء کو انگلستان کے ایک قصبہ یولی مین ہوئی، ان کے والد سر بنجامن براؤن نے انھین ابتدائی تعلیم اُن کی ایک درسگاہ مین دلوائی جس کے بعد وہ کیمبرج کے پمبروک کالج مین داخل ہوئے، جہان سے انھون نے ۱۸۸۴ء مین علم طب اور ۱۸۸۶ء مین علوم مشرقی مین اعزاز کے ساتھ گریجویٹ کی ڈگریان حاصل کین، ۱۸۸۲ء مین ان کے والدین نے ان کے اشتیاق کو دیکھکر تعطیل کے دو ماہ قسطنطنیہ مین گذارنے کی اجازت دی اور جب تحصیل علوم سے فارغ ہوئے تو ۱۸۸۷ء مین انھون نے ایران کا سفر کیا جہان دس مہینے ایرانیون کی "اندرونی" حالت کا بچشم خود مشاہدہ کیا،

ان کے والدین کی دلی خواہش یہ تھی کہ وہ ڈاکٹری (طب) مین مہارت حاصل کرین اور ان کے مہربان استاد ڈاکٹر رائٹ نے بھی پرزور اصرار کیا تھا کہ اگر دنیا مین آرام سے بسر کرنا ہے تو علوم مشرقی کے خیال سے درگذرو، لیکن فطری شوق کم نہ ہو سکا اور گو ڈاکٹری سند حاصل کی لیکن اسکو اپنا پیشہ نہین بنایا، عربی، فارسی اور ترکی زبانون ہی کی بدولت نام و نمود اور شہرت حاصل کی،

اپنی مشہور کتاب "ایرانیون کے ساتھ ایک سال" کے دیباچہ مین وہ اپنے اوائل عمر کا ایک واقعہ خود

لکھتے ہین، کہ سنہ ۱۸۷۷ء مین جب اون کی عمر محض چودہ پندرہ سال کی تھی، جنگ روم و روس شروع ہوئی، انکا بیان ہے کہ ترکون کی بہادری اور جان توڑ کوششون کا حال پڑھکر مجھے ان سے ایک گونہ ہمدردی ہوگئی اور ترکی معاملات سے اس قدر دلچسپی بڑھی کہ انکی حکومت کے تحفظ کو اپنی جان سے عزیز سمجھنے لگا پلونا مین ترکی شکست کا مجھے ایسا صدمہ ہوا کہ گویا خود میرے وطن اور قوم پر تباہی آگئی، میری دلی خواہش تھی کہ کسی طرح ترکی سپاہ مین داخل ہو کر ان کے ملک کی حفاظت مین اپنی جان تک قربان کر ڈالون، وغیرہ وغیرہ،

"تاریخ ادبیات ایران جلد دوم مین" ایک جگہ لکھا ہے کہ، اسلام اور عرب و عجم کے تمدن سے مجھے دلی الفت ہے،

پروفیسر براؤن کو اسلام اور اہل اسلام سے جو ارادت تھی وہ اہل نظر سے پوشیدہ نہین آج دنیائے اسلام عموماً اور ایران خصوصاً براؤن کا زیر بار احسان ہے، تمدن اسلام کا بیش بہا ذخیرہ جسکو ہم اپنے حافظہ سے بھی کھو چکے تھے اسی کی بدولت ایک مرتبہ پھر ہمارے سامنے آگیا، یہ براؤن ہی تھا جو مغربی نژاد تھا، مغرب کا تعلیم یافتہ تھا، مغرب مین پرورش پائی تھی، اور مغرب ہی مین اپنی تمام عمر بسر کی تھی، تاہم وہ مشرق کا دلدادہ تھا، جب کبھی کوئی مشرقی معاملہ پیش آیا اس نے سررشتۂ انصاف کو ہاتھ سے نہ چھوڑا اور خود اپنے وطن والون کے خلاف مشرق والون کی پشت پناہی کے لیے کھڑا ہوگیا، مگر افسوس کہ آج پورے یورپ مین براؤن کا کوئی جانشین نظر نہین آتا جو اسی کی طرح سچا اور باانصاف ہو، یورپین ہو مگر ایشیائی تہذیب کا شیدائی، انگریز ہو مگر ایران کا ہمدرد، عیسائی ہو مگر اسلام کا فداکار، معارف نے پروفیسر موصوف کی ساٹھوین سالگرہ کے موقع پر بالکل صحیح لکھا تھا، کہ "پروفیسر موصوف عام مستشرقین کی طرح صرف پیشہ کے طور پر اور تثلیث نہین بلکہ حقیقت مین ان کو مشرق، مشرقیات اور اسلامی علوم سے عموماً اور ایران سے خصوصاً ایک شغف ایک عشق ہے، انھون نے نہ صرف علمی حیثیت سے بلکہ اپنے رتبہ کے نیچے اتر کر سیاسی حیثیت سے بھی مشرق اور ایران کی گرانبہا خدمتین انجام دی ہین" (معارف ماہ مارچ سنہ ۱۹۲۲ء)

اس سالگرہ کے وقت یورپ کے مشہور مستشرقین نے مضامین لکھے اور ان کا مجموعہ ایک یادگار کی صورت

مینا" براؤن میموریل وڈیوم" کے نام سے پروفیسر موصوف کی خدمت مین پیش کیا اور جس کا نام ان کے نام کی رعایت سے (E.G.B) عجب نامہ رکھا،

اس عیسائی نما مسلمان نے اسلامی طرز و انداز، اور مسلمانون کی بود و ماند کو اپنا شعار قرار دیدیا تھا نواب سید نصیر حسین صاحب خیال کیمبرج کے ایک اردو رسالہ نوائے کیمبرج جنوری سنہ ۱۹۲۱ء مین پروفیسر براؤن سے اپنی ملاقات کے ذکر مین رقم فرماتے ہین کہ

"ایک زینہ پر چڑھے، بائین ہاتھ قدیم ہندوانی وضع کا دروازہ ملا اور اس پر نہایت چوب خوش خط نستعلیق مین نصر من اللہ فتح قریب، لکھا پایا، حیرت ہوئی، دق الباب کیا، آواز آئی Come in (اندر آئیے) (جواب) منم مسافر مشتاق شما،

"بسم اللہ تشریف بیآرید - اطاق فقیر است بسم اللہ"

اندر گئے تو معمولی کمرا، چار طرف میزین پڑی، اور ان پر بے ترتیب کتابون، اور مسودات کا انبار ایک طرف آتشدان روشن، اس کے قریب ایک سوفا اور دو تین آرام کرسیان، بس باقی ہوس.........

کمرے کا مالک مسکراتا ہوا آگے بڑھا، پذیرائی کی . . . ایک خالی کرسی کی طرف اشارہ کیا" بہ فرمائید تو بخاری" (آگ کے پاس بیٹھیے) دیکھا تو ہمارے رضا توفیق اور فہمی بے بھی کھڑے ہین، سلام علیک و علیک السلام، ہم سب بیٹھے" یا اللہ" کرسیان آگ کے قریب کھچ آئین، اور صحبت گرم ہوگئی.....

ایران کا ذکر، وہان کے سفر کا حال، فارسی ادبا کی نقلین، حکایات، اس ملک کے گذشتہ کارنامون کا فخریہ تذکرہ اور اسکی موجودہ حالت پر افسوس شروع ہوگیا،

"دوبارہ ہم خیال مسافرت ایران دارید؟" "خیر حالا پیر شدم (افسردہ ہوکر) ع جوانی کجائی کہ یادت بخیر آقا پائے گدا ہم لنگ شدہ است" . . . باتون مین دیر ہوگئی معافی مانگی، رخصت طلب ہوئے، آقا براؤن نے ایرانی تہذیب کے موافق دعا دیکر اور پھر ملنے کا وعدہ لیکر اور ذرا خم ہو کر تا دم دروازہ پہنچایا، اور سب کو رخصت کیا،

۔۔خدا حافظ، خدا حافظ، شما را بامان اللہ۔

ذیل مین پروفیسر براؤن کی تصانیف کی ایک معمولی فہرست پیش کیجاتی ہے جس سے ان کی قابلیت اور علمی لیاقت کا حال ظاہر ہو سکتا ہے :-

(۱) بابیان ایران (۱۸۸۹ء)، پروفیسر براؤن نے ۱۸۸۸ء مین اپنی سیاحت ایران مین جو جو نئی باتین دریافت کین، ان کا اس رسالہ مین مفصل ذکر کیا ہے، چونکہ مرزا علی محمد باب کے جدید مذہب نے اُس زمانہ مین بہت زور پکڑ لیا تھا، چنانچہ اب تک وہی حال ہے اور تقریبًا ایرانیون کا ایک بڑا گروہ اس مذہب کا معتقد ہے، پروفیسر موصوف نے اس کا حال خاص کر درج تحریر کیا ہے، رسالہ مذکور رائل ایشیاٹک سوسائٹی کے جرنل مین چھپا تھا،

(۲) ایک سیاح کی سرگذشت (۱۸۹۱ء)، بیان حالات باب مین یہ ایک کتاب کی صورت مین فارسی مع انگریزی ترجمہ کے چھاپی گئی، بابی مذہب پر مفصل بحث کیگئی ہے،

(۳) بابیون کے قلمی نسخون کا بیان (۱۸۹۲ء) مذہب باب کے متعلق ۲۷ قلمی کتابون کی فہرست اور ہر کتاب کا مفصل ذکر ایشیاٹک سوسائٹی کے جرنل مین چھاپا گیا،

(۴) ایرانیون کے ساتھ ایک سال (۱۸۹۳ء) جس کا ذکر قبل مین آچکا ہے، سفر ایران کے مفصل واقعات درج ہین، پروفیسر براؤن نے سخت تکلیفین اٹھا کر ایران کے ہر طبقہ کے لوگون کی سوسائٹی مین رہکر ان کے اندرونی حالات معلوم کئے ہین جس سے ایران کے خواص وعوام کی زندگی، طرز و اطوار اور خیالات کا بخوبی پتہ چلتا ہے،

(۵) تاریخ جدید (۱۸۹۳ء) میرزا علی محمد باب کے متعلق نئی تاریخ اور اسکی زندگی کا حال اصل فارسی سے انگریزی مین ترجمہ کیا ہے،

(۶) ایک قدیم تفسیر قرآن، (۱۸۹۴ء) جس کا مفصل ذکر ایشیاٹک سوسائٹی کے جرنل مین چھپا،

(۷) ایران کی مختلف زبانون کی شاعری (۱۸۹۵ء) اس پر تنقیدی نظر کے ساتھ مفصل بحث،

ایشیاٹک سوسائٹی کے جرنل مین چھپی،

نمبر ۸- فارسی قلمی نسخے (۱۸۹۶ء) کیمبرج یونیورسٹی لائبریری کی کل قلمی کتابون کی مکمل فہرست اور ایک پرمفصل بحث کتاب کی صورت مین شائع ہوئی،

نمبر ۹، گبری زبان کا نمونہ (۱۸۹۶ء) ایران کی گبری زبان کے متعلق مفصل ذکر ایشیاٹک سوسائٹی کے جرنل مین چھاپا گیا،

نمبر ۱۰، غدر زنجان کا چشم دید واقعہ (۱۸۹۷ء) ۱۸۵۰ء مین باب کے معتقدین نے جو بمقام زنجان ایک ہنگامہ مچایا تھا، اس کا چشم دید حال اصل کتاب فارسی سے انگریزی مین پروفیسر براؤن نے ترجمہ کرکے شائع کیا،

نمبر ۱۱، فرقۂ حروفی کے مذہب اور کتابون پر نظر (۱۸۹۸ء و ۱۹۱۳ء) ایشیاٹک سوسائٹی کے جرنل مین اس مذہب کا مفصل ذکر کیا گیا اور حروفیوں کی مذہبی کتابون پر بحث کیگئی ہے، پھر ۱۹۱۳ء مین دوبارہ نہایت اضافہ کے ساتھ ایک طویل مضمون چھپا تھا،

نمبر ۱۲، چہار مقالہ نظامی عروضی سمرقندی، (۱۸۹۹ء) پروفیسر براؤن نے اس کا انگریزی ترجمہ سوسائٹی کے جرنل مین چھپوایا، اب علٰحدہ کتاب کی صورت مین بھی شائع ہوگیا،

نمبر ۱۳، نہایت الارب فی اخبار الفرس والعرب (۱۹۰۰ء) اس پر مفصل بحث سوسائٹی کے جرنل مین چھپی،

نمبر ۱۴، اسلامی قلمی نسخون کی دستی فہرست، (۱۹۰۰ء و ۱۹۲۲ء) کیمبرج یونیورسٹی کی لائبریری کی کل قلمی کتابون کی فہرست جو اسلام اور تمدن اسلام سے تعلق رکھتی ہین، ایک کتاب کی صورت مین شائع ہوئی، پھر اسی کا سلسلہ دوسری جلد مین ۱۹۲۲ء مین چھاپا گیا،

نمبر ۱۵، تذکرۃ الشعراء (۱۹۰۱ء) دولت شاہ سمرقندی کے فارسی تذکرۂ شعراء کو پروفیسر موصوف نے بعد تہذیب و تحشیہ شائع کیا،

نمبر۱۶ تاریخ ادبِ ایران جلد اول (۱۹۰۲ء) اوائل زمانہ فردوسی تک فارسی نظم و نثر پر معتبر ذرائع سے مفصل بحث کیگئی ہے، فارسی ادب پر اس سے بڑھکر کوئی دوسری کتاب اس وقت موجود نظر نہین آتی، فارسی شعرا اور مصنفین اور ان کے تصنیفات کا واضح طور پر ذکر کیا گیا ہے،

نمبر۱۷، لباب الالباب، (۱۹۰۳ء) تذکرۂ عوفی جو شعرائے فارس کا سب سے پرانا اور معتبر تذکرہ مانا جاتا ہے، پروفیسر براؤن اور میرزا محمد قزوینی نے تالیف کیا،

نمبر۱۸، تاریخ طبرستان مصنفہ محمد ابن اسفندیار (۱۹۰۵ء) جس کا خلاصہ کرکے انگریزی ترجمہ پروفیسر موصوف نے شائع کیا،

نمبر۱۹، تاریخ ادبِ ایران جلد دوم (۱۹۰۶ء) بعد زمانہ فردوسی سے زمانہ شیخ سعدی تک فارسی ادب کی مفصل تاریخ ہے، اس سلسلۂ تاریخ ادبِ ایران سے پروفیسر براؤن کی ادبی خدمات کا بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے،

نمبر۲۰، فارس کے واقعاتِ حال کا مختصر افسانہ (۱۹۰۹ء) ملک ایران کی اس زمانہ کی خلاصہ تاریخ ہے، حکومت ایران کی حالت عوام کی نظروں کے سامنے پیش کیا ہے، بیرونی مداخلت پر منصفانہ تنقید ہے،

نمبر۲۱ انقلاب ایران ۱۹۰۵ء (۱۹۱۰ء) حکومت روس کی بیجا مداخلت کے نتائج، ایران کی بیکسی، برٹش گورنمنٹ کی پولٹیکل چالین اور ایرانیون کی سادہ لوحی سے ان بیرونی اقوام کی دست درازیان حکومت ایران کی کمزوری، رعایا پر ناجائز دباؤ وغیرہ وغیرہ، ان پر ایک مفصل کتاب ہی جس سے پروفیسر موصوف کی ہمدردی اور انصاف پسندی کا پورا پتہ چلتا ہے،

نمبر۲۲، تاریخ گزیدہ، مصنفہ حمد اللہ مستوفی قزوینی (۱۹۱۰ء) جسے پروفیسر براؤن و پروفیسر نکلسن نے بعد تہذیب و تحشیہ شایع کیا،

نمبر۲۳، کتاب نقطۃ الکاف (۱۹۱۰ء) حاجی مرزا جانی کاشانی کی لکھی ہوئی سب سے پرانی بابیون

کی تاریخ، جسے پروفیسر براؤن نے ایک قلمی نسخہ سے تالیف کیا،

نمبر۲۴، سانحہ فارس، (۱۹۱۲ء) ماہ دسمبر ۱۹۱۱ء مین فارس مین جو ایک سانحہ عظیم حکومت کی کمزوری کے باعث ظہور مین آیا، اس کے اسباب اور نتائج وغیرہ پر بحث کرکے محض چند یوم کے عرصہ مین یکم جنوری ۱۹۱۲ء کو شائع کرکے پبلک کے سامنے پیش کیا اور جس سے خاص مطلب برٹش گورنمنٹ کی امداد اور ہمدردی تھی،

نمبر۲۵، تبریز کی خونی حکومت اور انگریزون کی جوابدہی (۱۹۱۲ء) واقعہ گذشتہ پر ایک مفصل کتاب لکھی اور جس مین یہ دکھلایا ہے کہ حکومت برطانیہ کا کیا فرض ہے، ماہ اکتوبر ۱۹۱۲ء مین شائع ہوئی ایران اور اہل ایران سے پروفیسر براؤن کی دلچسپی کا اس سے پورا پتہ معلوم ہوتا ہے،

نمبر۲۶، اخبار و نظم ایران موجودہ (۱۹۱۴ء) حال کے شعرائے فارس کا تذکرہ اور ان کی نظم کا انتخاب، ایرانی اخبارات اور رسائل کا ذکر، دو جلدون مین،

نمبر۲۷، مواد متعلقہ مذہب بابیہ، (۱۹۱۸ء) بابیون کے احوال کہان کہان سے دستیاب ہوئے یا ہو سکتے ہین ان پر مفصل بحث ہے،

نمبر۲۸، تاریخ ادب ایران جلد سوم (۱۹۲۰ء) زمانۂ سعدی سے زمانۂ ملّا عبدالرحمن جامی تک شعراء کی نظم کا انتخاب مع ترجمۂ انگریزی درج کتاب ہے،

نمبر۲۹، طب عرب (۱۹۲۱ء) عربی زبان کی ان کتابون کا خلاصہ جنمین دواؤن کا بیان ہے، اس موضوع پر دیگر زبانون کی کتابون کے حوالون سے بحث بھی کیگئی ہے،

نمبر۳۰، ادب ایران جلد چہارم (۱۹۲۵ء) زمانہ جامی کے بعد سے زمانہ حال تک، اس کتاب سے پروفیسر براؤن کی انتہائی دلچسپی کا پتہ جو انھین فارسی ادب سے تھی ملتا ہے، پروفیسر موصوف کی یہ آخری تصنیف ہے،

متفرقات | ترکی شاعری کی تاریخ جسے ایڈمر ڈگب نامکمل چھوڑ کر مرے تھے، پروفیسر براؤن نے

اس کو مدون وکمل کیا، چھ جلدون پرمنقسم ہے، بہایت مشروح اور مفصل کتاب ہے، ایڈورڈ گب کی مان نے اپنے شوقین بیٹے کی یادگار مین ایک وقف قائم کر کے فارسی عربی اور ترکی زبانون کی کتابون کا ذخیرہ جمع کیا، چنانچہ پروفیسر براؤن نے گب میموریل کی کتابین بھی اپنی جانفشانیون سے ترتیب دین، علاوہ انکے اور بہت سے مضامین ورسالے رائل ایشیاٹک سوسائٹی کے میگزین مین برابر نکلتے رہے، جنکا ذکر خالی از طوالت نہین،

اس مختصر فہرست سے براؤن کی ادبی وعلمی خدمات کا بخوبی پتہ چلتا ہے، اسلام اور ایران کے اس ہمدرد نے ضعف مزاجی کسی حالت مین ترک نہ کی، جسکا حال پروفیسر موصوف کی کتابون کے مطالعہ سے ہمین پوری طرح معلوم ہوتا ہے، آج براؤن ہم سے دور اور بہت دور کسی دوسری دنیا کی سیر مین مصروف ہین، مگران کے کارنامے مثل روز روشن ہویدا ہین، ہمارے دل براؤن کے نام پر بے اختیار تحسین کرتے ہین براؤن کا نام صفحۂ ہستی پر اس وقت تک کے لیے ثبت ہے، جبتک جمشید اور نوشیروان، رستم واسفندیار فردوسی وسعدی، حافظ وجامی کا نام باقی ہے، ؎

سعدیا مرد نکونام نمیرد ہرگز،

مردہ آنست کہ نامش بنکوئی نبرند،

اسوۂ صحابہ جلد دوم،

از مولانا عبد السّلام صاحب ندوی

جس مین صحابہ کے سیاسی انتظامی، اور علمی کارنامون کی تفصیل ہی، اس کا مطالعہ ہر مسلمان کا فرض ہی

قیمت للعہ، ضخامت ۵۰۰،

"منیجر"

تلخیص و تبصرہ

سائنس کے انفعالات

تمام افعال انسانی دماغ کے اشارہ سے ظہور پذیر ہوتے ہیں، دماغ کے مختلف حصے ہیں، مگر افعال کا تعلق صرف دو سے ہے، مخ (مغز) اور مخ مستطیل، مخ مرکز دماغ ہے اور مستطیل اس کا ایک حصہ ہے، اسی طرح افعال کی بھی دو قسمیں ہیں، ایک ارادی یا اختیاری، دوسری قسری یا اضطراری، ارادی افعال مخ کے تابع ہیں اور قسری اعمال مخ مستطیل کے، افعال قسری اگرچہ اپنی مستقل ہستی رکھتے ہیں مگر بے شعور ہیں، نہ ارادہ سے صادر ہو سکتے ہیں اور نہ روکنے سے رک سکتے ہیں، مثلاً کھانسی، چھینک اور ہنسی، انگڑائی، ہچکی اور جمائی یہ چھؤں مخ مستطیل کے تابع ہیں، منجملہ دیگر فرائض کے مخ مستطیل کا سب سے اہم فرض عضلات تنفس کی نگرانی ہے، تاکہ سانس کی آمد و شد میں ترتیب و توازن قائم رہے، علماء تشریح کا فیصلہ ہے کہ اگر مخ مستطیل میں خفیف سا بھی زخم پیدا ہو جائے تو تمام نظام تنفس درہم برہم ہو جائے اور جاندار فوراً ہلاک ہو جائے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مخ مستطیل تنفس کا اہم مرکز ہے،

تنفس محض سانس کی آمد و رفت کا نام نہیں ہے، بلکہ ہنسی، کھانسی، چھینک، انگڑائی، ہچکی، جمائی سب پر محیط ہے اگرچہ بظاہر حرکات تنفس سے ان کو کوئی تعلق نہیں معلوم ہوتا لیکن ادنی تامل سے معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ سب تنفس ہی کے مظاہر ہیں کیونکہ جن اعضا کے عمل سے سانس کی آمد و شد ہوتی ہے، بعینہ انھیں اعضا اور اسی عمل سے یہ چیزیں بھی پیدا ہوتی ہیں، ان افعال قسری کی تنفس کے اعتبار سے دو قسمیں ہیں ایک جنمیں سانس اندر جاتی ہے، دوسری جنمیں سانس باہر آتی ہیں، چنانچہ کھانسی چھینک اور ہنسی اندر

جانیوالی سانس کے انفعالات سے تعلق رکھتے ہین اور باقی تین باہرآنیوالی سانس کے انفعالات سے،

کھانسی ایک تنفسی حرکت ہے جسمین پہلے سانس اندر جاتی ہے اور بالکل اسی سے متصل باہرآتی ہو اور یہی حرکت وہ آواز پیدا کرتی ہے جسکو کھانسی کہتے ہین، کھانسی پیدا اس طریقہ سے ہوتی ہے کہ جب پھیپھڑے غیر معمولی طور سے بھر جاتے ہین اور ہوا تدریجًا اپنی نلکی سے نکلنے نہین پاتی کیونکہ پھیپھڑون کے امتلار کے سبب سے آواز کے عصبی ریشے سمٹ جاتے ہین اور ہوا کا نکلنا طبعی ہے، اسلیے شکم کے عضلات آنتون کو اوپر کی طرف زور سے پھینکتے ہین اور اس سے ہوا کی روک ہٹ جاتی ہے اور پھیپھڑون کی ہوا کے لیے راستہ کھل جاتا ہے اور آواز کے سمٹے ہوئے عصبی ریشے پھیل جاتے ہین' اس سے ہوا کو نکلنے مین آسانی ہو جاتی ہے کیونکہ یہی روک تھی، اور یہی عضلات کی قوت ہوا کی نالی سے بلغمی مواد کو نہایت تیزی سے نکال پھینکتی ہے "

چھینک کھانسی مین صرف اس قدر فرق ہے کہ کھانسی مین ہوا کا زیادہ حصہ منھ سے نکلتا ہے اور چھینک مین نتھنون سے' اس کا سبب یہ ہے کہ چھینک مین تالو کے عصبات سمٹ جاتے ہین جس سے نرخرہ مین حجاب پیدا ہو جاتا ہے کیونکہ وہ تالو سے نیچے ہے اور ہوا کے دو ہی راستہ ہین' ایک حلق کی نلکی دوسرے ناک حلق کی نلکی سے حجاب نکلنے نہین دیتا، صرف نتھنے باقی رہجاتے ہین' اسلئے اس طرف سے نکلتی ہے اور بلغمی مادہ بھی اسی طرف سے خارج کرتی ہے مگر چونکہ تالو کے عصبات بالکل نہین سمٹ جاتے اسلئے نرخرہ مین شدید قسم کی رکاوٹ بھی نہین ہوتی، اسلیے ہوا کا زیادہ حصہ ناک سے خارج ہوتا ہے اور تھوڑا منھ سے اس صورت سے چھینک اور کھانسی مین بہت مشابہت پیدا ہو جاتی ہو'

ہنسی، سانس کے برآمد کرنے مین کوشش کرنے کا نام ہے، اور سانس کے برآمد کرنے والے عضلات کی تشنجی حرکت سے پیدا ہوتی ہے جس سے تھوڑی تھوڑی ہوا نکلکر پھیپھڑون کو بالکل خالی کر دیتی ہے، یا کچھ باقی رہتی ہے' ہوا ہنسی کی مناسبت سے نکلتی ہے جس درجہ کی ہنسی ہوگی، اسی

مقدار مین ہوا بھی نکلیگی، ہوا کے نکلنے کا فوری اثر ہنسنے والے پر پڑتا ہے، جس قدر ہنسیگا اُسی قدر ہوا نکلیگی اور اسی اعتبار سے طبیعت مین تکدر پیدا ہوگا، کیونکہ ہوا ہی سے پھیپھڑے تر و تازہ رہتے ہین، اس کا اندازہ ہر شخص کو ہوگا کہ زیادہ ہنسنے سے افسردگی پیدا ہوجاتی ہے، اس کا سبب یہی ہے کہ ہوا کا زیادہ حصہ پھیپھڑون سے خارج ہوجاتا ہے اور کبھی ایسا بھی دیکھنے مین آیا ہے کہ آدمی ہنستے ہنستے مر بھی جاتا ہے، کیونکہ ایسی صورت مین پھیپھڑے بالکل خالی ہوجاتے اور بقائے حیات کیلئے ان مین ہوا کا ہونا ضروری ہے،

مذکورۂ بالا حالتیں اندرونی سانس کے انفعالات تھے، ان مین مشترک چیز سانس کی آمد ہے، انکے مقابل انگڑائی، ہچکی، اور جمھائی، بیرونی سانس کے انفعالات ہین ان مین سانس کی درآمد ہوتی ہے،

انگڑائی، تیز اور غیر منتظم تنفس کا نام ہے لیکن اس مین ہوا کی رکاوٹ کی وجہ سے آواز کا ہونا ضروری ہے اور اس مین باقی عضلات اپنے اپنے فرائض اپنے اصول کے مطابق پورے کرتے ہین،

ہچکی، اور انگڑائی مین صرف اس قدر فرق ہے کہ ہچکی مین سانس کی درآمد ناگہانی ہوتی ہے، اس کے آنے کا سبب یہ ہے کہ ہوا کے حجاب مین ایک قسم کا تشنجی انقباض پیدا ہوجاتا ہے اور ہوا جب نرخرہ سے گذرنا چاہتی ہے تو وہ پھیپھڑے تک پہنچانے کے لیے فوراً تیار نہین ہوتا، ہوا کی اس کشمکش سے آواز کے عصبی ریشون مین ایک خاص اہتزاز پیدا ہوتا ہے جس سے ہچکی کی آواز پیدا ہوجاتی ہے،

جمھائی، گہرے قسم کی سانس کی درآمد ہے جس کے ساتھ ہی سینے کے تمام عضلات مین تشنجی انقباض پیدا ہوجاتا ہے، اس مین تمام وہ علامتین پائی جاتی ہین جو سانس کے درآمد کرنے مین پیدا ہوتی ہے، مثلاً سینہ کا پھولنا، شانون کا اوپر چڑھنا اور پیٹ کا دبنا وغیرہ،

(الہلال)

سیام کے بعض دلچسپ حالات

سیام برما سے مشرق مین واقع ہے، یا یون کہا جائے کہ فرانس کے مقبوضات ہند سے جانب مغرب ہے

اور یہی وجہ ہے کہ گرچہ سیام مین مستقل ملکی حکومت قائم ہے، لیکن شرق یعنی برما مین انگریزون اور مغرب مین فرانسیسیون کے ہونے سے وہ ہمیشہ سخت مشکلات مین مبتلا رہتا ہے کیونکہ یہ دونون، دونون پہلوؤن سے اس کے دبانے کی کوشش مین ہمیشہ مصروف رہتے ہین، خصوصاً انگریزون کا دباؤ اور زیادہ سخت ہے، چنانچہ ۱۹۰۹ء مین انگریزی حکومت جانب جنوب مین سیام کا ایک بڑا حصہ جو متعدد صوبون پر مشتمل ہے، دبا لینے مین ایکمرتبہ کامیاب ہو چکی ہے،

سیام کی آبادی تقریباً . . . . . . ہے، وہان شاہی حکومت قائم ہے، چنانچہ ابھی حال مین راما ششم شاہ سیام کے ۴۵ برس کی عمر مین انتقال کرنے کی خبر آچکی ہے، اہل سیام اپنی جسمانی اور صوری حیثیت چینیون سے زیادہ مشابہ ہین کیونکہ وہ لوگ بھی چینیون کی طرح مغل نسل سے ہین اور اسی لیے ان دونون کی یہ مشترکہ خصوصیت ہے کہ ان کے اندر نظام جمہوری کی روح پیدا نہین ہوتی، وہان کے حکام باشندون پر مظالم ڈھاتے ہین اور وہ خاموشی سے بیٹھے تماشا دیکھتے رہتے ہین، بلکہ وہان اس وقت تک کوئی حاکم لائق نہین کہا جا سکتا جب تک وہ اپنے طرز عمل سے مظالم کے متعدد واقعات کا ثبوت نہ بہم پہنچا ئے ان کے یہان بردہ فروشی کثرت سے رائج ہے اور جہان بردہ فروشی کا رواج ہوگا وہان سے عورتون کا احترام اور انکی آزادی مفقود ہو جائیگی، اسی لیے وہان انسانیت کے لحاظ سے عورتون کی کوئی قدر و قیمت نہین ہے، وہ گھر مین بمنزلہ اثاث البیت کے ہین،

آزادی کی روح کے فقدان کی بنا پر ان مین ایک اور نہایت انسانیت سوز عادت پائی جاتی ہے، وہ یہ ہے کہ وہان ہر سال کمسن لڑکیون کی ایک جماعت قصر شاہی مین بھیجی جاتی ہے جنھین وہان رقص و سرود کی تعلیم دیجاتی ہے پھر جب وہ ایک مدت کے بعد ان چیزون مین ماہر ہو جاتی ہین تو پھر وہ شاہ سیام کی خواص مین داخل کیجاتی ہین، اس کے بعد ان کی تمام عمر اسی محل شاہی مین بسر ہوتی ہے،

اہل سیام ہندوستان کے بزرگترین نبی "گوتم بدھ" کے پیرو ہین، نیز ان کے مذہب مین

قدیم برہمنون کے مذہب کی آمیزش موجود ہے، ان کی عبادت گاہون مین قطار در قطار بت نصب ہوتے ہین جنکی بدھ مذہب کے عوام پوجا کیا کرتے ہین، ان کے طریق عبادت، اور دیگر آداب و تہذیب مین ہندوستان کی ذہنیت کی نمایان جھلک پائی جاتی ہے، ان کے یہان بھی ایک وطنی ڈرامہ ہے جسے وہ اپنے بچپن سے اسٹیج پر کھیلا کرتے تھے، یہ ڈرامہ ہندؤن کے قدیم ڈرامہ سے مشابہ ہے جو آج تک زبان سنسکرت مین محفوظ ہے،

(الہلال مصر)

ڈاکٹر لیبان اور مشرق کے انحطاط کا سبب،

فرانس کے مشہور مستشرق اور علم الاقوام کے ماہر ڈاکٹر گستاؤلی بان نے اپنی عمر کا بڑا حصّہ مشرقیات کے مطالعہ مین صرف کیا ہے اور یہان کی تاریخ پر بہت غائر نظر ڈالی ہے تمدنِ عرب اور تمدنِ ہند کے ضخیم مجلدات انھین کے نتائج فکر ہین، اسلیے اسکو مشرق کا سب سے بڑا نباض کہنا بیجا نہ ہوگا، ایک مصری طالبعلم نے جب اس سے ملاقات کی تو چونکہ مشرق کے عروج و زوال کا نقشہ اس کے سامنے تھا اور اس کے اسباب و علل پر بھی اس نے غور کیا تھا اور جس نتیجہ پر وہ پہنچا تھا اسکو نصیحت کے طور پر مشرقی نوجوانون کے گوش گذار کیا اس کے یہ قیمتی نصائح اس قابل ہین کہ تمام مشرقی اقوام بالخصوص ہندوستانی نوجوانون کو اس سے سبق لینا چاہیئے کہ یہ انکی نجات کا ذریعہ ہین مستشرق مذکور مشرق کے تنزل کا سبب بتاتے ہوئے کہتا ہے:۔

"مشرق کے انحطاط کا سب سے بڑا سبب یہ ہے کہ اسنے باطل عقائد مین پڑکر اپنے مذہب کی روح کھو دی ہے کیونکہ صرف مذہب ہی وہ قوت ہے جسکا اعتصام قومون کو گرنے نہین دیتا، اسلئے مشرقیونکا فرض ہے کہ روش زمانہ کے مطابق اپنے مذہب پر مضبوطی سے جمے رہین اور اپنے اسلاف کی خوبیون کی تقلید کرین اور ان کی بہترین عادات و خصائل کو نہ چھوڑین"

اس کے بعد خاص طور پر ان طلبہ کو نصیحت کی ہے جو مغربی علوم سے بہرہ اندوز ہونے کے لیے یورپ جاتے ہین۔

معان کو یورپ کے ایسے علوم وفنون اور خیالات وعادات کو انتخاب کرنا چاہیئے جو ان کے وطن کیلئے مفید اور مشرقی اخلاق کے موافق ہون؛

پھر ان لوگون کا تذکرہ کیا ہے جو بغیر سمجھے بوجھے اپنے عقائد اور عادات وخصائل بدل دیتے ہین اور اس کا لحاظ نہین کرتے کہ ان کا روحانی اثر ان پر کیا پڑے گا آخر مین ترقی کے راز اور دنیا مین زندہ رہنے کے رمز سے آگاہ کرتا ہے کہ "دنیا کی جو قوم ترقی کرنا چاہتی ہے اس کا پہلا فرض یہ ہے کہ اس سر رشتہ کو ہاتھ سے نہ چھوڑے جو اسکو اس کے ماضی سے مربوط کئے ہے اور اپنی تمام قدیم چیزون کا احترام دل سے کرتا رہے"؛ یہ سبق ایک یورپین اور ایک اجنبی دیتا ہے! کیا ہندوستانیون کیلئے بالخصوص مذہب سے بیگانہ اور قدامت سے نفور نوجوانون کے لیے اس مین کوئی درس بصیرت ہے؟

(الزہرا)

دار المصنفین کی نئی کتاب

سیر الصحابیات

از

مولوی سعید انصاری،

جس مین نہایت مستند حوالون سے ازواج مطہرات بنات طاہرات اور عام صحابیات کے سوانح اور انکے اخلاقی مذہبی اور علمی کارنامے درج ہین، لکھائی چھپائی کاغذ اعلیٰ ضخامت ۲۲۵، قیمت عہ

"مینجر"

برقی لہر مہلک نہین، پروفیسر ڈارسنفال فرانسیسی نے ثابت کیا ہو کہ برقی لہر خواہ کسی درجہ کی ہو انسان کو ہلاک نہین کرسکتی، البتہ اس پر وقتی بیہوشی طاری کردیتی ہے، اور فوری تدبیر سے وہ ہوش مین آسکتا ہے، چنانچہ پروفیسر ندکو رنے متعدد حیوانات پر اس کا تجربہ کیا اور بہت قوی برقی لہران سے مس کی، جنسے انپر موت کے تمام ظاہری علامات طاری ہوگئے لیکن پروفیسر ان کو ہوش مین لے آیا، اس نئی تحقیق کی برکت سے وہ تمام جانین محفوظ ہوگئین، جو آئے دن ٹرام کے تارون سے ضائع ہوتی رہتی ہین،

اشتہار کا خطرہ، ڈیلی میل کے پہلے صفحہ مین ایک مرتبہ کے اشتہار کی اجرت ۰۰ ۱۰ اگنی ہے، اس سے معلوم ہوتا ہو کہ انگریزی جرائد کی زندگی کا دارو مدار اشتہارات پر ہے اگر اشتہارات ان کو نہ ملین تو انکی زندگی بھی ختم ہو جائے، چنانچہ بہت سے اخبارات ایسے ہین کہ اگر ان کے حجم کے برابر سادہ کاغذ خریدا جائے تو اس مطبوعہ اخبار سے گران پڑے گا، اسکی وجہ یہ ہے کہ ان اخبارات کی ساری قیمت اشتہارات سے نکل آتی ہے، اسلیے کاغذ کی کوئی قیمت نہین رہجاتی، اور وہ سستے بکتے ہین، مدبرین یورپ اس کے خطرناک انجام سے بہت خوفزدہ ہین، کیونکہ اگر یہی حالت قائم رہی تو اخبارات مشتہرین کی مستقل ملکیت ہو جائینگے اس لیے کہ وہ ان کے حصص خریدنے پر لٹ رہے ہین اور اسکی پالیسی مین مداخلت کرتے ہین تاکہ ان کے مفاد کے خلاف اس مین کچھ نہ لکھا جا سکے،

ایک اہم تصنیف، شام کے نامور شاعر و ادیب خیر الدین زرکلی عنقریب ایک جلیل القدر تالیف

"الاعلام" شائع کرنے والے ہین، اس مین فاضل مؤلف نے عرب جاہلی سے لیکر دور حاضرہ تک کے چار ہزار مشہور عرب مردون اور عورتون کی سوانحعمریان بہ ترتیب حروف تہجی جمع کی ہین، یہ تالیف سیکڑون مستند قلمی اور مطبوعہ کتابون کا عطر ہے جن سے اسکی تالیف مین مدد لیگئی ہے، اسکی ترتیب اور طباعت جدید یورپین طرز پر ہوگی، ہر صفحہ مین دو کالم ہونگے، پہلے شخص کا مشہور نام ہوگا، اس کے بعد اس کا سنہ ولادت و وفات سنہ ہجری و عیسوی مین درج ہوگا، پھر اسکے وہ کارنامہائے زندگی ہونگے جو اس کی شہرت کا باعث ہوئے، آخر مین اس کی تالیفات و تصنیفات کی فہرست ہوگی، جس مین قلمی اور مطبوعہ کی بھی وضاحت ہوگی اس مین حشو و زوائد سے کتاب کو طول نہین دیا گیا ہے، بلکہ محض ضروری اور کارآمد باتین مختصراً لکھی گئی ہین، ضخامت اندازاً ایک ہزار صفحات ہوگی،

جامع عمرو بن عاص سلطان مصر نے جامع عمرو بن العاص کیطرف توجہ فرمائی ہے، اس مسجد کو مشہور صحابی حضرت عمرو بن العاص فاتح مصر نے ۲۱ھ مین دمیاط کی سرحد کے پاس تعمیر کرایا تھا، اسکی تاریخی اہمیت اور قدیم صنعت کی یادگار ہونے کی وجہ سے سیاح برابر دیکھنے کے لیے جاتے رہتے ہین، اسلیے اسکی صفائی اور مرمت کی سخت ضرورت ہے، اس مسجد کے ہر چہار جانب کثرت سے قبرین ہین،

قسطنطنیہ مین اشاعت تعلیم قسطنطنیہ اشاعت تعلیم مین تمام ترکی شہرون پر فائق ہے، ترکی جرائد کے بیان کے مطابق قسطنطنیہ اور اس کے قرب و جوار مین ۱۹۵ ابتدائی سرکاری مدرسے ہین جنمین ۳۲۴۵۰ طلبہ تعلیم پاتے ہین، اور ان پر ۴۰۰۰۰۰ پونڈ سالانہ صرف ہوتا ہے، ان مین ۱۶۷ مدرسے سررشتۂ تعلیم سے متعلق ہین، اور ۲۷ اوقاف سے،

مصر کا گزیٹیر، حکومت مصر نے معجم جغرافی مصر (گزیٹیر) کی تالیف کے لیے ایک محکمہ قائم کیا ہے اس معجم مین مصر کے شہرون، دیہاتون، اور پروون کا مختصر جغرافیہ ہوگا نیز پولیس اسٹیشن سے ان دیہاتون کا فاصلہ درج ہوگا، ابھی یہ محکمہ اعداد و شمار فراہم کر رہا ہے اسکو ختم کرکے تالیف کا کام شروع کرے گا، اسکے قبل ۱۸۹۰ء مین حکومت نے اس قسم کی ایک معجم تیار کرائی تھی لیکن وہ نامکمل ثابت ہوئی،

مردم شماری کی قدامت، آجکل عمومًا یہ خیال کیا جاتا ہی کہ مردم شماری یورپ مین برکات کا مظہر ہے حالانکہ قدیم لغات کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بہت قدیم طریقہ ہے چنانچہ "احصاء" کی توضیح مین ہمکو ملتا ہے کہ اس کے معنی شہرون کی پیمایش، اسکی سکان کی تعداد اور اس کے مزارع اور ان کے صنعتی اور حرفتی کارخانون کا شمار کرنا ہے" لغت کی شہادت کے علاوہ اسکی عملی مثالین بھی ملتی ہین چنانچہ باؤ شہنشاہ چین نے ۲۲۰۸ سال قبل میلاد مسیح اپنی رعایا اور ان کے ذخائر شمار کرائے تھے، حضرت موسیٰؑ نے، سترہ صدی قبل مسیحؑ عبرانی قوم کی مردم شماری کرائی تھی جس کا ذکر توراۃ سفر عدد مین بھی آیا ہے، اسلام کے عہد نبوت مین بھی آنحضرت صلعم نے مسلمانون کی مردم شماری ہوئی یورپ مین ۱۸۲۵ء مین، فرانس کی مردم شماری ہوئی، نئے دور مین نپولین کو اس طرف خاص توجہ ہوئی چنانچہ ۱۸۰۱ء مین فرانس کی مردم شماری کرائی اور اس وقت سے یہ طریقہ عام طور پر رائج ہو گیا، پہلی مرتبہ تحصیلون کا شمار ۱۸۲۵ء مین اور صنعتی و تجارتی شمار ۱۸۴۳ء مین اور ریلوے لائنون کا ۱۸۴۶ء مین ہوا،

ایک مصری ایجاد، حال مین مشہور مہندس محمود مجدی آفندی نے بوگی کے پہیون مین تیل لگانے کا ایسا آلہ ایجاد کیا ہے کہ ریل چلتی رہتی ہے اور وہ پہیون مین تیل لگاتا رہتا ہے،

اسلامی اٹلس، تاریخ و جغرافیہ کا رشتہ باہم کچھ اتنا قریبی ہے کہ دونون کو ایک قرار دینا شاید ایک حد تک بیجا نہ ہو کیونکہ جب تک تاریخی جغرافیہ پیش نظر نہ ہو ہماری تاریخ دانی تقریبًا نامکمل رہتی ہے، مگر ہمارے اردو کتب خانے تاریخی اطلسون اور تاریخی جغرافیون سے قطعًا خالی ہین، لیکن ہمکو جناب ماسٹر محمد اسحاق صاحب کا شکر گذار ہونا چاہئیے کہ انھون نے یہ اسلامی اٹلس تیار کرکے ایک حد تک اس کمی کو پورا کیا ہے،

یہ اٹلس، ۱۴ نقشون کا مجموعہ ہے سب سے پہلے نقشہ مین مذاہب عالم کا تناسب، دوسرے نقشہ مین فتوحات اسلامیہ کے حدود، پھر آٹھ نقشون مین عہد نبوت، خلفائے اربعہ، بنی عباس، بنی امیہ، اور سلاطین آل عثمان کے انتہائی عروج کا نقشہ دکھا کر ص ۱۱ مین یکجا طور پر پانچ نقشے دیکر ۱۹۲۱ء تک کے مقبوضات خلافت کا مقابلہ خلفائے راشدین، بنی امیہ، بنی عباس، اور ۱۵۱۶ء تک کے مقبوضات آل عثمان سے مقابلہ کیا گیا ہے، ص ۱۹ پر (نظر اعدا) کے عنوان سے ایک نقشہ مین یورپین طاقتون کی چشمہائے آز کا فوٹو ہے، ص ۲۲ پر (شعاع امید) کے ماتحت ایشیا کے اندر سر بعروج اسلامی ممالک کا نقشہ دیا گیا ہے، یہ دونون نقشے آمنے سامنے ہوتے تو بہتر تھا،

ماسٹر صاحب نے اکثر مواقع پر مولانا حالی کے مناسب حال اشعار درج کئے ہین، بہتر ہوتا کہ ان اشعار کی بجائے، نقشہ کو سمجھانے کے لیے مختصر اشارات (نوٹ) ہوتے، کاغذ دبیز اور نقشے اگر رنگین ہوتے تو علاوہ اس کے کہ ماسٹر صاحب کی محنت اور زیادہ نفع بخش ہوتی اٹلس کے حسن مین بھی اضافہ ہوجاتا،

یہ اٹلس نقش اول ہے، نقش ثانی کے متعلق ہم کو امید ہے کہ اس مین ہندوستان کی اسلامی

تاریخ کو فراموش نہ کیا جائے گا، ہمیں اگر ماسٹر صاحب کی ہمت افزائی کی تو شاید اُن سے اور زیادہ امیدین وابستہ کرنیکا حق بھی ہمکو حاصل ہوجائے گا قیمت ۸عہ منیجر اسلامی انلس مردہی نولہ سیتا پور سے طلب کیجئے،

مجاہدین مراکش، ریف کے سرکف مجاہدین نے اسلام کی قدیم ترین جنگی تاریخ کو اس کے تمام معجزانہ خصائص کے ساتھ زندہ کر دیا ہے، مگر ہم اس بہادر قوم کے حالات سے اچھی طرح واقف نہین، ہم کو ملک عبدالقیوم بی اے بیرسٹرایٹ لا کا ممنون ہونا چاہیئے کہ انھون نے "مجاہدین مراکش" لکھکر ملک پر بڑا احسان کیا ہے "مجاہدین مراکش" کا شمار پنجاب کے ان زود قلم مؤلفین کی تصنیفات مین نہین کیا جاسکتا ہے، جو ہر وقتی عنوان کے ماتحت جلد سے جلد چند سرسری معلومات شائع کر دینے کے عادی ہین، بلکہ جب ۱۹۲۲ء مین ریفی وفد لندن آیا تھا، تو اس کتاب کا مؤلف وہان موجود تھا، اور اس نے رضاکارانہ طور پر وفد کے قانونی مشیر کے فرائض انجام دیئے تھے، اس بنا پر اس کتاب کا سرمایۂ معلومات تاریخی استناد کے لحاظ سے نہایت قیمتی ہو، فاضل مؤلف نے اس کتاب کو ۱۸ ابواب پر تقسیم کیا ہے جنمین بترتیب حسب ذیل باتین اختصار مگر وضاحت کے ساتھ بیان کیگئی ہین، مراکش کی مختصر تاریخ، یورپ کے ساتھ تعلقات کی ابتدا، سیاسی پیچیدگیان، ہسپانیہ و ریف کے سیاسی تعلقات، جنگ ہسپانیہ و ریف، وفد ریف لندن مین، ریف کا موجودہ نظام جمہوریت، ریف کے متعلق یوروپین طاقتون کے خفیہ معاہدے، موقع موقع سے ان مین ۱۴ تصاویر بھی ہین،

معلومات کے لحاظ سے کتاب نہایت دلچسپ اور وسیع ہے، زبان بھی ستھری اور پاک ہے لیکن بعض مقامات پر "رنگ شاہی"، "فرقہ اندازیون" اور "شراکت پسند" جیسے فقرے مذاق سلیم کو گران معلوم ہوتے ہین، "شراکت پسند" کی بجائے "شرکت پسند" یا "اشتراکیت پسند" (جو اب معروف لفظ ہو چکا ہے) زیادہ بہتر ہوتا، بہرحال یہ کتاب اس قابل ہے کہ ہمارے ناظرین اس کا مطالعہ کرین قیمت عہ پتہ:- ملک عبدالقیوم بی اے (علیگ) بیرسٹرایٹ لا گوجرانوالہ،

بشیر پاشا سیریز، زندہ قومین اپنے مشاہیر اور رہبرون کی یاد ہمیشہ تازہ رکھتی ہین، ہندوستانی مسلمانون کا بھی فرض ہے اپنے محسنون کے حالات کو عام طور پر اپنے علم و ادب کا جزو بنا دین، تاکہ جسطرح یہ لوگ اپنی زندگی مین ہمارے اخلاق و فضائل کی تعمیر مین کوشان تھے، اسی طرح ان کے نیک آثار انکے واصل بحق ہوجانے کے بعد بھی، ہمارے قومی اخلاق کو راسخ بنانے مین کام آئین، قوم کو انکی نہ صرف مبسوط سوانحعمریون کی ضرورت ہے بلکہ چھوٹے چھوٹے رسالے ان مبسوط سوانحعمریوں سے زیادہ کارآمد ہوتے ہین،

اسی مقصد کو پیش رکھتے ہوئے، جناب مولوی محمد الطاف حسین صاحب بی اے علیگ (ہڈ ماسٹر اسلامیہ اسکول اٹاوہ) نے اپنے محبوب ترین شاگرد (بشیر پاشا خلف مولوی بشیرالدین صاحب اڈیٹر البشیر) کی یادگار مین ہندوستان کے مشاہیر کی مختصر سوانحعمریان شائع کی ہین، جنکا اجمالی نام بشیر پاشا سیریز ہے، اب تک اس سلسلہ کی حسب ذیل کتابین شائع ہو چکی ہین،

تذکرۂ سرسید	مرتبہ	جناب نورالرحمٰن صاحب بی اے
تذکرۂ مولانا شبلی	"	" مولوی محمد مہدی صاحب بھوپال
تذکرۂ حافظ نذیر احمد	"	" "
تذکرۂ محسن الملک	"	" منشی محمد امین صاحب زبیری
تذکرۂ سید محمود	"	" [illegible]
تذکرۂ سمیع اللہ خان	"	" سید عبدالکریم بی اے ال ال بی

یہ تمام کتابین اسلامیہ اسکول اٹاوہ پر وقف ہین، افسوس کہ ان کی قیمت نہین معلوم غالبًا ہڈ ماسٹر صاحب اسلامیہ اسکول اٹاوہ سے مل سکین گی،

پیام امن، موسیو جے ڈ پال ایک فرانسیسی مصنف کے خیالات دربارۂ امن عالم، واخوت انسانی وخون آشامی ودل یورپ کی ترجمانی ہے، اس کے بعد مولوی صاحب موصوف کا تبصرہ ہے، جس میں انھیں مسائل پر انجیل اور قرآن کی تعلیمات کی تفصیل ہے، اردو میں بالکل نئے خیالات ہیں، ۱۶۰ صفحے

مکالمات برکلے، مشہور فلاسفر برکلے کے ڈائلاگس کا ترجمہ جس میں مکالمہ کی صورت میں برکلے نے مادیت کا ابطال کیا ہے، قیمت باختلاف کاغذ طبع دوم

مولوی سعید صاحب انصاری،

تفسیر ابومسلم اصفہانی، عربی معتزلی کی مفقود اور نادر الوجود عقلی تفسیر قرآن کے اجزا جو نہایت دیدہ ریزی سے امام رازی کی تفسیر کبیر سے جمع کئے گئے ہیں، عمدہ ٹائپ میں چھپی ہے قیمت

سیر الصحابیات، ازواج مطہرات، بنات طاہرات اور عام صحابیات کی سوانحعمریاں اور ان کے علمی واخلاقی کارنامے،

سیر الانصار حصہ اول، انصار کرام کی مستند سوانحعمریاں اور ان کے اخلاقی اور مذہبی کارنامے

سیر الانصار حصہ دوم، انصار کرام کے بقیہ حالات اور انکے اخلاقی اور مذہبی کارنامے، قیمت

مولوی محمد یونس مرحوم فرنگی محلی

روح الاجتماع، موسیو لیبان کی کتاب جماعت ہائے انسانی کے اصول نفسیہ کا اردو ترجمہ جس میں انسانی جماعت کے اخلاق پبلک رہنماؤں کی خصوصیات اور جماعتوں کے بننے اور بگڑنے کے قوانین نفسی بیان کئے گئے ہیں، صفحہ ۲۳۲

ابن رشد، مشہور مسلمان اندلسی حکیم جو مسلمانوں میں ارسطو کے فلسفہ کا بہترین شارح سمجھا جاتا ہے اور جس کی تصنیفات مدتوں تک یورپ کی یونیورسٹیوں میں پڑھائی جاتی تھیں، اس کے سوانح اور اس کے فلسفہ پر تبصرہ اور اسی ضمن میں مسلمانوں کے علم کلام وفلسفہ پر بھی ریویو، اور یورپ میں اسلامی علوم کی اشاعت کی تاریخ اور فلسفہ جدیدہ وقدیمہ کا موازنہ بھی آگیا ہے، ابن رشد کے متعلق اتنا بڑا ذخیرۂ معلومات کسی مشرقی زبان میں کیا کسی مغربی زبان میں بھی نہیں مل سکتا، ضخامت ۰۰۴ صفحے قیمت

پروفیسر سید نواب علی ایم اے،

معارج الدین، جدید علم کلام پر ایک محققانہ تصنیف اور فلسفہ جدیدہ اور مذہب کی باہمی تطبیق پر بہترین تبصرہ

تاریخ صحف سماوی، توراۃ انجیل اور قرآن مجید کی جمع وترتیب کی تاریخ کا باہمی موازنہ اور مخالفین اسلام کے اعتراضات کا جواب قیمت

شمع سخن، پروفیسر صاحب کی اخلاقی نظموں کا مجموعہ قیمت

مفتی انوار الحق صاحب ناظم تعلیمات بھوپال،

حقائق اسلام، اسلامی مسائل کی فلسفیانہ عقلی تشریح،

تذکرۃ الحبیب، یعنی رسول صلعم کے اخلاق کا مفصل بیان،

اثبات واجب الوجود، یعنی ذات وصفات واجب الوجود پر عقلی پہلو سے ایک نظر

تاریخ ابو البشر، کیفیت آغاز نوع انسانی حسب تحقیقات جدیدہ

قوت خیال، ر الف ڈبلیو ٹرائین صاحب کی کتاب کا ترجمہ جس میں ثابت کیا گیا ہے کہ ہم اپنے خیالات کی صلاح سے اپنے اخلاق کی اصلاح کر سکتے ہیں، ضخامت ۲۵۰ صفحہ

متفرق کتابیں

رسائل عماد الملک، یعنی مجموعۂ مضامین وخطبات نواب عماد الملک بہادر قیمت مع محصول

سیاحت قسطنطنیہ، مولانا شبلی مرحوم کی فرمائش سے خواجہ سید رشید الدین صاحب نے مشہور پروفیسر میکس مولر کے سفرنامۂ قسطنطنیہ کا اردو میں ترجمہ کیا ہے،

گل رعنا، اردو زبان کی ابتدائی تاریخ اور اس کی شاعری کا آغاز اور عہد بعہد کے اردو شعرا کے صحیح حالات اور ان کے منتخب اشعار ضخامت ۵۰۰ مؤلفہ حکیم سید عبد الحی صاحب مرحوم،

جواہرات حالی، مولانا حالی کے غیر مطبوع اخلاقی کلام کا مجموعہ

الندوہ، کی جلدیں موجود ہیں قیمت فی جلد، قیمت فی نمبر یہ نادر ذخیرہ کمیاب ہے "

مقالۂ روسو، فرانس کے مشہور انقلابی اہل قلم روسو کے اس مضمون کا بہترین ترجمہ جس میں اس نے علوم وفنون کے افادی اثرات اور نتائج کی تنقید کی ہے، مترجمہ جناب ظفر حسین خان صاحب، قیمت

رسول عربی، آنحضرت صلعم کی مختصر سیرت جسے حضور کے ایک سچے مداح سردار گوردت سنگھ دارا بی اے، بیرسٹر "اڈیٹر اخبار ہند" (لندن) نے تصنیف کیا ہے، لفظ لفظ سے مصنف کی سچی محبت کا اظہار ہوتا ہے

داغ جگر، جناب علی سکندر صاحب جگر مرادآبادی کی غزلوں کا مجموعہ، مرتبہ مرزا احسان احمد صاحب بی اے ال ال بی (ریڈنگ)

علمائے سلف، علمائے سلف کے طلب علم، حق پسندی اتفاق، اخلاق اور ان کی معاشی زندگی کا نمونہ جسے مولانا حبیب الرحمن خان شیروانی نے ۱۳۲۳ میں ندوۃ العلماء کے چوتھے سالانہ اجلاس میں بمقام میرٹھ پیش کیا تھا، قیمت

مرتبۂ نسواں، شیخ مشیر حسین صاحب قدوائی کے انگریزی رسالہ کا ترجمہ جس میں یہ دکھایا گیا ہے کہ اسلام میں عورتوں کا درجہ کیا ہے، اور اسکا مقابلہ دیگر اقوام سے، قیمت

مسعود علی ندوی منیجر دار المصنفین اعظم گڑھ،

رجسٹرڈ نمبر اے ۷۸۱

معارف

مجلس دار المصنفین کا ماہوار علمی رسالہ

مرتبہ

سید سلیمان ندوی

اپریل سنہ ۱۹۲۶ء

قیمت: صہ سالانہ

مطبع معارف میں چھپکر

دفتر دار المصنفین اعظم گڈھ سے شائع ہوا

مجلد ہفدہم	ماہ رمضان المبارک ۱۳۴۴ھ مطابق ماہ اپریل ۱۹۲۶ء	عدد چہارم

مضامین

مُدت کی سوئی ہوئی قسمت اب جاگی ہے، حج وزیارت کے حصول کی آرزو کئی سال سے تھی، امسال اس کا سامان میسر آیا ہے، اوائل مئی مین انشاء اللہ اس ارادہ سے روانہ ہونگا موتمر اسلامی مین بھی شرکت ہوگی، دعا کیجئے کہ اس دست بینوا سے اسلام کی کوئی خدمت بن آ سکے، محرم مین واپسی کی اُمید ہے، اس اثنا مین معارف مین کوئی قصور نظر آئے تو چشم پوشی کی التجا ہے،

فروری کے شذرات مین مرہٹی انسائیکلوپیڈیا کی ایک عبارت کی طرف اشارہ کیا گیا تھا، جس مین آنحضرت صلعم کی شان مین گستاخانہ کلمات تھے، اکولہ (برار) کے ایک مسلمان مطلع کرتے ہین کہ انسائیکلوپیڈیا مذکور کے چند مرہٹی ارکان سے گفتگو آئی تو انھون نے انسائیکلوپیڈیا مین اس عبارت کے وجود سے انکار کیا اور تلاش کے باوجود انکو یہ عبارت نہین ملی اسلیے عرض ہے کہ یہ عبارت اس عظیم الشان کتاب کی چوتھی جلد کے صفحہ ۳۰۲ (تین سو تین) مین درج ہے، امید ہے کہ اب تلاش وجستجو مین ناکامی نہو

اگر مرہٹی انسائیکلوپیڈیا کے ارکان برار کو اس قسم کی غلطیون کا احساس ہے اور وہ ان کی اصلاح کرنا چاہتے ہین، تو ہم اونھین بتانا چاہتے ہین کہ اسی جلد چارم کے صفحہ ۳۰۲ (تین سو دو) پر یہ جاہلانہ عبارت بھی ان کو ملیگی،

"طلاق کا اصولی بیان قرآن مین کہین نہین ... متعدد بیویان کرنے کے لیے اور اسی طرح خاطرخواہ رنڈی بازی کرنے کی محمد نے اجازت دی ہے"

اس قبیل کی بیسیون باتین اس مین جابجا ملتی ہین، اگر یہ چیزین کسی مناظرانہ کتاب مین لکھی جاتین تو رنج وافسوس کی بات نہ تھی، لیکن ایک علمی کتاب مین یہ غلط گوئی، یہ تحریف، اور یہ جہالت نہایت افسوس کے قابل ہے، ہم کو امید ہے کہ مرہٹی جاننے والے مسلمان، یا اس انسائیکلوپیڈیا کے اگر کچھ مسلمان ارکان بھی ہون تو وہ اس کے کارکن اصحاب کو ادھر متوجہ کرین گے، یہ پھر یاد رکھنا چاہیئے کہ مسلمان اہل قلم اور مصنفین نے ہندو اوتارون اور بزرگون کی نسبت کبھی ایسے ناشایستہ الفاظ نہین لکھے، حالانکہ اس کے لیے کافی مواد ان کے سامنے ہے،

احمد عثمان صاحب مہار رلیڈ ٹکس بمبئی سے مطلع کرتے ہین، کہ انکی برادری مین ایک عجیب قسم کا رواج ہے، جسکو اسلام کی روح سے کسی قسم کا تعلق نہین، وہ لکھتے ہین کہ:-

"ہماری برادری مین متولیان وقف اور بیشتر متمول ہین، وہ اپنی لڑکیان برادری کے غریب اور کم حیثیت لڑکون کو نہین دیتے، بلکہ متمول اور مالدار کی جستجو مین لڑکیون کو بٹھائے رکھتے ہین، چنانچہ تیس تیس برس بلکہ اس سے زاید کی عمر کی لڑکیان کنواری انکے یہان موجود ہین، اور اکثر اسی حالت مین مرگئی ہین، جب اس جماعت کا غریب لڑکا جو اپنی برادری کی لڑکی کے لیے چار پانچ ہزار کا زیور نہین دیسکتا، اور اسکو اپنی قوم کی لڑکی نہین ملتی تو وہ مجبور ہوکر کسی دوسری مسلمان جماعت مین عقد شرعی کرتا ہے، اور اس سے اولاد ہوتی ہے تو یہ لوگ اوس اولاد کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہین، اور اسکو برادری کے حقوق سے بھی محروم کر دیتے ہین، حتی کہ اوسکی حیات وممات مین قوم

کا بانگی (مؤذن) بھی نہین جاسکتا ہے،۔۔۔“

اطراف بمبئی کی مسلمان جاعتون کو اس قسم کے برے رسم ورواج کے انسداد و اصلاح کی طرف فوراً توجہ کرنا چاہیئے، یہ لڑکیون کی جسمانی راحت کی تلاش مین ان کا روحانی مصیبت مین ڈالنا ہے، امارت وغربت آنی جانی چیزین ہین، اسلام کی نگاہ مین تمام کلمہ گو برابر ہین برادریون کی تفریق ذلت اور عزت کا معیار نہین ہے، اسلام مین چھوٹائی اور بڑائی کا معیار صرف ایک ہی، اور وہ تقوی اور پرہیزگاری ہے، مسلمانون کو اپنے پیغمبر علیہ السلام کا وہ پیغام نہ بھولنا چاہیئے جو کعبہ کی دیوار کے نیچے فتح مکہ کے دن آپ نے سنایا کہ ”لوگو! جاہلیت کا نسبی غرور اب ہمیشہ کے لیے توڑ دیا گیا، تم سب ایک آدم کے بیٹے ہو، اور آدم مٹی سے پیدا ہوئے تھے، تم مین کسی کو کسی پر فضیلت نہین لیکن تقویٰ سے“
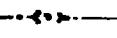
دہلی اور لکھنؤ کا باہمی مقابلہ زبان سے بڑھکر ہر چیز مین پیدا ہوگیا، اور ایک مدت سے جاری ہے، اور ان مین سے ایک کو دوسرے پر متعدد حیثیتون سے ترجیح کا دعوی ہی مگر ایک بات ایسی ہے کہ اُس کے لحاظ سے دہلی کو لکھنؤ کے مقابلہ مین ہار ماننی پڑے گی دہلی علم کا پرانا مرکز ہے، بیسیون عربی مدرسے وہان ہین، اگر کس قدر افسوس کی بات ہی کہ وہان کوئی شخصی یا عمومی بڑا کتبخانہ نہین، جامعہ ملیہ کے جانے سے اب ایک کتبخانہ کی صورت وہان نظر آئی ہے، حالانکہ وہ اپنی آبادی، روایات اور حالات کے لحاظ سے ایک اسلامی شہر ہے اور وہان ایک عمومی اسلامی کتبخانہ کی سخت ضرورت ہے، اسی خیال سے حضرت مولانا نذیر حسین میان صاحب کے نواسہ مولوی سید عبدالرؤف صاحب نے دہلی پھاٹک حبش خان مین

مولانا مرحوم اور دیگر محدثین و علمائے کرام دہلی کی یادگار مین ایک اسلامی کتبخانہ کی بنیاد ڈالی ہے، اور وہ متوقع ہین، کہ ملک کے اہل علم اور خصوصاً دلی کے اہل فضل اور ارباب کرم ادھر توجہ کرینگے۔

دسمبر ۲۵ء کے شذرات مین ملیبار (ٹراونکور) کے ایک واحد اسلامی مدرسۂ محمدیہ کا ہم نے ذکر کیا تھا، اور لکھا تھا کہ ان اطراف کے باخبر احباب اسکے مزید حالات سے مطلع کرین گے، ہمارے دوست مولانا فضل اللہ صاحب مدراسی اس کے متعلق ارقام فرماتے ہین:-

علاقۂ ٹراونکور مین الفی نام ایک قدیم شہر ہے جو ملیبار کا انتہائی حصہ ہے، اس علاقہ کے مسلمان بڑے راسخ العقیدہ اور مضبوط مسلمان تھے، مگر یہین عیسائی مشنریون نے اپنی کامل توجہ مبذول کی ہے، اور زبردست کالج کھولدیا ہے، اور اس اثر سے ایک شریف خاندان کے نوجوان مسلمان عیسائی ہوکر انھین مین شادی کرلی، اس پر وہان کے بعض غیور مسلمانون اور خصوصاً ڈاکٹر محمد علی صاحب کو غیرت آئی، اور اس مدرسۂ محمدیہ کی بنا ڈالی، اب تک چار سال کے عرصہ مین علاوہ اپنی زمین دینے کے چالیس پچاس ہزار روپیہ اس پر خرچ کرچکے ہین، مدرسہ مین ۲۶۲ طلبہ ہین، ابتدا سے آخر تک تعلیم دیجاتی ہے، عربی علوم دینیہ کے علاوہ ملیباری، اردو اور انگریزی پڑھائی جاتی ہے، نصاب بھی اچھا ہے، ملیبار مین اب تک پرانی قسم کے مدرسے تھے، جنمین زیادہ زور فقہ شافعی پر تھا، جو ذرا ذرا سے جزئی فقہی مسئلون پر ایک دوسرے کی تکفیر و تضلیل مین مصروف ہین، اس مدرسہ کے قیام سے روشن خیال علماء کی جماعت عنقریب اس علاقہ مین نظر آئیگی، اس لیے سارے ہندوستان کے مسلمانون کو اس مدرسہ کی اعانت کی طرف توجہ کرنا چاہیئے،

مولانا فضل اللہ صاحب مدراس کے اچھے اور معتبر علماء مین ہین، امید ہے کہ ان کا بیان لوگون کی تسلی کا باعث ہوگا کیا مناسب نہ ہوگا کہ جمعیۃ خلافت و جمعیۃ العلماء و پانفنڈ سے اسکی امداد کرین،

مقالات

احکام القرآن

مسلمانون نے اپنے صحیفۂ آسمانی کی جن جن حیثیتون سے خدمت کی لفظی، معنوی، نحوی، ادبی، لغوی، فقہی، کلامی، اخلاقی، روحانی غرض مختلف پہلوؤن اور مختلف نقطہ ہائے نظر سے جو تصنیفات، کتابین اور رسالے انھون نے لکھے، اونکی کثرت، ضخامت، اور تعداد اس قابل ہو کہ ان کو خود ایک مستقل کتب خانہ کا خطاب دیا جائے، الہلال اور البلاغ مرحوم کلکتہ کے متعدد نمبرون مین (۱۹۱۲ء و ۱۹۱۳ء) میرے مضامین شائع ہو چکے ہین، اور انکا عنوان علوم القرآن ہے، افسوس ہے کہ یہ سلسلہ ناتمام رہا، اور آج گویا اوسی سلسلہ کا ایک اور نمبر ہدیۂ ناظرین ہے،

اسلام کی شریعت کی اصل اور اساس اوسکا صحیفۂ الٰہی ہے، یہی ان کے دین اور دنیا کی ہر ضرورت کا مرجع اور مآب ہے، اور وہی ان کے ہر عقیدہ ہر حکم مفروض، اور ہر نکتۂ اخلاقی و تمدنی کی بنیاد ہے، احادیث اور فقہ مین جو کچھ ہے وہ اسی کی آیتون کی تشریح و توضیح، بیان تفصیل اور استنباط و اجتہاد ہے، کچھ اور نہین، ظاہر بین سمجھتے ہین کہ بعض احادیث صحیحہ مین قرآن کے مخالف یا قرآن کے ماورا احکام ہین، یہ فکر کا قصور، غور کی کمی اور بصیرت کا نقص ہے، اسی لئے ائمۂ اسلام اور علمائے اعلام نے ابتدا سے قرآن مجید کے ساتھ اس حیثیت سے اعتنا کی ہے، صحابۂ کرام مین حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ اور حضرت عائشہؓ اس باب مین خاص امتیاز رکھتے ہین، احادیث مین بکثرت ایسے واقعات مذکور ہین کہ صحابہؓ اور صحابیاتؓ نے قرآن پاک کی آیتون سے

ایسے باریک اور دقیق قانونی اور فقہی نکتے پیدا کئے، جہان تک عام اہل فہم کی رسائی ناممکن ہے،

شام و عراق کی فتح کے بعد حضرت عمرؓ اور فوج کے سپاہیون مین جو زیادہ تر صحابہ کرامؓ تھے، یہ بحث پیش آتی ہے کہ ممالک مفتوحہ کی یہ زمینین عہد نبویؐ کے مفتوحات کی طرح مجاہدین مین تقسیم کردیجائین یا وہ سلطنت و خلافت کی ملک قرار پائین، اور ان کا حاصل بطور وظائف کے تمام مسلمانون کو ملے، عام مجاہدین کا مطالبہ تھا کہ عہد نبویؐ کی پیروی کیجائے، اور یہ زمینین صرف ان سپاہیون مین تقسیم کردیجائین جو ان لڑائیون مین شریک تھے، حضرت عمرؓ کا دعوی تھا کہ ان زمینون پر صرف انھین سپاہیون کا حق نہین، جنھون نے ان ممالک کے فتح کرنے مین لڑائیان لڑین، بلکہ یہ خلافت و سلطنت کی ملکیت بنکر تمام موجودہ اور آیندہ نسلون کی ملکیت ہین، سپاہیون کے سامنے مدینہ اور خیبر وغیرہ کی نظیرین تھین، مگر یہ نکتہ اُن سے پوشیدہ رہا کہ چونکہ اس عہد مین مہاجرینؓ عموماً اور بعض انصارؓ بالکل تہیدست اور مفلس ہوگئے تھے، اس لیے اسلام کی پہلی دولت ان کی شخصی ملکیتون مین دیدی گئی، اور اب چونکہ خدا کے فضل سے مسلمان بے نیاز ہوچکے تھے، اسلئے اب اسکی حاجت نہ تھی، نیز حضرت عمرؓ یہ مصلحت پیش نظر رکھتے تھے کہ عراق و شام کے متمدن ممالک جنکے پیچھے مجوس و ترک اور رومیون کی سلطنتین ہین، جنکے مقابلہ اور مدافعت کے لیے ہمیشہ ایک مستقل فوج کی ضرورت پڑے گی، اور یہان اندرون سلطنت مین تیمون، بیواؤن، اور مسکینون کی امداد کی حاجت ہوگی، اگر یہ صرف ان مجاہدین کی شخصی ملکیتین قرار دیدی جائین تو اب اتنی بڑی سلطنت کی بیرونی و اندرونی ضرورتین کیونکر پوری ہونگی، یہ مقدمہ اہل شوریٰ صحابہؓ کی عدالت مین پیش ہوتا ہے، اور وہان بھی کوئی متفقہ فیصلہ نہین ہوتا، آخر حضرت عمرؓ کا فہم قرآن کام کرتا ہے، اور وہ سب کے سامنے فرماتے ہین، صاحبو! اللہ تعالیٰ نے ان فتوحات کا مصرف خود بتادیا ہے،

مَا اَفَاءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى ۔۔۔ خدا نے اپنے رسول کو ان گاؤن والون پر

فللّٰہ وللرسول ولذی القربیٰ — جو فتح دی تو وہ خدا، رسول، قرابت داروں، یتیموں

والیتامیٰ والمسٰکین وابن السبیل — مسکینوں اور مسافر کا حصّہ ہے تاکہ یہ جائداد

کیلا یکون دولة بین الاغنیاء منکم (حشر) — تم میں سے صرف دولتمندوں کے ہاتھوں

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے مہاجرینؓ کا حق بتایا، پھر انصارؓ کا حق جتایا اور پھر آخر میں فرماتا ہے،

والذین جاؤا من بعدھم — اور ان مسلمانوں کا حصہ ہے جو ان لوگوں کے بعد آئے

آپنے فرمایا اگر یہ زمینیں آج صرف ان لڑنے والے سپاہیوں کو دیدی جائیں تو بتاؤ آیندہ آنے والے مسلمانوں کا حصّہ کہاں رہے گا؟ تمام صحابہ نے اس استدلال کو سنکر سر اطاعت خم کر دیا، قاضی ابو یوسف کتاب الخراج میں اس واقعہ کو نقل کرتے ہیں لکھتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کا یہ استدلال صرف خدا کی توفیق سے تھا،

حضرت عائشہؓ کے سامنے یہ سوال آتا ہے کہ اسلام میں متعہ جائز ہے یا نہیں، روایتیں مختلف تھیں، صحابہؓ میں حضرت ابن عباسؓ کو اس کے جواز پر اصرار تھا، قرآن پاک کی کوئی صریح آیت موجود نہ تھی، حضرت ام المومنینؓ نے لوگوں سے کہا تمھارے درمیان قرآن کا فیصلہ ہے، خدا فرماتا ہے،

الا علی ازواجھم او ما ملکت ایمانھم — مسلمانوں کی صرف دو قسم کی عورتیں حلال ہیں، ایک بیویاں اور دوسری باندیاں

بتاؤ یہ متوعہ عورتیں ان دو صنفوں میں سے کس میں داخل ہیں؟ بیویاں نہیں ہیں کہ ان کیلئے ترکہ اور وراثت نہیں، اور باندیاں تو ظاہر ہے کہ وہ نہیں ہیں، اور ان دو کے بعد کوئی تیسری قسم حلال نہیں[1]، کتنا اچھا استدلال ہے،

فاطمہ بنت قیسؓ ایک صحابیہ ہیں، جو یہ روایت کرتی ہیں کہ جن عورتوں کو ان کے شوہر تین طلاقیں دیدیں، ان کے شوہروں پر پھر انکو نان نفقہ اور رہنے کا مکان دینا واجب نہیں، انکی یہ روایت انحضرت صلعم کے دوسرے فیصلوں اور قرآن کی اس آیت کے خلاف ہے،

یا ایھا النبی اذا طلقتم النساء فطلقوھن لعدتھن — اے نبیؐ! جب تم لوگ (یعنی مسلمان) عورتوں کو طلاق دو تو

واحصوا العدة واتقوا اللہ ربکم لا تخرجوھن — ان کو عدت کے وقت طلاق دو اور عدت کے دن گنو، اور انے

[1] مستدرک حاکم،

من بیوتھن الا ان یاتین بفاحشۃ مبینۃ — پروردگار اللہ سے ڈرو، ان عورتون کو ان کے گھرون سے
وتلک حدود اللہ ومن یتعد حدود اللہ — (جسمین وہ رہتی تھین) نہ نکالو، لیکن جب وہ کھلی بدکاری کرین، یہ
فقد ظلم نفسہ، (طلاق ع ۱) — خدا کی حدین ہین، اور جس نے خدا کی حدون سے تجاوز کیا اس نے اپنے اوپر ظلم کیا

لوگون نے جب فاطمہؓ کی اس روایت کے ماننے مین پس و پیش کیا تو انھون نے کہا اے لوگو! میرے تمہارے درمیان قرآن کا فیصلہ ہے، اس گھرون سے نہ نکالنے کی حکم والی آیت کے بعد ہی یہ حکم ہے، جسمین گھرون سے علٰحدہ نہ کرنیکی مصلحت یہ بتائی گئی ہے:

لا تدری لعل اللہ یحدث بعد ذلک امراً — تجھے معلوم نہین شاید خدا کوئی نئی بات پیدا کرے،

یہ کن یہ ہے، میان بیوی کے دوبارہ میل ملاپ کے، تین طلاقون کے بعد میل ملاپ کی کوئی صورت نہین ہے، اسلئے لامحالہ یہ حکم ان عورتون سے متعلق ہے جنکو ایک یا دو یعنی رجعی طلاقین دیگئی ہون، کہ ان کے لئے ایک جگہ رہنے سہنے مین دوبارہ میل کا امکان ہے، بتاؤ تین طلاقون کے بعد نئی بات کیا پیدا ہوگی[1]، غور کیجئے کتنا لطیف استدلال ہے،

یہ صحابہ کرامؓ کے عہد کی چند مثالیں ہین، اس سے اندازہ کیجئے کہ اگر نکتہ رس اور دقیقہ شناس طبیعتین اس طرز پر غور و فکر کرین تو اسلامی قانون کا کتنا حصہ کتاب پاک کی روشنی مین منور نظر آئے، چونکہ قرآن پاک مین فقہ کے ابواب و فصول نہین ہین، اور حدیث کی کتابین احکام کے ابواب پر مرتب ہین، اور ان سے زیادہ بہتر اور آسان ترتیب اور جزئیات کی توضیح کے ساتھ فقہ کی کتابون کی ہے، اس لئے آسان پسند اور سہولت طلب طبیعتین ہر معاملہ کے پیش آنیکے وقت سب سے اول فقہ و فتاوی کی کتابون کی طرف رجوع کرتی ہین اور ان کے بعد کتب حدیث کی طرف، اور سب سے آخر مین قرآن پاک کی طرف، حالانکہ حضرت معاذ بن جبلؓ والی حدیث کے مطابق اسکی ترتیب الٹی ہونی چاہئیے، پہلے قرآن، پھر حدیث، پھر فقہ و فتاوی، اس کم ہمتی کسلمندی اور سہولت پسندی کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک طرف قرآن پاک کے مطالب مین غور و خوض کا مادہ روز بروز کم ہوتا جارہا ہے، اور دوسری طرف زمانہ کے جدید ضروریات اور نئے سوالات کی جوابدہی سے ہم عاجز ہوتے جارہے ہین،

اسلام کے عہد کمال مین ائمہ مجتہدینؒ اور علمائے اسلامؒ نے قرآن مجید کے فقہی اور قانونی پہلو پر غور و فکر

[1] ابو داؤد کتاب الطلاق،

سے پہلو تہی نہین کی، بلکہ پوری نکتہ سنجی کے ساتھ اس فرض کو ادا کیا ہے، تحریر دفن کی حیثیت سے سب سے پہلے امام شافعیؒ نے اس موضوع پر کتاب لکھی، اور اس کے بعد فقہ اسلامی کے چارون ارکان مالکی، شافعی، حنفی اور حنبلی نے اس مبحث پر کتابین لکھین چنانچہ کشف الظنون کے حوالہ سے حسب ذیل تصانیف کا پتہ چلتا ہے:

عدد	کتاب کا نام	مصنف کا نام	مصنف کا سال وفات
۱	احکام القرآن	امام شافعیؒ	سنہ ۲۰۴ھ
۲	"	ابو الحسن علی بن حجر سعدی،	سنہ ۲۴۴ھ
۳	"	قاضی ابو اسحاق اسمٰعیل بن اسحاق ازدی بصری،	سنہ ۲۸۲ھ
۴	"	ابو الحسن علی بن موسی بن یزداد قمی حنفی،	سنہ ۳۰۵ھ
۵	"	امام ابو جعفر احمد طحاوی حنفی،	سنہ ۳۲۱ھ
۶	"	ابو محمد قاسم بن اصبغ قرطبی مالکی،	سنہ ۳۴۰ھ
۷	"	ابو بکر جصاص رازی حنفی	سنہ ۳۷۰ھ
۸	"	ابو بکر احمد بن حسین بیہقی ،	سنہ ۴۵۸ھ
۹	مختصر احکام القرآن	ابو محمد مکی بن ابی طالب قیسی،	سنہ ۴۳۷ھ
۱۰	احکام القرآن.	امام ابو الحسن کیا الہراسی شافعی بغدادی،	سنہ ۵۰۴ھ
۱۱	"	قاضی ابو بکر ابن العربی اندلسی مالکی،	سنہ ۵۴۳ھ
۱۲	"	عبد المنعم بن محمد بن فرس الغرناطی،	سنہ ۵۹۷ھ
۱۳	تلخیص احکام القرآن	جمال الدین احمد بن سراج القونوی حنفی	سنہ ۷۷۳ھ

ہندوستان مین بھی اس فہرست مین ایک نیا اضافہ کیا گیا ہی، اور وہ مولانا احمد امیٹھوی کی جو ملا جیون کے نام سے مشہور ہین، اور جو اصول فقہ مین نور الانوار کے مصنف ہین تصنیف تفسیرات احمدیہ ہی، جس مین ملا صاحب نے صرف احکامی آیتون کی تفسیر کی ہے ،

احکام القرآن کی کتابون کی اس طویل فہرست مین سے افسوس ہے کہ اب بہت سے نوادر ناپید ہو چکے ہین، یا گمنامی کے گوشون مین پڑی ہین، تاہم اس وقت اس سلسلہ کی تین کتابین چھپ چکی ہین تفسیرات احمدیہ ہندوستان کے مطبعون مین چھپی ہی، اور اس کے علاوہ قاضی ابو بکر ابن العربی اشبیلی مالکی کی احکام القرآن مولای عبد الحفیظ سابق سلطان مراکش کے خرچ سے سنہ ۱۳۳۱ھ مین مصر سے دو جلدون مین چھپکر شائع ہوئی ہی، اور اس کے بعد سلطان عبد الحمید خان سابق سلطان ترکی کے عہد حکومت مین سنہ ۱۳۳۵ھ مین ابو بکر جصاص رازی حنفی کی احکام القرآن تین جلدون مین قسطنطنیہ سے شائع ہوئی ہے ،

ان دونون کتابون کے مطالعہ سے یہ امر بخوبی روشن ہوجاتا ہی کہ کتب فقہ مین جو احکام مذکور ہین، ان کا ماخذ قرآن کی کون کون آیتین ہین، اور ائمۂ مجتہدین نے اُن سے کس کس طرح استخراج کیا ہی خصوصًا ابوبکر جصاص رازی حنفی المتوفی ۳۷۰ھ کی تصنیف صرف قدامت کے لحاظ سے بلکہ دوسری حیثیتون سے بھی نہایت عجیب چیز ہی اور فقہ حنفی کیلئے طحاوی کے بعد یہ دوسری نعمت ہی جو عالم وجود مین آئی ہی یہ وہی ابوبکر رازی ہین، اور یہی انکی تصنیف ہے جسکا ذکر امام رازی اپنی تفسیر مین باربار کرتے ہین، اور شافعی المذہب ہونیکے باعث ان کے حنفی استدلالات پر ہر جگہ گلہ کرتے ہین، ابوبکر رازی امام ابوداؤد یعنی سنن ابی داؤد کے مصنف کے بیک واسطہ شاگرد ہین، اور ایک ہی واسطہ سے ابوداؤد سے احادیث کی روایت کرتے ہین،

امام موصوف قرآن مجید کی اس آیت :-

ونزلنا علیک الکتاب تبیانا لکل شیٔ — اور ہم نے تجھ پر کتاب اتاری جسمین ہر شی کا بیان ہے

کی تفسیر مین لکھتے ہین :-

یعنی به والله اعلم تبیان کل شیٔ من امور الدین، بالنص والدلالة فما من حادثة جلیلة ولا دقیقة الا ولله فیها حکم قد بینه فی الکتاب نصًا او دلیلا فیما بینه النبی صلعم فانما صدر عن الکتاب بقوله تعالیٰ (جلد ۳ صفحہ ۱۰۰)

اس سے مراد اور خدا بہتر جانتا ہی امور دین مین سے ہر شی کا بیان ہی یا وہ صریحی الفاظ مین مذکور ہی یا اشارہ سے سمجھا جاے تو کوئی چھوٹا یا بڑا ایسا مسئلہ نہین ہی جسمین خدا کا فیصلہ ہو جسکو اس نے اپنی کتاب مین صریح الفاظ یا اشارات مین ظاہر کردیا ہے اور جو آنحضرت صلعم نے بیان کیا ہی وہ بھی کتاب ہی سے ماخوذ ہی، جیسا خدا فرماتا ہے

اس کے بعد وہ آیتین درج کی ہین، جن سے سنت کی شرعیت اور رسول کی اطاعت ثابت ہوتی ہے، اور اسی طرح اجماع و قیاس کے جواز پر قرآن کی آیتون سے استدلال کیا ہے،

حال مین ایک عالم محمد عبدالعزیز الحکیم نے ۱۳۲۵ھ مین اس موضوع پر الفتوحات الربانیہ فی الاوامر والنواہی نام ایک کتاب دو جلدون مین عربی مین لکھی ہے پہلی جلد مین قرآن کے اوامر ہین، اور دوسری جلد مین اس کے نواہی ہین،

حقیقت یہ ہے کہ قدما کی تصنیفات کی بربادی و تباہی، اور نئی ضرورتون کے وجود سے اس سلسلہ مین ابھی کام کی سخت ضرورت ہی علماے متبحرین کی توجہ کی حاجت ہی یہی صورت ہی جس سے ہم نئے فتنون کا دروازہ بند کرسکتے ہین،

سراج اورنگ آبادی

از

مولوی بشیر احمد صاحب برہان پوری ٹریننگ ٹیچر ہائی اسکول دھولیا

(۲)

سراج کا کلام بلحاظ قواعد زبان | نہایت تعجب کی بات ہے کہ یہ پرانا شاعر قواعد اردو کے موجودہ کئی اصول سے واقف ہے، امر و نہی کے چار پہلوؤں کا بخوبی علم ہے، مثلاً،

(۱) امر کا تہذیب یا نرمی کے ساتھ استعمال ؎

تجھے سوگند اپنے چاہنے کی　　کہ اپنے چاہتے پر پیار کرنا　　(پیار کرنا، پیار کرو)

(۲) امر کا استعمال سختی کے ساتھ، ؎ وصل کے دن شب ہجران کی حقیقت مت پوچھ، (مت پوچھ، نہ پوچھو)

(۳) امر کا پرانا استعمال جو اب بھی اکبرآباد میں جاری ہے، ؎ خود بخود سیاب کو مت پوچھیو یہ اضطراب،

(۴) امر دعا یا نہی دعا کا استعمال ؎

بیدرد مت ملیو کسی دردمند کو،　　جیسا مجھے ملا ہے وہ دلدار بے دریغ

اس شعر میں "مت ملیو" کے معنی ہیں خدا کرے کہ نہ ملے، یہ بہت پرانا استعمال ہے اور اب بالکل متروک ہے، مولوی عبدالحق صاحب بی اے نے فاربس اور پلیٹس کے تتبع میں اپنی قواعد اردو میں اسے صحیح بتایا ہے، مگر آجکل کی جدید کتابوں میں اسے متروک ٹھرایا ہے،

آج کل کے قواعد نگاروں نے آئیے جائیے، کھائیے، وغیرہ کے دو محل استعمال بتائے ہیں، ایک جمع مخاطب کیساتھ، اور دوسرا جمع متکلم کے ساتھ، مندرجہ ذیل اشعار میں سراج نے اسی طرح استعمال کیا ہے،

(بمعنی جمع متکلم) دل میں ہے یہ کہ یاد میں اس خوش نگاہ کے　　ہرنوں کے اتفاق سے جنگل بسائیے،

(بمعنی جمع مخاطب) شبخون کا عزم ہے صف عشاق پر اگر　　مسی لگا کے پان کے بیڑے چبائیے

ڈائرکٹ ان ڈائرکٹ کا استعمال | آج تک اہل زبان چیختے چلے آرہے ہیں کہ مشرقی زبانیں انڈائرکٹ گفتگو یا تحریر کی مطلق متحمل نہیں ہیں، لیکن انگریزی دان طبقے کے کانوں پر جوں تک نہیں چلتی، دھڑلے سے اس کا استعمال ترجموں میں کئے جاتے ہیں، اور قواعد اور خود مغربی قواعد نگاروں نے بھی اسکی ممانعت کی ہے، سراج دو سو برس قبل اس اصول پر کاربند تھے، اور اس طرح باندھ گئے ہیں،

دامن کو تیرے ہاتھ لگاؤں تو کیا عجب　　تجھ پر بھی ہے عیاں کہ مرا خاکسار ہے

پانا کا استعمال | سراج کے زمانہ تک روزمرہ و محاورہ کا صحیح استعمال عام ہو چکا تھا، الفاظ کے مختلف المعنی استعمال سے بھی آگاہ تھے، چنانچہ لفظ پانا کے تین استعمال ذیل کے شعروں میں بتائے ہیں،

(۱) پانا بمعنی حاصل کرنا ؎

شربت زندگی اُسے ہے تلخ،　　جس نے پایا مزہ دوائی کا

(۲) پانا بمعنی ملنا ؎

پاتا نہیں گلشن میں سراغ دل وحشی　　ٹک کام کرو دامن صحرا کی خبر لو

گو یہ استعمال اہل لکھنؤ کے ہاں غلط ہے، لیکن دہلی اور دکن میں صحیح مانا جاتا ہے، غالب کا شعر ہے ؎

کہتے ہو کہ نہ دینگے ہم دل اگر پڑا پایا　　دل کہاں کہ گم کیجے ہم نے مدعا پایا

مولوی عبدالباری صاحب آسی شرح غالب میں پڑا پایا کے معنی "پڑا ملا" بتاتے ہیں اور اپنی رائے دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہ دہلی کا استعمال ہے، لکھنؤ میں اس طرح صحیح نہیں ہے[1]

[1] [illegible] شرح غالب مولانا [illegible] صفحہ [illegible]

مولانا حالی کے ہان بھی یہ استعمال جائز ہے، دیوان مین فرماتے ہین، ع ہم جسکو ڈھونڈھتے ہین وہ پایا ہنوز عنقا (؟)
مسدس مین ایک جگہ اس طرح فرماتے ہین ع کہین روشنی ان کو پائی نہ اسکی، مولانا حسرت موہانی نے
کلام حالی پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ حالی نے پانے کا جو استعمال کیا ہے وہ بلحاظ زبان لکھنو غلط
ہے، مگر ساتھ ہی فرمایا ہے کہ یہ لفظ اکبرآباد مین ملنا کے معنون مین مستعمل ہے ممکن ہے کہ دہلی مین بھی
بولا جاتا ہو۔[1] مولانا حسرت موہانی چونکہ لکھنو کے پیرو ہین اسلیے اس کے غلط ہونے پر فتویٰ صادر فرمایا ہے
مگر یہ لفظ فی الحقیقت دہلی اور دکن مین اسی طرح بولا جاتا ہے،

(۳) کو پانا بمعنی کسی چیز کے معنی یا مفہوم سمجھنا اس کا بھی استعمال سراج نے اپنے کلام مین کیا ہے

جیسے ؎ زلف کھولا جب کہا مین شب بخیر — شکر للہ بات کو پانے لگا،

بھولنا کے دو استعمال: — بھولنا کے دو استعمال ہین، (۱) مین بھولا۔ وہ بھولا (۲) مجھکو یا مجھے دنیا کے مزے
بھول گئے، دوسرے استعمال کی صحت کے بارے مین جناب مولانا حسرت موہانی نے اپنے نکات الشعرا
مین رائے صائب دی ہے، ناسخ کا مندرجہ ذیل شعر بھی اسکی تصدیق کرتا ہے ؎

مجھکو بھولین گے نہ دنیا کے تماشے بعد مرگ — یاد بیداری مین آئینگی یہ باتین خواب کی
(ناسخ)

اب سراج کا شعر ملاحظہ فرمائیے کہ غلط ہے یا صحیح ؎

وصل کے دن شب ہجران کی حقیقت مت پوچھ — بھول جاتی ہی مجھے دیکھ صبح کو پھر شام کی بات

نے کا استعمال — دکن مین حیدرآباد گولکنڈہ اور بیجاپور کے بالکل قدیم شعرا مین "نے" کا مطلق استعمال نہ تھا
سراج کے زمانہ مین کچھ کچھ استعمال ہو چلا تھا مگر صحیح استعمال نہ جانتے تھے، بعض جگہ مطلق استعمال نہین کیا
بعض جگہ "نے" کا استعمال کیا بھی ہے تو غلط ہے، با این ہمہ بعض مقامات پر "نے" کا حذف جو کیا ہو
صحیح ہے، مثلاً:۔

(۱۱ہزار) بساطِ عشق بازی مین مرا دل — متاع صبر و نقد ہوش ھارا

[1] تذکرۃ الشعرا، مرتبہ جناب مولانا حسرت موہانی صاحب حصہ دوم ص ۱۰ اعلام

(لانا) ع یہی تھی آرزوئے دل خداوہ بر لایا

(بھولنا) ،، گذر تیری گلی مین جو گیا باغ ارم بھولا (ع) بوالہوس کیون کو راہ بھولا ہے،

تنے" کے استعمال مین دہلی و ہندوستان کے دور اول و دوم وسوم تک کے شعرا نے ٹھوکرین کھائی ہین، ان کے مقابل مین کلام سراج کو دیکھا جائے تو پھر بھی غنیمت ہے،

ترجمہ | سراج کے کلام مین بعض ایسے الفاظ اور ترکیبین ہین جو فارسی کا ترجمہ معلوم ہوتی ہین، یہ سراج ہی پر موقوف نہین، بلکہ شاہ نصیر، ذوق، ناسخ اور آتش بھی اسی طرح لکھ گئے ہین، سراج کی مثالین ملاحظہ ہون:—

خیال باندھنا (ترجمہ خیال بستن) ؎ کہ تا دل مین خیال یار باندھے،

التماس رکھنا (،، التماس داشتن) ؎ تجھ سے اک التماس رکھتا ہون،

گذارش کرنا (،، گذارش کردن یا نمودن) ؎ درد دل یار کون گذارش کر،

گوش کرنا (،، گوش کردن) ؎ ہماری بات محبت سے تم جو گوش کرو،

کسی پر رحم لانا (بر کسی رحم آوردن) ؎ کیون میرے پہ تو رحم لائی ہے،

لب باندھنا (لب بستن) ؎ بجا ہے گر لب اظہار باندھے،

نماز کرنا (نماز کردن) ؎ نماز بے ریا مثل سراج اب دل سے کرتا ہون،

زباندانی | زبان دانی کا دار و مدار عموماً الفاظ کی کثرت، ضرب الامثال کی خوبی، محاورات کی برجستگی، اور روزمرہ کی صفائی پر ہوا کرتا ہے، انھین اصول کو مد نظر رکھ کر، اہل یورپ نے ہر زبان کی گرامر لکھی ہے، سراج کو زباندانی کی ہر ایک شق مین ید طولیٰ حاصل ہے، اور ان کے کلام مین مندرجہ بالا صنفون کی مثالین موجود ہین:-

ضرب الامثال | (۱) طوق گلوے دل ہے زلف صنم کا ہر خم، مشہور یہ مثال ہر یک سر ہزار سودا

(۲) کیا ہوا اگرچہ یار ہے نزدیک ، آنکھ اوجھل پہاڑ اوجھل ہے ،

(۳) چراغ حسن دکھلا گم ہوا دل زلف مین تیری مثل مشہور ہے جانان تبا نا راہ بھولے کو

روزمرہ چلنا تڑپ تڑپ کر مرنا سسک سسک کر فریاد! ایک جی ہے ، کیا کیا خرابیان ہین

نہین ہے تاب مجھے سامنے ترے جانان کہان سراج ! کہان آفتاب عالمتاب

ظالم نے جب کہا کہ اے میان سراج ہو! مین نے دیا جواب کہ حاضر ہون جی کہو!

گر تمہاری دل خوشی ہے ذبح کرنے مین سرکے خوب! جی جاوے تو جائے اور کیا ہو جاویگا!

مین کہا کیا عرق ہے تجھ رخ پر؟ مسکرا کر کہا کہ فتنہ ہے !

کیا تبسم کیا ادا کیا ناز کیا انداز ہے! یاد ہین اُس شوخ کو سو طرح کی استادیان

اک روز کہا مین کہ ستم نہین ہے مناسب عشاق کے اوپر سن بات ہماری

بیتاب ہین اس غم سے موے بعد کفن مین اے کافر بدخو۔ بولا کہ بلا سین (از مستزاد)

محاورات سراج نے اپنے دیوان مین جا بجا محاورات کا استعمال کیا ہے ، بمصداق مشتے نمونہ از خروارے ہم ذیل مین صرف چند مثالین بطور نمونہ درج کئے دیتے ہین :-

(۱) کمر باندھنا ؎ مت باندھ خون ناحق عشاق پر کمر

(۲) میرا لہو پیو ، (زنانہ محاورہ ہے ، کسی کام کے باز رہنے کی حالت مین بولا جاتا ہے ، ؎

میرا لہو پیو جو جفا پر قدم رکھو ،

(۳) دیس نکالا کرنا ؎ ہے غضب حکم دیا دیس نکالا کرنے ،

(۴) جی پر بننا ؎ نین چھارا ب دوسرا کوئی گر جی پر بنے ،

(۵) منہ دیکھ (ایک کلمہ ہے جو بحالت غضب کہا جاتا ہو) ؎

کہا مین یار کو دیکھون گا چہرہ مجھے غصہ سے بولا بیٹھ منہ دیکھ

(۶) کاٹنا (بار معلوم ہونا، بھلا نہ معلوم ہونا)

قینچی پلک کی کھول کے کاٹا ہو[1] غم کی رات پھر کاٹنے لگے گا مجھے دن تو کیا کرون

(۷) تارے گننا، ع مجھکو تارے گنتے ساری رات گئی[2]،

(۸) جان سے ہاتھ دھونا ع دھو ہاتھ جو کوئی جان سے نومید ہوا ہے،

(۹) منھ مین لعاب (پانی) آنا (جی للچانا) ع

عجب نین[3] نعمت دیدار ساقی دیکھ آنسو سے ہمارے دیدۂ نادیدہ کے منھ مین لعاب آئے

(۱۰) چکنا چور ہونا، ع شیشۂ دل ہوا ہے چکنا چور،

(۱۱) دکھ بھرنا ع کب لگ مین زندگی مین جدائی کا دکھ بھرون،

(۱۲) کسنا (سونا یا چاندی محک پر آزمانا) ع

نقد دل خالص کو مرے قلب تو مت جان ہے تجھ کو اگر شبہہ تو کس دیکھ تہا دیکھ

(۱۳) کسنا (کسی آدمی کو آزمانا) ع

مین وفادار ہون خدا کی قسم کیون تغافل سین مجکو کستا ہی

(۱۴) میٹھا وار (کمزور وار) ع

صنم کے ابروئے کج کا ہی نادیمچہ خوش خم عجب میٹھا ہے وار اسکا اگر مصری کا ٹکڑا ہے

(۱۵) نشہ کا تار[4] (نشہ کی ترنگ) ع پوچھتا نہین حال مرا تو نشہ کے تار مین،

(۱۶) درد سر جھاڑنا (منتر سے جھاڑ پھونک کرنا، درد سر اڑا دینا) ع

زندگانی درد سر ہے یار بن کوئی دکئی) ہمارے درد سر کون جھاڑ دے

[1] کاٹا ہون، مین نے کاٹی ہے، [2] یہان گئی بروزن مے ہے، [3] نین (نہ) سے مراد نہین ہے،

[4] نشہ کے تار کو نظیر نے بھی باندھا ہے ملاحظہ ہو مثال نظر در لغات فیلن،

(۱۷) رفو چکر مین آنا (متعجب ہونا) ؎ اگر دیکھے مرا سینہ رفو چکرؔ مین آجائے،

(۱۸) اجارہ کرنا (ٹھیکہ لینا) ؎

سراج اس شمرو لے اندلون مین کیا ہے سب پتنگون کا اجارہ

(۱۹) پوست مین نہ سمانا (مارے خوشی کے پھولے نہ سمانا) ؎

اگر وہ لالہ رو گلشن مین آوے ہزارا پوست مین کیونکر سما وے

(۲۰) بدن جامے مین نہ سمانا (بیحد خوش ہونا) ؎

بدن خوشی سے سماتا نہین ہے جامے مین کہ راحت دل وآرام بخش جان آیا

(۲۱) باندھنون باندھنا، (خیال آرائی کرنا، یا کوئی چیز باندھنا)

ع باندھنون باندھا ہے کیوں چہرے پہ اپنے رنگ گا،

(۲۲) منھ دیکھی بات (رعایت کی بات) ؎ نہ سن اے سادہ رو تو آرسی کی بات منھ دیکھی

(۲۳) کیلنا، (جن یا بھوت وغیرہ کو قید کرنا) ؎

جنھون کو ہاتھ لگا اسم اعظم اصلی خیال غیر کے سائے کو کیل ڈالے ہین

(۲۴) شبخون مارنا ؎ لشکر پہ دین و دل کے مارے ہین ملکے شبخون،

(۲۵) نوکِ زبان (ازبر) ؎

جو حرف محبت کو کیا نوکِ زبان یاد عالم کے خیالات بھلا دے تو بجا ہے،

(۲۶) شرم سے پانی مین ڈوبنا ؎ ڈوب اس شرم سے پانی مین اگر غیرت ہے،

(۲۷) اُتو ہونا (زر دلیدہ یا لکیر دار ہونا) ورق مسطر سے اتو ہو گیا ہے،

(۲۸-۲۹) زندگی سے سیر ہونا، تیر کا ترازو ہونا) ؎

---

[1] رفو چکر مین آنا بمعنی متعجب ہونا اب مستعمل نہین، [2] باندھنون باندھنا بمعنی تہمت لگانا (معارف)

ہوا ہون زندگی سے سیر ظالم !   کہ تیر غم تراز و ہو گیا ہے ،

(۳۰) جی ڈوبنا ؎

طوفان غم اٹھا ہے اے آشنا کرم کر   جی ڈوبتا ہے میرا کشتی دکھائین کی

(۳۱) کان دھر کر سننا (غور سے سننا) ؎ سنو تو خوب ٹک کان دھر میرا سخن پیارے !

(۳۲) زخم کا حمائل ہونا (تلوار کے آڑے ترچھے چر کے لگنا) ؎

شمشیر غم کے زخم حمائل ہوئے جسے   اس کے گلے مین پھولون کے ہار رنگی کیا کی

(۳۳) جم جم ہونا (ہمیشہ رہنا، مبارک ہونا) ؎

یہ آج کا ساون مجھے جم جم ہوا کرے ، (یہ زنانہ محاورہ ہے ،)

(۳۴) پتنگ اکھڑنا (پتنگ کی ڈور کا تڑا کر اڑ جانا) ؎

پتنگ اکھڑا اڑا کر ڈور کو مارے بگولون کے ،

(۳۵) آنکھ سے معذور (اندھا) ؎

عالم باطن کا اس کو سیر نہین   سچ ہے زاہد آنکھ سے معذور ہے

(ہین)

(۳۶) تیوری چڑھانا ، ؎

کبھی تم صاف کرتے ہو مرد لکی کدورت کو   کبھی تم بے سبب تیوری چڑھا کر و اکرتے ہو

(۳۷) لبستار کرنا (بات بڑھانا) ؎

نہ کہنا خوب ہے تجھ زلف کی بات   عبث ہر تار کا بستار کرنا ،

(۳۸) کسی پر دانت رکھنا ؎ یہ سینہ چاک شانہ رکھتا ہے دانت مجھ پر ،

(۳۹) کسی کے ہو رہنا ، ؎

زندگانی سے ہاتھ دھو رہنا ،   یا کسی گلبدن کے ہو رہنا ،

(۴۰) جان سے ہاتھ دھونا، سہ دھو ہاتھ جو کوئی جان سے نومید ہوا ہے،

(۴۱) بار دینا (اجازت دینا) سہ غیر کو بار نہ دو اپنی گلی مین ہرگز،

(۴۲) جان بحق تسلیم کرنا (مرجانا) سہ رضا کا زخم کھا کر جان بحق تسلیم کرتے ہین،

(۴۳) انگارون پر لوٹنا (مضطرب ہونا) سہ

شعلہ رو جب سے نظر آیا ہمین — لوٹتا ہے تب سے انگارون پہ دل

(۴۴) ایک ہے (بڑا چلتا پرزہ ہے، آزاد ہے) سہ

اسکے کوچہ مین یہا کر جی لیا — ایک ہے عالم کے عیارون مین دل

(۴۵) جھُم جھُم برسنا (پانی کے برسنے کی آواز) سہ

برستی ہے بوچھار آنسو کی جھُم جھُم[1] (ہمقافیہ، دُم، خُم، ترنُّم)

(۴۶) مٹی کے مول بکنا (کم قیمت مین) سہ بچ ہم سودائیون کی جان اب ماٹی کے مول

(۴۷) نیل پڑنا (جسم پر ضرب کے نشان پڑنا) سہ

مار کھایا ہے زلف سین تیری — تن پہ سنبل کے ہے علامتِ نیل

(۴۸) تنگ وقت (نماز کے کوتاہ وقت کے لیے مخصوص ہے،) سہ

ترے دہن کی مسی سے مجھے ہوا معلوم — نماز شام کا ہے وقت اب نہایت تنگ

(۴۹) جاگیر بحال ہونا (ضبط یا قرق شدہ جاگیر کا کھل جانا) سہ

دیا خُتن کو تری زلف نے اضافۂ مشک — بحال تجھ سے ہے جاگیر بوئے نافۂ مشک

(۵۰) نظر بھر دیکھنا، سہ

کسے مجال کہ دیکھے اُسے نظر بھر کر — کہ شاہ حسن ہے وہ آفتاب عالمگیر،

---

[1] دہلی میں جھم جھم یا چھم چھم بولتے ہین نہ کہ جھُم جھُم

(۵۱) فولاد کا جگر رکھنا، سے

رکھتا ہے گرچہ آئینہ فولاد کا جگر تیری نگہ کے سامنے لاچار ہو ویگا

(۵۲) صاد کرنا، سے

جس بیت مین تعریف لکھون اسکی بھوئونکی البتہ ہلالی بھی اسے صاد کرے گا

(۵۳) سر آنکھون سے قبول کرنا، سے

البتہ سر آنکھون سے قبول اُسکو کرونگا جو عشق کا ہادی مجھے ارشاد کرے گا

(۵۴) کس منھ سے سے دل حشر مین کس منھ ستی فریاد کرے گا،

(۵۵) خون[1] جگر کھانا، سے

ساقی بغیر جرعۂ مے تلخ ہے سراج کھاتا ہے شیشہ خون جگر بے جمال دوست

(۵۶) جلتی آگ پر تیل ڈالنا، سے

نامۂ لطف بھیجکر یکسر تیل ڈالے ہی آگ جلتی پر،

(۵۷) آب (پانی) دم کرنا (دعا وغیرہ کا پانی پھونک کر دینا) سے

کون سے بیمار پہ یہ آب دم ہونے لگا،

(۵۸) حالی ہونا (واقف ہونا) سے

جو کوئی دکئی، شغل کثرت سے خالی ہوا وہ اسرار وحدت سے حالی ہوا،

(۵۹) مطلب فوت ہونا سے

نہ ملے جب تلک وصال صنم تب تلک فوت ہے مرا مطلب

(۶۰) مجلس گرم ہونا سے مجلس عیش گرم ہے یارب،

[1] دکن اور دہلی مین خون جگر کھانا ہی محاورہ ہے، اہل لکھنو اب خون جگر پینا باندھنے لگے ہین،

(۶۱) سولی کا پھول (سخت جان، ایذا رسان) سہ

دل نہین ہے بلکہ ہے سولی کا پھول دوسرا منصور کہلانے لگا،

(۶۲) سخن سبز ہونا سہ

اب ہوا ہے سخن ہمارا سبز طوطیون کی عبث ہے گویائی

(۶۳) لہو خشک ہونا سہ

دیکھ کر دریا مین اس منہدی بھرے ہاتھونکا عکس خشک ہو جاتا ہے لوہو پنجۂ مرجان کا،

(۶۴) دست و گریبان ہونا سہ مجھسے غم دست و گریبان نہ ہوا تھا سو ہوا،

(۶۵) دل اٹکنا سہ زلف کافر سے کیون نہ دل اٹکے جسکی ہر لٹ مین ہین کئی لٹکے،

(۶۶) لگن لگنا سہ لگی اس شمع رو سے کیا لگن پروانۂ دل کو،

(۶۷) شفق پھولنا سہ زمین سے گل ہو نکلا آسمان سے ہو شفق پھولا،

(۶۸) پھول ہونا (سیم ہونا) ہین ہمارے آج پھول اور بلبلون کے حق مین عید،

(۶۹) گلے کا ہار رہنا سہ

زخم تیرے تیغ کا اے گلبدن سینہ چاکون کے گلے کا ہار ہے

(۷۰) دستک دینا (پروانہ یا سرٹیفکٹ دینا، سمن یا وارنٹ دینا) سہ

صفۂ دل کو داغ کی کر مہر عشق کے شاہ نے دیا دستک

(۷۱) بن جانا (اچھا موقع ہونا) سہ

آئی ہے نوبہار دونون کی بن گئی، بن بن صدائے خندۂ گل ہر چمن گئی

(۷۲) کتابی سخن سہ دل کو عرش خدا ہی کہو تو عاشقون کا سخن کتابی ہے،

لہ یہ دکن کا محاورہ ہے کیونکہ نور اللغات اور فرہنگ آصفیہ مین اسکا کہین ذکر نہین ہے،

(۷۳) سنبل پلانا سے تیری ابرو کی تیغ پیاسی ہے ۔ آ پلا خون عاشقان سے سبیل ،

(۷۴) طالع کے سکندر، ؎

مثال عکس جسکی آنکھ کے درپن کے اندر ہو ۔ ہوا معلوم یون ہم کو کہ طالع کے سکندر ہو

(۷۵) ہاتھ اٹھانا (دست بردار ہونا) ؎

کئے رخصت جہان کی دوستی ہم ۔ سلامین کر سبھی سے ہاتھ اُٹھائے،[1]

(۷۶) ڈھیل ڈالنا، (معاملہ لیت و لعل یا کھٹائی مین ڈالنا) ؎

جفا کے ملک کے راجون نے ڈھیل ڈالے ہین ۔ دگرنہ دم مین ہزار دن قتیل ڈالے ہین[2]

(۷۷) شرم سے پانی ہونا، (بیحد شرمندہ ہونا) ؎

دیکھ مجھ اشک کی درخشانی، ۔ ہر گہر شرم سے ہوا پانی،

مندرجۂ ذیل غزل کے تمام قافیے محاورون مین ڈوبے ہوئے ہین :-

دیوانہ قید ہوش سین آزاد ہوگیا ۔ شکر خدا کہ پانون کی زنجیر کٹ گئی،

حیران ہون اسکی ابروِ پرچین کو دیکھ کر ۔ تقصیر کچھ نہ تھی کہ یہ سیفی الٹ گئی

مین بیخبر تھا اسکے تبسم نے کی خبر ۔ بلبل کی نیند خندۂ گل سے اُچٹ گئی[3]

آنے مین اس کے اشک روان بند ہو گئے ۔ اس تند خو کی دھاک سے یہ فوج ہٹ گئی

اب عرض حال یار سین لازم ہر اک سرنج ۔ تنہا ہے شمع بھیڑ پتنگون کی چھٹ گئی

مندرجۂ ذیل اشعار مین لفظ" کے ہاتھون" بالکل محاورۂ حال کے مطابق باندھا ہے :-

ہزار حیف کہ ہم پیاس پیاس کر کے موئے ۔ تمھارے لعل لب آبدار کے ہاتھون

قرار و صبر و دل و دین و ہوش و خواب گیا ۔ جو کچھ ہوا سو ترے انتظار کے ہاتھون

---

[1] سلام کو یا تو مونث سمجھا ہے یا پرانے زمانے مین جمع کا یہی دستور تھا، [2] ڈھیل ڈالے ہین، ڈھیل ڈالی ہو دکنی خیال کے مطابق فعل کا استعمال کرتے ہیں،
[3] آجکل نیند اچاٹ ہوگئی کہتے ہین، اچٹ گئی پرانا محاورہ ہے،

مجھے بھی خوار کیا، آپ بھی خراب ہوا   مین جان بلب ہون دل بیقرار کے ہاتھون

سراج نے لفظ سرکاری بمعنی معشوق کا استعمال اردو اور فارسی دونون زبانون مین کیا ہے، یہ استعمال صحیح ہے، حضرت داغ مرحوم نے کئی جگہ اسے باندھا ہے، اور فرہنگ آصفیہ مین بھی اس لفظ کے تحت مین متعدد شعرا کی مثالین درج ہین، سراج کے اردو اور فارسی اشعار ملاحظ فرمایئے

(اردو) نقد دیدار بوالہوس کو نہ دو   اس مین سرکار کی کفایت ہے،

(فارسی) ترا کہ آئینہ از بہر جلوہ درکار است   دلم ہر آئینہ مشکن زیان سرکار است

سراج کا کمال شاعری

سراج نے قصائد چھوڑ کر جملہ اصناف سخن مین فصاحت و بلاغت کے دریا بہائے ہین، سلاست و روانی کو کہین ہاتھ سے جانے نہین دیا، نشست الفاظ مین انھین ید طولیٰ حاصل ہے سنگلاخ زمینون مین طویل غزلین کہی ہین، اور شگفتہ شعر نکالے ہین، ان کے قافیون مین ایک قسم کی موسیقیت ہوتی ہے، جسکی وجہ سے غزل پڑھتے وقت زیر و بم کا دلآویز سمان بندھ جاتا ہے، مندرجہ ذیل دو غزلین اس ثبوت کے لیے کافی ہین، غزل ثانی کے قوافی سے سراج کی صرفی و نحوی لیاقت ظاہر ہوتی ہین، اور یہ پتہ چلتا ہے کہ اسم ذات کے بنانے کا قاعدہ ان کے زمانے مین کمل ہو چکا تھا:-

(۱) مرا دل آگیا جھٹ پٹ جھپٹ مین   ہوا الٹ پٹ لپٹ زلفون کی لٹ مین

ہر اک ناقوس مین آتی ہے آواز   کہ ہے پرگھٹ وہ ہر ہر سر کے گھٹ مین

نمایان ہے وہ نور چشم مردم   پلک کے پٹ مین تپلی کی الٹ مین

لگی ہے چٹ پٹی مت کر نپٹ ہٹ   چھپیے[1] مت لٹ پٹی گھونگھٹ کے پٹ مین

سراج اس شعمردہ بن جل گیا ہے   نپٹ حسرت کے شعلون کی لپٹ مین

[1] چھپیے مت = مت چھپ،

(۲) کبھی تم مول لینے ہمکو ہنس ہنس بھاؤ کرتے ہو ‌ ‌ ‌ کبھی تیر نگاہ تند کا برساؤ کرتے ہو،
کبھی تو صاف کرتے ہو میرے دل کی کدورت کون ‌ ‌ ‌ کبھی تم بے سبب تیوری چڑھا کرتاؤ کرتے ہو
کبھی تم موم ہو جاتے ہو جب مین گرم ہوتا ہون ‌ ‌ ‌ کبھی مین سرد ہوتا ہون توتم بھڑکاؤ کرتے ہو
کبھی لالا مجھے دیتے ہو اپنے ہاتھ سے پیالا ‌ ‌ ‌ کبھی تم شیشہ دل پر میرے پتھراؤ کرتے ہو
کبھی تم دھول اڑاتے ہو مرے غصے سے سر دھو ‌ ‌ ‌ کبھی منہ پر حیا کا لا عرق چھڑکاؤ کرتے ہو
کبھی خوش ہو کے کرتے ہو سراج اپنے کو جان بخشی ‌ ‌ ‌ کبھی اسکے بجھا دینے[1] کو کیا کیا داؤ کرتے ہو

سراج کی بے نقطہ غزل | سراج نے اپنی غزلون مین مختلف صنائع و بدائع کا استعمال کرنے کے علاوہ ایک بے نقطہ غزل بھی لکھی ہے جو درج ذیل ہے:-

محرم دل ہوا وہ سحر ادا ‌ ‌ ‌ کر کے معلوم واله و رسوا
سوس کر آہ درد کھو آرام ‌ ‌ ‌ دل ہمارا ہوا درس کا گدا
مہر کر مہر موم دل ہو کر ‌ ‌ ‌ کر عطا دل کا مدعا سارا
درد کا گھر ہوا ہمارا دل ‌ ‌ ‌ ہار گل کا ہوا گل سودا
دل کہا لا الہ الا اللہ، ‌ ‌ ‌ ورد اسم رسول کر کے بدا

تصوف | چونکہ سراج صوفی باصفا تھے، ان کی ہر اک غزل کے کسی نہ کسی شعر مین تصوف کی جھلک نمایان ہوتی ہے، مثلاً اہل تصوف اپنا کلام عموماً شراب ناب یا مخمور و مدہوش کے پردے مین بیان کرتے ہین، اور مے گساری و بادہ پیمائی کو عشق حقیقی کے رنگ مین ڈھال کر ظلمتکدۂ دل کو منور وضیا پاش بتاتے ہین، سراج نے بھی صوفیانہ شاعری کا یہی معیار قائم رکھا ہے، مندرجۂ ذیل غزلیات واشعار سراج کا پایۂ تصوف ظاہر کرنے کے لیے کافی ہین:-

---

[1] اس مصرع مین بجھا دینا بمعنی قتل کرنے کے ہین، اور داؤ سے مراد داؤ ہے،

(۱) گدائے کوچۂ میخانہ میرے پرستان ہے　　بہارگل مین ہر بلبل شرے پرستان ہی

شب تاریک مین حاصل ہی انکو سیر مہتابی　　کہ دورِ جام مل بدر منیرے پرستان ہی

بتاتا ہی کرشمے بیٹھکر مسجد مین ابرو کے　　مگر وہ نرگسِ مخمور پیرے پرستان ہی

ہوا عہد الست انکو شکست توبہ دیرین　　گلوئے شیشہ مے دستگیرے پرستان ہی

عیان ہوتا ہی رنگِ بادۂ مینائے سربستہ　　سراؔج آئینہ روشن ضمیرے پرستان ہی

(۲) ہوا ہی خطا جبین جسکو خطِ جام شراب　　نگین دل پہ کیا نقش اس مین نام شراب

نہین ہی حرمت مے کی خبر تجھے زاہد　　کہ میکشون کو ہی معلوم احترام شراب

نیاز عالم ہستی مین نین غرور نماز　　شکستِ موج ہی طرز خم سلام شراب

ہر ایک سرو ہی شیشہ ہر ایک گل ساغر　　دیا بہار نے فتوے آذن عام شراب

خیالِ نرگس ساقی سین دل ہی لرزش مین　　ہوئی ہی رعشہ فزا کثرتِ مدام شراب

ترے سخن مین لے ناصح نہین ہی کیفیت　　زبانِ قلقل مینا سے سن کلام شراب

ہے عکس چہرۂ خورشید ردپیالے مین　　سراؔج جلوہ نما ہی مہ تمام شراب

مندرجہ ذیل اشعار بھی تصوف کا رنگ لیے ہوئے ہین:-

جھڑ پڑین برگ نخل طوبے کے　　گر کرون دل سے نعرۂ یا ہو ،

بزم وحدت مین نہین ہی احتیاج جام مے　　مست وحدت کو ن شراب ارغوانی ہیچ ہے

ہے تجلی بخش جب سے پرتو انوار حق ..　　تب سے میرا دل ہوا ہے مطلع انوار حق

بے خبر ہے محفل کونین سے مثل سراؔج　　جو ہوا ہے بے خودی کے جام سے سرشار عشق

دور ہو جائے شب غفلت کی تاریکی سراؔج　　عشق بزم افروز کی گر شمع نورانی ملے

راہِ خدا پرستی اول ہے مے پرستی،　　ہستی مین نیستی ہے اور نیستی مین ہستی،

پند ونصیحت | کہیں کہیں ادب وتہذیب اور پند ونصائح کا بھی اشارہ کیا ہے، فرماتے ہیں،

سراج اب مجھکو یہ روشن ہوا ہے، کہ شمع محفلِ دانش ادب ہے

کام جاہل کا ہے سخن چینی اے سراج اسکو تو جواب نہ دے

ایک جگہ قافیہ صبح کے باندھتے وقت سحر خیزی کے فوائد گنا گئے ہین، سہ

وہ مثلِ آفتاب جہانگیر ہے مدام جس پر ہوا ہے سایۂ بالِ ہمای صبح[1]

کھلتا ہے فیضِ آہ سے تی غنچۂ مراد ہے باعثِ شگفتگیِ گل ہوائے صبح

سراج کا پایۂ شاعری | ہندوستان مین کالیداس کا نام صرف موزون تشبیہات کی وجہ سے زندۂ جاوید ہوگیا ہے، سچ پوچھیے تو بغیر تشبیہ واستعارات کے شاعری طعام بے نمک کے مانند ہے، جو بات کسی شاہد رعنا مین زیور وخوش لباسی پیدا کرتی ہے، وہی بات شعر مین تشبیہ سے پیدا ہوتی ہے، سراج کی نیچرل تشبیہون کا ذکر ہم آغاز مضمون مین کر آئے ہین، اب انکی ان تشبیہون کو ہم منظرِ عام پر لانا چاہتے ہین جو غزل کی جان ہونے کے علاوہ شاعر کے لیے مایۂ ناز سمجھی جاتی ہین، ذیل مین چند نمونے ملاحظہ فرمایئے :۔

تمھارے عارضِ گل سے نہین ہے راہِ گریز ہوئی ہے شفق اب فوج زنگ و لشکر شام

دہن ترا ہے مگر خاتم سلیمانی، ہوئے ہین دیو و پری جس سبب ترے محکوم

آفتاب آئینۂ نقشِ کفِ پا ہے ترا کیا مگر باقی ہے اعجازِ یدِ بیضا ہنوز؟

غم نے پیلا کیا ہمارا رنگ کیمیا گر نے زر کیا مس کا :

رخ ہے مصحف بھوین ہین بسم اللہ زلف تیری ہے سورۂ اخلاص،

شام غم کو ہی امیدِ صبحِ عشرت دمبدم سورۂ والّیل کو ہے والضحیٰ کا اشتیاق

[1] تشبیہ کی ندرت ملاحظہ فرمایئے،

اصنافِ سخن سراج کے دیوان مین غزلیات، رباعیات، مخمس، مستزاد، ترجیع بند اور مثنویان ہین، بڑی خوبی تو یہ ہے کہ ہر قسم کے کلام مین سلاست و روانی پائی جاتی ہے، جی تو یہ چاہتا ہے کہ تمام قسم کے کلام کے نمونے درج کرکے اہلِ فن کے سامنے پرانی شاعری کا بہترین نقشہ پیش کردون، لیکن خوفِ طوالتِ مضمون نے باز رکھا، ؎

دامانِ نگہ تنگ و گلِ حسنِ تو بسیار　　　گلچینِ جمالِ تو ز دامان گلہ دارد

سراج نے اپنے دیوان مین چھوٹی چھوٹی سات مثنویان درج کی ہین جنمین سے بعض تو گویا واسوخت معلوم ہوتی ہین اور بعض پر اختصار کی وجہ سے عاشقانہ خطوط کا گمان ہوتا ہے، پہلی مثنوی بطور مناجات ہے، اس مین حمد و نعت کے بعد اپنے کلام کی مقبولیت کے لئے درگاہِ ایزدی مین اس طرح دعا مانگی ہے:-

الٰہی مجھ سخن مین دے لطافت　　　گلِ معنی مین دے رنگِ نزاکت

الٰہی کر مرے دیوان کو مشہور　　　ہر اک صاحب نظر کا ہوئے منظور

مثنوی دوم بلحاظِ تخیل قابلِ تعریف ہے، عاشق صبا کے آگے اپنے معشوق جفا جو کا دکھڑا صبح سویرے اس طرح رو رہا ہے:-

اے صبا ہے وطن ترا گلزار　　　نام تیرا ہے پیکِ خوش رفتار

تجھ سے اک التماس رکھتا ہون　　　مین نراسی ہون آس رکھتا ہون

دردِ دل یار کو گذارش کر　　　غم سے مظلوم کی سفارش کر

نشۂ غم مجھے دو بالا ہے　　　نور کا وقت ہوا جا لا ہے،

اس کے بعد کہتا ہے ارے نیکبخت! تجھے خبر بھی ہے کہ صبح نے مجھے غمگین پاکر اپنا گریبان چاک کر لیا ہے، مگر افسوس رے کٹر! تو ٹس سے مس نہین ہوتی، میرے درد کا تجھ پر مطلق اثر نہین

خدارا میرا حال معشوق کو جا سنا، کسی قدر ٹھہر کر پھر کہتا ہے، نعوذ باللہ مین اتنا بھی نہ سمجھ سکا کہ تو بیرے گوں یا مطلب کی نہین، تو دل کی لگی کو کیا خاک جانے تیری ساری عمر صحن گلزار مین بلبلون کی نغمہ خوانی سنتے۔ اور گل و ریحان کی خوشبو سونگھتے گذری، کاش تیرے دل مین بھی کسی کے عشق و محبت کا تیر ترازو ہوتا، کہ تو ہمارے جیسے ہجران نصیب عاشقون کی قدر کرتی، اے صبا:۔

حق تجھے عشق سے قریب کرے   تجھکو درد و الم نصیب کرے

غم سے خالی نہین ہو اک ذرہ   سب پر آیا ہے عشق کا غرہ

تجھ پہ آیا نہین تو آدے گا   غم خزان ہو کے رخ دکھا دیگا

مہربان ہو کے یار کو جا بول   دلبر غمگسار کو جا بول،

کہ تیرے ہجر مین عاشق کے جینے کے لالے ہین، حرمان و یاس کا عالم ہے، صبر و قرار سے کوسون دور ہے، جینا دوبھر ہو گیا ہے، آنکھون سے ساون بھادون کی جھڑی جاری ہے، خدارا بیتاب نہ کر جلد آ۔ اور اپنا دیدار دکھا جا، اس کے بعد کہتا ہے یہ کلام ہرزہ سرائی اور صدا بصحرا ثابت ہوئی، صبا نے کچھ ایسی گھنی سادھی کہ ایک لفظ تک نہ کہا، آخر ناامید ہو کر عاشق نے جناب باری مین دست بستہ التجا کی:۔ کہ

نپٹ بیقرار ہون یارب   روز و شب اشکبار ہون یارب

کب تلک قید غم سے چھوٹونگا   اپنے مطلب کا گنج لوٹون گا

کب تلک یار رخ دکھا دیگا   مجھ طرف مہربان ہو آویگا

کب کھلیگی مراد دل کی کلی   کب نظر آ دیگی صنم کی گلی،

جب اس طرح بالحاح و زاری دعا مانگ کر اپنی دھن مین چپ چاپ رنج و افسوس کرتا ہوا بیٹھا تھا کہ استنے مین

ہاتف غیب سے ندا آئی، کہ نہ ہو اس قدر تو سودائی
حق کی درگاہ لاابالی ہے بندگی کب کسی کی خالی ہے
حق ترے یار کو ملادے گا اس کے دیدار کو دکھاویگا

اس غیبی آواز کے آنے کے بعد بھی عاشق وصال جانان سے محروم ہی رہا، مگر اس اثنا مین اس کے دل نے گواہی دی کہ آج ضرور سجن ملاوا ہوگا، دل بانسون اچھل رہا تھا، اور مارے خوشی کے باچھین کھلی جاتی تھین، اور بار بار یہ شعر زبان پہ دہرارہا تھا ؎

شام کے وقت ہے امید چراغ نہ ملے جب چراغ تو ہے داغ

آنکھین انتظار مین فرش راہ تھین، ہوا سے اگر کوئی پتا کھڑک جاتا تو میان عاشق سمجھتے کہ میرا من ہرن آگیا، مگر افسوس شام شفق کا ارغوانی ڈوپٹہ اوڑھے ہوئے حجرۂ مغربی مین داخل ہوگئی، اور کالی کالی رات آبنوسی تخت پر بیٹھے ہوئے اپنی بھیانک شکل دکھانے لگی، دامن صبر و شکیب عاشق کے ہاتھ سے جاتا رہا، دیوانہ وار دوستون کے قدمون پر آگرا اور بھرائی آواز مین کہنے لگا ؎

کیا کرون فکر اس کے ملنے کی اپنے مقصد کے پھول کھلنے کی
مین تمھارا غلام ہون یارو مجھکو موہن کے پاؤن پر وارو

(باقی)

نٹشے اور تمدنیات

(فوق البشر)

از

مولوی سید مظفر الدین صاحب ندوی ایم اے لکچرار ڈھاکہ یونیورسٹی

نٹشے دیگر ارتقائیین کی طرح صرف علوم مادی کو بنی نوع انسان کے لیے مرجع کمال سمجھتا تھا، وہ دینیات، نفسیات، عقلیات، منطق و فلسفہ کو بیکار اور غیر مفید خیال کرتا تھا، اسکی تمام توقعات علم حیات اور علم الاجسام سے وابستہ تھین، وہ مسئلۂ وجود باری سے کہین زیادہ مسئلۂ "بالیدگی جسم" کے حل کا مشتاق تھا. وہ کہتا تھا کہ مین ہمہ تن "جسم" ہون اور "روح" بھی "جسم" کا ایک جزو ہے، حسیات و جذبات کی تہ مین جو قوت مضمر ہے اور جسے عام زبان مین "نفس" (یا ضمیر) کے نام سے پکارا جاتا ہے وہ بھی جسم ہی مین سکونت گزین ہی بلکہ جسم ہی کا ایک حصہ ہے،

نٹشے کا دعویٰ تھا کہ ایک زمانہ تھا جبکہ مذہب کی عالمگیر حکمرانی کے سامنے فطرت انسانی کی تمام پرزور قوتین دب گئی تھین اور مذہب نے اپنی ہمہ گیری سے ان کو اپنا تابعدار بنا لیا تھا، لیکن جب دنیا نے ترقی کی اور مذہب کا شیرازہ بکھر گیا تو پھر یہ دبی ہوئی قوتین ابھرین اور نتیجۂ کار مذہب کی مسند پر "ارتقار" متمکن ہوا،

ارتقائیین کے مسلک کی رو سے دنیا اور دنیا کی اشیا روز بروز ترقی کر رہی ہین، لیکن نٹشے سے پہلے کسی نے اس مسئلہ پر روشنی نہین ڈالی، کہ دنیا کے اس روز افزون سلسلۂ ترقی کی آخری کڑی کیا ہے اور دنیا کی تمدنیاتی جد و جہد کا منتہائے مقصود کیا ہے؟ نٹشے پہلا شخص ہے جسنے اس مسئلہ پر

روشنی ڈالنے کی کوشش کی اور تمدنیاتی مساعی کا نصب العین قائم کیا، چنانچہ وہ لکھتا ہے :-

"اب تک بنی انسان کا کوئی نصب العین نہ تھا، ایک خود ساختہ نصب العین تمدن وتہذیب کی ترقی کے لئے اشد ضروری ہے، ہماری تمام تمدنیاتی مساعی کا منتہائے مقصود "فوق البشر" کا وجود ہے،" اسلیے ہر اس مذہب اور ہر اس مجموعۂ قوانینِ اخلاق وسیاست کو نیست ونابود کردینا چاہیئے جو" فوق البشر" کے ظہور مین توقف کا باعث ہو، صرف زبردست اور قوی الارادہ اشخاص کا تیار کردہ مجموعۂ قوانین انسانی زندگی کے اغراض ومقاصد کے شایانِ شان ہوسکتا ہے"

فوق البشر کا مفہوم

نٹشے نے اوّل اوّل "فوق البشر" (Superman) کا لفظ گیٹے[1] سے اخذ کیا اور جی، ڈیہرنگ (E. G. Dühring)[2] کی کتاب (Der Werth des Lebens) سے بہت کچھ استفادہ کیا، بعدازان اسکی توضیح وتشریح کرکے اُسے اپنی تمام کدوکاوش کا نصب العین قرار دیا، "فوق البشر" سے نٹشے کی کیا مراد تھی ذیل کی عبارت سے ظاہر ہوگی :-

"موجودہ نسل انسانی سے ایک زبردست دل ودماغ والی امارت پسند قوم پیدا ہونیوالی ہے جو یورپ کے عوام پر حکومت کرے گی، اس قوم سے ایک خالص یورپین جماعت عالم وجود مین آئے گی جو" Higher man" (سربرآوردہ جماعت) کہلائیگی، اس جماعت کی نسل سے ایک اور اعلیٰ جماعت پیدا ہوگی جو "Superman"، (فوق البشر) کے نام سے موسوم ہوگی، ہمارا اخلاقی اور معاشری فرض ہے کہ ہم ایک صنف سے دوسری اعلیٰ صنف کی طرف

---

[1] Goethe (۱۷۴۹ء-۱۸۳۲ء) جرمنی کا مشہور شاعر، ڈراما نویس اور فلسفی تھا، وہ بہت بڑا مصلح اخلاق تھا، اس نے اپنی خداداد اور پرزور قابلیت سے جرمنون کو سیاسی، علمی اور اخلاقی تنزل سے نجات دی،

[2] Dühring (۱۸۳۳ء-۱۹۰۱ء) جرمنی کا ایک مشہور فلسفی تھا اس کا فلسفہ "فلسفۂ حقیقت" تھا، وہ تصوریت اور ہر اس مسلک کا مخالف تھا جو حقیقت پر پردہ ڈالنے کی کوشش کرتا ہے،

برابر بڑھتے رہیں اور ہم اپنا ذاتی مفاد اس جماعت کے لیے قربان کر دیں جو تمام جماعتہائے انسانی سے افضل ہے، یعنی موجودہ نسل انسانی کو بے غرض اور بے لوث زندگی گذارنی چاہیئے تاکہ آیندہ نسلیں ہر طرح سے خوشحال اور فارغ البال ہوں :

متذکرہ بالا تشریح کے باوجود "فوق البشر" کا صحیح مفہوم بتانا نہایت مشکل ہے، کیونکہ بعض اوقات اس لفظ سے نٹشے کی مراد "اعلیٰ صنف" اور بعض اوقات "اعلیٰ شخصیت" تھی، جب اس پر شخصیت پرستی کا مادہ غالب ہوتا تھا تو "فوق البشر" سے وہ افراد انسانی کے بہترین نمونے مراد لیا کرتا تھا، اور جب نوع انسان کے اجتماعی مفاد کا خیال ہوتا تھا تو وہ افراد و اشخاص سے گذر کر صنف اعلیٰ کی جستجو کرتا تھا، اس اختلاف بیان کی ایک اور توجیہ یہ ہو سکتی ہے کہ جب تک نٹشے پر تصوریت اور رومانیات کا رنگ چڑھا رہا اُسے "اعلیٰ شخصیت" پر ایمان رہا، اور جب وہ علمیات کے میدان میں گامزن ہوا اور صرف علم حیات کو اپنی کوششوں کا جولانگاہ قرار دیا تو "اعلیٰ صنف" کا خیال ہوا،

فوق البشر کا مذہبی پہلو سر فرنسس گیلٹن[1] جدید تمدنیات کا بانی سمجھا جاتا ہے، اسکی مشہور کتاب "ساخت انسانی کی تحقیق" (Enquiries into human faculty and its development) ۱۸۸۳ء میں شائع ہوئی، اس کتاب نے نٹشے کے تمدنیاتی خیالات پر گہرا اثر ڈالا، بلکہ یہ کہنا چاہیئے کہ نٹشے نے اپنے تمدنیاتی مقاصد کی جو شرح و بسط کی ہے وہ اسی کتاب سے ماخوذ ہے، سر فرنسس گیلٹن تمدن کے مستقبل پر بحث کرتے ہوئے ایک جگہ لکھتا ہے :-

> تمدن کو دنیا کے سامنے ایک جدید مذہب کی حیثیت سے پیش کرنا چاہیئے کیونکہ اس میں اس بات کی پوری صلاحیت پائی جاتی ہے کہ مذہب کی طرح عالمگیر اور مقبول خلائق ہو، اور

[1] Sir Francis Galton انگلستان کا ایک مشہور سائنسی مصلح سمجھا جاتا ہے، ۱۸۲۲ء میں پیدا ہوا، اس نے تمدن پر متعدد کتابیں اور رسالے لکھے، اسنے اپنی ساری کوشش ناکاروں کے توالد و تناسل کی روک تھام میں صرف کر دی مگر نتیجہ کچھ نہ نکلا،

"یہ بعید نہین کہ مستقبل مین تمدّن مذہب کا قالب اختیار کرلے یا مذہب کا رکن رکین بنجائے"

نٹشے کو خوب معلوم تھا کہ مذہب کی خواہ دھجیان کیون نہ اڑائی جائین، دنیا یا کم از کم موجودہ دنیا فلسفی اور متقنن سے کہین زیادہ پیغمبر کا احترام کرتی ہے، اور لوگ مذہب کے اوامر و نواہی کو حسن عقیدت کے ساتھ تسلیم کر لیتے ہین اور مذہب کی خاطر عظیم الشان قربانیان کرتے ہین، اس لیے اس نے اپنے نصب العین (فوق البشر) کی کامیابی کے لیے منجملہ اور شرائط کے ایک مذہبی شرط بھی لازمی قرار دی تاکہ یہ مذہبی رنگ اختیار کرکے مقبول خاص و عام ہو، نٹشے "فوق البشر کے مذہبی پہلو پر بحث کرتے ہوئے لکھتا ہے:

"انسان متعصب اور خودغرض واقع ہوا ہے، وہ دنیا و مافیہا پر فلسفیانہ نظر نہین ڈالتا، وہ اپنی مختصر زندگی تک اپنی ساری کارگذاری کو محدود کرنا چاہتا ہے، وہ اُن درختون کو لگانا نہین چاہتا جن کے لیے صدیون کی محنت و مشقت درکار ہو اور جن سے آیندہ نسلین زمانۂ دراز تک متمتع ہون، وہ درخت لگا کر خود ہی اس کا پھل کھانا چاہتا ہے، یہ تنگ خیالی صرف خودغرضی اور نفسانیت کا نتیجہ ہے، ہمین ایک صنف انسانی سے دوسری صنف تک بڑھنا چاہیئے، ہمین انفرادی منفعت چھوڑ کر اجتماعی آسائش کا خیال کرنا چاہیئے، ہمین اپنے نصب العین کی خاطر ہر طرح کا ایثار کرنا چاہیئے، صرف اپنی فکر کرنا اور دوسرون کی طرف توجہ نہ کرنا ایک زبردست قومی حادثہ ہے، آنے والی نسلون کی عزت و محبت کا مطالبہ یہ ہے کہ ہم اپنے ہمسایون اور پڑوسیون تک کا خیال نہ کرین"،

فقرات بالا سے صاف ظاہر ہے کہ نٹشے "فوق البشر" کے ظہور کے لیے "ترک خودی" اور "ایثار و قربانی" ضروری قرار دیتا ہے اور یہ مسیحیت کے عالمگیر اثر کا نتیجہ تھا، اگرچہ وہ مسیحیت کا جانی دشمن تھا تاہم وہ گرد و پیش کے مذہبی اثرات سے محفوظ نہین رہ سکتا تھا،

فوق البشر کے ذرائع اگرچہ "فوق البشر" کا خیال بہ ظاہر نہایت خوش آیند اور دلکش ہے، لیکن افسوس ہے

کرنٹشے نے اسکی کما حقہ توضیح و تشریح نہین کی، اس لیے اس کا صحیح مفہوم تبانا مشکل ہی نہین ہے بلکہ محال ہے، اور اس نقص کا اعتراف خود نٹشے کو تھا، وہ کہتا تھا کہ اگر "فوق البشر" کی جامع و مانع تعریف اور پوری توضیح و تشریح کیجائے تو اسکی دلفریبی اور اثر آفرینی کم ہوجائیگی، بالاجمال یہ سمجھنا چاہیئے کہ فوق البشر مذہبیات اور اخلاقیات کی آخری سرحد ہے یا ایک آلہ ہے جس کے ذریعہ سے حیات انسانی اپنے تمام مراحل طے کرکے آخری منزل تک پہنچ سکتی ہے،

نٹشے کا خیال تھا کہ "فوق البشر" کے ظہور مین ابھی ایک عرصہ درکار ہے، سردست ہمین وہ راہ عمل اختیار کرنی چاہیئے جس سے منزل مقصود تک پہنچنے مین آسانی ہو اور وہ تدابیر و تراکیب اختیار کرنی چاہئین جنسے "فوق البشر" کے ظہور کے لیے راستہ صاف ہوجائے،

نٹشے کی فوری تدابیر یہ ہین:-

(۱) جوانون کو صحیح و موزون تعلیم دینا،

(۲) موجودہ قوانین مناکحت پر تمدنی ضروریات کے مطابق نظر ثانی کرنا،

(۳) متحدہ یورپ کے قیام کی کوشش کرنا،

(۴) مسیحیت کو صفحہ ہستی سے مٹانے کی کوشش کرنا،

ان تدابیر کو نٹشے کے خیال کے مطابق ہم ذرا تفصیل سے بیان کرتے ہین:-

تعلیم نٹشے کا بیان ہے کہ موجودہ طرز تعلیم متعدد نقائص کا مجموعہ ہے، اس سے طلبہ کے دل و دماغ مین جمود اور کورانہ تقلید کا مادہ پیدا ہوتا ہے، اس سے انسانی حسیات و جذبات مین کسی قسم کی تازگی وطراوت نہین پہنچتی، نٹشے نے ۲۸ سال کی عمر مین (جبکہ وہ بون یونیورسٹی مین پروفیسر تھا) "ہماری تعلیم گاہون کا مستقبل" کے عنوان سے پانچ زبردست لکچر دیئے تھے، ان لکچرون مین وہ ایک جگہ کہتا ہے "ہمارا مقصد عوام کی تعلیم نہین ہے بلکہ صرف چند منتخب اور چیدہ اشخاص کی تعلیم و تربیت ہے جو بعد کو قومی

خدمات انجام دیسکین وہ لسانیات، نفسیات، علمیات اور دینیات کی تعلیم کو انسانی زندگی کے لیے صرف بیکار ہی نہین بلکہ سخت مضر سمجھتا ہے اور کہتا ہے کہ ان مضامین کے اساتذہ حقیقی استادون کے مقابلہ مین وہی نسبت رکھتے ہین، جو جنگلی ہندوستانی طبیب، حاذق اور کامل اطبا کے مقابلہ مین رکھتے ہین، ان مضامین کے پڑھنے سے صرف اتنا ہوتا ہے کہ معلومات کا ذخیرہ دل و دماغ مین بھر جاتا ہے اور بس، کام کرنے کا شوق نہین ہوتا، نوجوانون اور نونہالون کو مادی علوم اور کارآمد فنون کی تعلیم دینی چاہیئے تاکہ فراغت کے بعد وہ دنیا مین کوئی کام کر سکین، علمی تعلیم کے بجائے عملی تعلیم لازمی اور لابدی ہے،

مناکحت نٹشے کا دعویٰ ہے کہ آجکل شادی کے معنی یہ ہین کہ سوسائٹی کی طرف سے دو افرادِ انسانی کو عیش کرنے اور خواہشات نفسانی کے پورا کرنے کی اجازت دیدیجاتی ہے اور بس، اگرچہ یہ اعلان کیا جاتا ہے کہ شادی سے معاشرتی نظم و نسق اور بقائے نسل مقصود ہے لیکن اس کا جو طریقہ اختیار کیا جاتا ہے وہ اس کے بالکل منافی ہے، آجکل مناکحت کی بنیاد "اتفاق" پر قائم ہے اور اس لیے طرفین کے دل محبت اور الفت سے زیادہ تر خالی رہتے ہین، نٹشے کا خیال ہے کہ انسان کو جب تک اپنی تندرستی اور شرافت نسبی کا یقین نہ ہو شادی نہین کرنی چاہیئے کیونکہ وہ اس کے ذریعہ سے ایک نئی ہستی کی بنیاد ڈالنا چاہتا ہے اور اسکی خصوصیات متعدد نسلون تک منتقل ہوتی رہینگی، ہر امیدوار نکاح کو اپنے نفس سے یہ سوال کرنا چاہیئے "کیا فلان عورت کے ساتھ تم اپنا وقت مرتے دم تک خوشی سے گذار سکتے ہو یا نہین" نکاح کی بنیاد رفاقت و الفت پر قائم ہونی چاہیئے، نٹشے اس سلسلہ مین لکھتا ہے:-

> "آیندہ مناکحت صرف روحانی رفاقت کی خاطر ہونی چاہیئے جسکی غرض و غایت یہ ہو کہ ایک ایسی نسل کی بنیاد پڑے جو موجودہ نسل سے بہتر ہو، جو لوگ ہوس پرستی کو کسی علمی

مقصد کے حصول کا ذریعہ سمجھتے ہین ان کو "داشتہ" پر اکتفا کرنا چاہیئے۔ اگر کسی عورت نے اپنے شوہر کی جسمانی صحت و تندرستی کی بنا پر اپنے تئین اسکی خواہشات پر قربان کر دیا تو پھر شادی کا اصل مقصود فوت ہو گیا، بے شبہہ انسانی آبادی مین اضافہ ہو گا مگر وہ اتفاقیہ، نسل سے سدھارنے اور سنوارنے کا خیال بھی ذہن مین نہ آئے گا؛

نٹشے رشتہ مناکحت کے متعلق حسب ذیل تجاویز پیش کرتا ہے:-

(۱) موروثی جائداد پر زیادہ محصول لگانا چاہیئے اور شادی کے پہلے لوگون کو عرصہ تک فوجی خدمت انجام دینی چاہیئے،

(۲) شادی کے قبل مرد و عورت دونون کی جسمانی صحت کا ڈاکٹری معائنہ ہونا چاہیئے اور پھر اسکی تصدیق کلیسا والون سے ہونی چاہیئے؛

(۳) جن لوگون کی اولاد ذکور زیادہ ہون ان کو اورون کی بہ نسبت حقوق و اختیارات زیادہ ملنے چاہئین،

(۴) وقتی اور آزمائشی نکاح کا رواج دینا چاہیئے تاکہ زناکاری کا انسداد ہو سکے یا اسکی خرابیون کی اصلاح ہو سکے، ایسی حالت مین اولاد کے حقوق کا پہلے سے خیال رکھنا چاہیئے،

(۵) شادی کے قبل برسر اقتدار اشخاص اور پیشوایان دین کی منظوری لے لینی چاہیئے،

(۶) کمزور اور اپاہجون کو اولاد پیدا کرنے کا موقع نہین دینا چاہیئے،

نٹشے کا خیال ہے کہ دائم المرض اور نحیف و نزار اشخاص کیلئے بچہ پیدا کرنا جرم ہے، ڈاکٹرون کو ذمہ متعدد فرائض ہین جنمین سب سے زیادہ اہم فرض یہ ہے کہ وہ ایسے ناکارون کو اولاد پیدا کرنے کا موقع نہ دین، چونکہ سوسائٹی افراد کی زندگی کی ذمہ دار ہے اس لیے اس کا فرض ہے کہ ناقص زندگی کے لئے (ہمیشہ کے لیے) راستہ مسدود کر دے، مریضون کو تندرستون کے برابر حقوق عطا کرنا اور

اور ناکارون پر ترس کھانا درحقیقت اخلاقیت کے چہرہ کا ایک نہایت بدنما داغ ہے،

متحدہ یورپ نٹشے کہتا ہے کہ آجکل یورپ کی سلطنتین صرف اپنے ذاتی مفاد کے لیے سرگرم کار ہین، لیکن یہ خود غرضی عرصہ تک نہین رہ سکتی، ایک نہ ایک روز انفرادی مفاد کی بجاے اجتماعی مفاد کا لحاظ کیا جائے گا اور موجودہ تنگ نظری اور پست خیالی دور ہوجائیگی اور تمام اقوام یورپ مین بلند خیالی اور وسعت نظری پیدا ہوجائے گی، اور پھر ایک عرصہ کے بعد تمام دول یورپ ایک ہوجائینگے نٹشے صراحت کے ساتھ یہ نہین کہتا کہ آخر "متحدہ یورپ" کے قیام کی صورت کیا ہے ایک جگہ وہ اپنا خیال یون ظاہر کرتا ہے:-

"روس کی زبردست اور تہدید آمیز قوت ایک روز یورپ کی مختلف سلطنتون کو مجبور کریگی کہ اپنے خانگی اور قومی جھگڑون کو پس پشت ڈالکر متحدہ طور پر اس نیم وحشی ملک کا مقابلہ کرین، مین اس معنی مین "جرمن" نہین ہون کہ طوائف الملوکی اور قومی منافرت کی تحریک ہو جو آج یورپ کے ممالک کو ایک دوسرے سے اجنبی اور بیزار بنائے ہوئے ہے، مین اور میرے ہمخیال صحیح معنون مین "یوروپین" ہین، اور اچھا "یوروپین" ہونا اور یورپ کا خوشحال وارث ہونا فخر وناز کی بات ہے"

نٹشے کی بلند پروازی اور خیال آرائی کی آخری حد یہ ہے کہ (اس کے خیال کے مطابق) ایک وقت دنیائے خاکی کی حکومت اتنی زبردست اور ہمہ گیر ہو گی کہ یہان کے باکمال اور ذی عقل اشخاص اجرام فلکی پر بھی حکمرانی کرین گے، اور یہ دور اس وقت آئیگا جب کہ اخلاقیت "عقل" کے تابع ہوگی، حکومت کی باگ بااخلاق اشخاص کی بجائے عقلاء کے ہاتھ مین ہوگی، مرد وعورت دونون اقتصادی رو سے آزاد وخود مختار ہون گے، قومی تعصب اور تنگ نظری کا نام ونشان بھی نہ رہے گا، اور وہ رقم کثیر جو آج فوجی ضروریات مین صرف کی جارہی ہے، تعلیم (تمدنیاتی تعلیم) اور ایک سائنٹی

ی ترقی مین صرف کیجائے گی،

سیحیت کی بیخکنی | مسیحیت کے متعلق نٹشے کے خیالات قدرے تفصیل کے ساتھ "معارف" کے گذشتہ
ہرچے مین شائع ہو چکے ہین، اسلیے یہان ان کا اعادہ مناسب نہین معلوم ہوتا، بالاختصار یہ کہنا ہی
لرتا ہے کہ نٹشے مسیحیت کو اپنے نصب العین" فوق البشر" کے لیے سم قاتل سمجھتا ہے، کیونکہ مسیحیت
یر و غریب، شریف و رذیل، شاہ و گدا، نیک و بد، مریض و تندرست، ضعیف و توانا، سب کو ایک
مف مین کھڑا کر دیتی ہے، لیکن فوق البشر" کی اصل بنیاد امتیازی خصوصیات پر قائم ہے، علاوہ
زین مسیحیت انسان کو ساکن اور منجمد بنا دیتی ہے اور دل و دماغ مین کسی قسم کی جلا نہین بخشتی لیکن
فوق البشر" کے لیے روز افزون ترقی کا سلسلۂ دراز درکار ہے،

سربرآوردہ اشخاص کے اوصاف | جیسا کہ اوپر بیان ہوا، " فوق البشر" کی راہ کی پہلی منزل سربرآوردہ جماعت
ہے ... ہے، نٹشے کا دعوی ہے کہ یہ زبردست جماعت انسانی ایک یعنی نوع آدم
" با اخلاق" کی بجائے " ذی عقل" بنا دیگی اور" فوق البشر" کے ظہور کے لیے راستہ صاف کریگی، اس جماعت
ن حسب ذیل اوصاف ہونے چاہئین:-

(۱) شریف النفس اور جفاکار ہو،

(۲) خاموش، سنجیدہ اور مستقل مزاج ہو، اور صبر و عزم کے ساتھ اپنے کامون مین مصروف ہو

(۳) اپنے خیالات و جذبات پر پورا قابو رکھے اور مغلوب الاثر نہ ہو،

(۴) خوش مزاج اور سادہ لوح ہو، اور غرور و تکبر سے مبرا ہو،

(۵) ہر قسم کے خطرہ کے لیے سینہ سپر ہو، اور ہر مصیبت کا خندہ پیشانی سے کے ساتھ مقابلہ کرے

(۶) حکمرانی کی صلاحیت رکھے اور بوقت ضرورت اطاعت کے لیے بھی تیار ہو، کیونکہ جو
رمانبرداری نہین کر سکتا وہ فرمانروائی بھی نہین کر سکتا، حاکمی و محکومی لازم و ملزوم ہین،

نٹشے اس "جماعت انسانی" کی خصوصیات پر بحث کرتے ہوئے ایک جگہ لکھتا ہے:-

"سربرآوردہ جماعت کو شریف النفس ہونا چاہئے، ظاہرداری، تہذیب، خاموشی اور توقف پسندی اس کے لیے لازمی اوصاف ہین، یہ جماعت غربت، افلاس اور ہر طرح کے دکھ اور آزار کو برداشت کرنے کے لیے تیار رہیگی، یہ بہت زیادہ خلیق، ملنسار اور سلیم الطبع ہوگی، لیکن ان تمام اوصاف سے بڑھکر اس مین خداداد یا فطری قابلیت ہوگی، اور یہ اپنے مسلک پر رکاوٹون اور مخالفتون کے باوجود قائم و دائم رہیگی، اس جماعت کی مخالفت وہ لوگ ضرور کرین گے جو عموماً زبردست ہستیون کی راہ مین روڑا اٹکایا کرتے ہین، ایسے لوگ درحقیقت گنوار اور رذیل سے برتر ہین اور انسانی ترقی و تمدن کے لیے سوہان روح ہین"

نٹشے کو اس جماعت کی آمد آمد کا پورا یقین تھا اور کہتا تھا کہ مین مستقبل قریب مین ایک جدید دور کی علامات کا مشاہدہ کر رہا ہون، یہ دور "ہیروئزم" (شجاعت و دلیری) کو علم و فضل کا جزو لاینفک قرار دیگا، اور لوگ بھی ان علامات کو دیکھتے ہین، مگر یا ان کی عقل نارسا ہے یا وہ کچھ اور معنی پیدا کر لیتے ہین،

جدید اکتشاف | نٹشے کو اپنے اکتشاف پر (سربرآوردہ جماعت کے متعلق) بیحد ناز تھا، اور جس طرح ایک مکتشف فخر و تعلی کے ساتھ کسی جدید دریافت شدہ جزیرہ یا آبادی کا تذکرہ کرتا ہے اسی طرح تدنیات کا علمبردار نٹشے بھی اپنے اکتشاف کا اس بلند آہنگی کے ساتھ ذکر کرتا ہے:-

"بھائیو! تم ہی لوگون کی کوششون پر مستقبل کی بنیاد قائم ہے، تم ہی لوگ "سربرآوردہ جماعت" کے لیے تخم ریزی اور آبیاری کروگے، یہ جماعت ایسی نہ ہوگی جسے تم تاجرون کی طرح زر و مال سے خرید سکو، کیونکہ جس شے کی قیمت ہو سکتی ہے وہ بے قیمت ہے خواہ وہ کتنی ہی قیمتی کیون نہ ہو، تمھین اپنے آغاز پر فخر نہین کرنا چاہئے، اور یہ نہین دیکھنا چاہئے

کہ کہاں سے آئے ہو بلکہ اپنے انجام پر نازکرنا چاہیئے اور یہ غور کرنا چاہیئے کہ کہاں جارہے ہو، بھائیو! یہ جماعت منہ نہ موڑیگی، پیچھے نہ دیکھیگی ہمیشہ آگے کی طرف نظر رکھیگی، اس جماعت کا پورا پورا حال اب تک دور دراز سمندر کے پار والون کو بھی نہین معلوم ہوا، اس لیے مین تم کو دائمی جستجو اور ابدی تلاش کا حکم دیتا ہون"

خاتمہ | نٹشے نے تمدنیاتی مساعی کا جو نصب العین قائم کیا ہے اور پھر اسکی جو توضیح و تشریح کی ہے وہ درحقیقت جدت آرائی اور خیال آفرینی کی آخری حد ہے، طائر خیال اس سے زیادہ پرواز نہین کرسکتا تھا، لیکن افسوس یہ ہے کہ نٹشے نے انسانی جدوجہد اور کدوکاوش کا جو مقصد اعلیٰ قرار دیا ہے وہ ایک دور ازکار اور بعید الفہم خیال سے زیادہ وقیع نہین معلوم ہوتا، یہ ایک خوش آئند اور دلکش خیال ہے جو تصوریون کے تفنن طبع کا ذریعہ ہوسکتا ہے، مگر عملی زندگی کے لیے کسی طرح کارآمد نہین ہوسکتا، تعجب ہے کہ نٹشے نے یہ نصب العین اس وقت قائم کیا جبکہ وہ خود تصور و تخیل کے لق ودق میدان کو چھوڑکر دنیائے عمل مین قدم رکھ چکا تھا،

بہرحال "فوق البشر" کی توضیح و تشریح کے سلسلہ مین نٹشے نے بعض باتین کام کی بھی بتائی ہین، خصوصاً سربرآوردہ اشخاص کے لیے جو اوصاف اس نے ضروری قرار دیئے ہین وہ ایسے ہین جنکی اہمیت اور شان مین کسی ذی عقل کو کلام کرنے کی گنجائش نہین ہوسکتی،

معارف:۔ نٹشے کا نظریۂ فوق البشر درحقیقت مولانا روم کے جسمانی ارتقار کے بعد روحانی ارتقاء کے بلند تخیل سے بہایت فروتر ہے، مولانا رومی نے ٹھیک اسی طرح درجہ بدرجہ جسمانی ارتقار کی انسانیت پر تکمیل کے بعد روحانی ارتقار کی منزلین مقرر کی ہین، نٹشے کا تخیل مادی ہے اسلیے وہ جنت اسی سرزمین پر دیکھنا چاہتا ہے، اور مولانا کا تخیل روحانی ہے، اس لیے انکی یہ جنت آسمان پر ہے، نٹشے اوسکو عقلی کمال کہتا ہے، وہ اوسکو روحانی کمال کہتے ہین

دروزیون کا مذہب،

(از مولوی ابو الجلال صاحب ندوی)

دمشق کے واقعات نے دروزیون کو دنیائے اسلام مین اچھی طرح روشناس کر دیا ہے، معارف کے ایک گذشتہ نمبر مین انکی جغرافی اور تاریخی حالت پر روشنی ڈالی جا چکی ہے آج ہم کچھ ان کے مذہب کے متعلق بھی عرض کرنا چاہتے ہین،

سنہ ۱۹۱۲ء مین المقتبس (دمشق) نے ان کے مذہبی صحائف و تید، تجلِ معلق، البلاغ و النہایت اور المنصیہ کے اقتباسات شائع کئے تھے، اور ان اقتباسات کے ساتھ ساتھ استاذ سلیم آفندی کی غیر مطبوع کتاب (حل الرموز فی عقائد الدروز) کا ملخص بھی شائع ہوا تھا، انھین کی مدد سے ذیل کا مضمون تیار کیا گیا ہے،

دروزی اپنے مذہبی صحیفون کو عیب کی طرح چھپاتے ہین، اسلیے یہ صحیفے غیر دروزیون کے لیے تمامتر نادر ہین،

بانی فرقہ دروزی فرقہ باطنیون کی ایک شاخ ہے، اس فرقہ کا بانی مصر کے فاطمی یا عبیدی خلفار کا چھٹا تاجدار الحاکم بامر اللہ ہے، جسنے فرعون کے اتباع مین اپنے آپ کو حاکم بامرہ کہنا شروع کر دیا تھا، اس کو غیب دانی کا بھی دعویٰ تھا،

اس سے پہلے کہ آپ آگے بڑھین، ان فرقون کے باہمی تعلق کو سمجھ لین، یہ تمام فرقے شیعیت کی متفرق شاخین ہین، اہل تشیع کے نزدیک ایک امام کے بعد دوسرا امام بطور نص و وصیت کے قائم ہوا، چھ امامون تک یہ امامت یکے بعد دیگرے سب مین متفق رہی، چھٹے امام جعفر صادق کی دو اولادین ہوئین، موسیٰ رضا اور اسماعیل، تعداد کثیر نے پہلے امام کو مانا، اور ۱۲ کی تعداد پر جاکر امامت کو ختم کر دیا، یہ اثنا عشریہ کہلاتے ہین،

دوسرا فرقہ جسنے اسماعیل کو امام مانا اسماعیلیہ کہلاتا ہے، اسی فرقہ نے بعد کو باطنیہ اور ملاحدہ کا لقب بھی پایا، عبید اللہ نے جنکو مہدی ہونے کا دعویٰ تھا، مغرب مین کامیابی حاصل کی، اور پھر اس فرقہ نے مصر پر قبضہ کیا، اور فاطمی

سادات ہونے کا دعویٰ کیا، اسلیے اس خاندان کو عبیدیہ اور فاطمیہ بھی کہتے ہین،

سلاطین فاطمیہ نے اپنے مذہب کی اشاعت کے لیے تمام دنیائے اسلام مین داعی مقرر کئے تھے، جو چھپ چھپ کر عجیب عجیب طریقون سے لوگون کو اپنے مذہب مین لاتے تھے، اس خاندان کی چوتھی پشت مین نزار کے بعد اسکی دو اولادون مین سے پہلے بڑا لڑ کا ولیعہد ہوا، پھر دوسرا ہوا، پہلا مر گیا تھا، یا غائب ہو گیا تھا، دوسرا مصر کی فاطمی سلطنت کا فرمانروا ہوا، اور پہلے کی نسبت یہ دعوی ہے کہ حسن بن صباح اس کو اپنے ساتھ جبال مین لے آیا، اور یہان سے حسن بن صباح اور اس کے جانشینون کی زیر نگرانی اسماعیلیہ مذہب، یا باطنیہ مذہب کی دوسری شاخ قائم ہوئی،

مصر مین نزار کے بعد منصور تخت نشین ہوا جسکا شاہی لقب الحاکم بامر اللہ ہے، یہ ہندوستان کے محمد تغلق کی طرح عجیب وغریب شخصیت اور متضاد اخلاق وعادات کا آدمی تھا، اس کے احکام گھڑی مین کچھ اور گھڑی مین کچھ ہوا کرتے تھے، رعایا اس سے عاجز تھی، آخر خود اسی کی بہن ست الملک نے جب وہ تنہا پہاڑ پر مین پھر رہا تھا، چپکے سے اس کو قتل کرادیا،

الحاکم نے جہان اور بدعتین اختراع کی تھین، وہان ایک نئے مذہب کا بھی وہ بانی تھا، اس کا وزیر اس کے اس نئے مذہب کا جبریل بنا اور چند کتابین اس مذہب پر لکھکر ان کو صحف دینی کا درجہ دیا، اس نئی شریعت کے داعیون مین سے محمد بن اسمٰعیل نشتکین ایک درزی (خیاط) تھا جسکی نسبت یہ فرقہ دَرَزی اور جمع کی حالت مین دروز کہلاتا ہے، اور اس جمع سے واحد کبھی دَرزی بناکر بولتے ہین،

۴۰۸ھ مین نشتکین نے حاکم کی الوہیت پر ایک کتاب لکھی جو جامع ازہر مین سنائی گئی، عوام مین سخت ہیجان پیدا ہوا، لوگون نے اس کے گھر کو لوٹ لیا، اسلیے خفیہ طور پر حاکم نے اسے شام مین بھیجا جہان یہ حاکم کی الوہیت کا مسئلہ پھیلانے لگا،

شام مین عراق سے آئے ہوئے تنوخی امرا نے جو باطنی فرقہ کے پیرو تھے اس کی دعوت قبول کرلی،

اور اسی کے انتساب سے یہ دروزی کہے جانے لگے،

سنہ ۱۱ھ میں تاتاریون کے حملہ مین محمد بن اسمٰعیل مارا گیا اس کے بعد حاکم نے اسکی جگہ پر دوسرے داعی حمزہ بن علی کو مقرر کرکے بھیجا اور وہ وہی اعتقاد پھیلانے لگا جو محمد بن اسمٰعیل پھیلاتا تھا، لیکن اس کو محمد بن اسمٰعیل سے عداوت تھی اسلیے اس نے محمد ابن اسمٰعیل کے متعلق ایسے خیالات پیدا کر دیئے کہ دروزی اس سے نفرت کرتے ہین، اسکو گالیان دیتے ہین، اپنے وقت کا شیطان قرار دیتے ہین کیونکہ اوس نے حمزہ وقت کی مخالفت کی، اور اس کے حق کو غصب کرلینا چاہا تھا، حمزہ بن علی کا لقب دروزیون کی اصطلاح (حجۃ القائم) اور ہادی المستجیبین ہے، اور لفظ حمزہ خود ایک ربانی درجہ ان کے ہان قرار پایا،

دروزی اپنے مذہب کو بہت چھپاتے ہین، اپنے فرقہ کے لوگوں کو وہ دو طبقون مین تقسیم کرتے ہین عقال (علماء) اور جہال (عوام) جہال کو صرف اتنا معلوم ہے کہ وہ دروزی ہین، ان کو اپنے مذہب سے واقفیت حاصل کرنیکا حق نہین، بڑی مشکلون سے جہال کو عقال کے طبقہ مین داخل ہونے کی اجازت ملتی ہے،

معاشرت! دروزی عام طور پر رہتے سہتے عام مسلمانون کی طرح مین وہ اپنے عقیدہ کو چونکہ بجز خاص خاص لوگون کے ظاہر کرنا پسند نہین کرتے لہذا بظاہر وہ عام مسلمانون سے بہت کم ممتاز نظر آتے ہین،

فقہی معاملات مین زیادہ تر وہ شریعت اسلامیہ کے پابند ہین، مگر ایک سے زیادہ نکاح کرنا ان کے یہان قطعی حرام ہے، اسی طرح اپنی مطلقہ بی بی سے دوبارہ نکاح کرنا بھی حرام ہے، انکی اس رسم نے انکے پڑوس مین رہنے والے دیگر فرقون پر بھی اپنا کافی اثر ڈالا ہے،

میراث کے قواعد بھی مسلمانون ہی کے سے ہین، البتہ باپ کے گھر سے لڑکی قطعاً محروم ہے، جائداد اگر اپنی کمائی ہوئی ہے تو صاحب جائداد کو حق ہے کہ کل جائداد کو کسی ایک وارث کے حق مین وصیت کرجائے اگر خاندانی جائداد ہے تو اس کو یہ حق حاصل نہین ورثہ مین حسب تخریج جائداد تقسیم ہوگی،

یہی چند باتین ہین جو ان کے طبقہ جہال (عوام) کے لوگون کو دیگر مسلمانون سے ممتاز کرتی ہین ورنہ اپنے عقائد کو وہ اپنے جہال سے بھی اس طرح راز رکھتے ہین جس طرح دیگر فرقون کے لوگون سے مخفی رکھتے ہین

خدا کے متعلق خیال | خدا کے متعلق ان کا خیال ہے کہ وہ واحد ہے، قابل تشبیہ او معطل نہین، اسکی ہویت برابر ایک جسم کے دوسرے جسم مین منتقل ہوتی رہتی ہے، خدا کے ۱۰ مقامات ہین، العلی، الباز، ابوزکریا، اعلی، المعلی، القائم، المنصور، المعز، العزیز، الحاکم، یہ سب ملکر خدائے واحد ہین، خدا کا ظہور، اسم، نطق، نحل ہیاۃ چار مظاہر سے ہوتا ہے یعنی صاحب امر کا نام، اسکی شکل وصورت اس کے فرامین اور اس کے معجزہ کے ذریعہ سے خدا ظاہر ہوتا ہے چنانچہ اس دور علی کے آخری ناطق یعنی حاکم بامراللہ کے نام منصور، اسکی صورت، اسکے "سجلات" و مجالس"، اور اس کے معجزانہ افعال کے ذریعہ خدا کا ظہور ہوا،

انبیا اور دنیا | دروزیون کا عقیدہ ہے کہ دنیا متعدد ادوار سے بنی ہے موجودہ دور کا نام "دور علی" یا "دور حاکم" ہے کیونکہ اس دور کا پہلا وصی "علی" اور آخری مقام ربانی "حاکم" تھا اس قسم کے ۰، دور حاکم سے پہلے تک گذر چکے ہین، ہر دور ۰ہ لاکھ برس کا ہوتا ہے او ہر دور مین، ناطق، ، وصی اور ، امام گذر چکے ہین اس بنا پر حاکم کے وقت تک ۰ ۹ہ ناطق، وصی، اور امام گذر چکے ہین، اس دور کے ناطق سادس محمد بن عبداللہ (صلعم) تھے اور ناطق سابع حاکم بامراللہ،

ہر دور مین ۵ اولوالعزم گذرتے ہین، اس دور کے اولوالعزم یہ ہین،

(۱) مقامات ربانیہ مین حاکم (۲) نطقا مین محمد (۳) اوصیا مین علی

(۴) ائمہ مین محمد بن عبداللہ القداح، (۵) ذومعہ لوگون مین حمزہ بن علی،

قرآن مجید | قرآن مجید کے متعلق ان کا عقیدہ ہے کہ یہ براہ راست حضرت رسول خدا پر نازل نہین ہوا، بلکہ ہر دور کے ناطق کے ساتھ ایک "ذومعہ" ہوتا ہے اور یہی ذومعہ اس عہد کا صاحب الہام ہوتا ہے، اور وہی ناطق کو سکھاتا ہے، حاکم کے وقت کا ذومعہ حمزہ بن علی تھا، اسکی روح مختلف اوقات مین

حکیم غیا غورث حضرت شعیبؑ، حضرت سلیمانؑ اور حضرت سلمان فارسیؓ کے قالب مین رہ چکی ہے، ناطق سادس کے عہد کے ذومعہ یہی سلمان فارسیؓ تھے، سلمان فارسیؓ کو یہ لوگ حمزہ وقت بھی کہتے ہین، قرآن مجید مین جہان نصائح لقمان کا ذکر ہے وہان لقمان سے مراد یہی ذومعہ یعنی سلمان فارسیؓ ہین، اور انھون نے جسکو (یا بنیّ) کہکر مخاطب کیا تھا وہ جناب محمدؐ تھے (صلی اللہ علیہ وسلم) جناب محمد صلعم (ناطق) تھے، مقامات ربانیہ مین سے نہ تھے، صرف رسول تھے، رسول کا درجہ اپنے وقت کے امام اعظم یا ذومعہ سے کم ہوتا ہے، مگر حاکم اپنے عہد کے ذومعہ سے برتر تھا کیونکہ وہ ایک مقام ربانی تھا،

شریعت اسلامیہ | دروزیون کے مقتدائے اعظم یعنی آخری ذومعہ حمزہ نے اپنے رسالہ دید مین لکھا ہے کہ ہر ناطق جب آتا ہے تو ایک جدید شریعت لاتا ہے چنانچہ محمد بن عبداللہ نے (صلی اللہ علیہ وسلم) پرانی شریعتون کو منسوخ کر دیا، اسی طرح "مولانا الحاکم ابار العلام" نے بھی شریعت محمدیہ کو منسوخ کر دیا چنانچہ مستجیبین سے صدقات عشور، اخماس، اور ہر طرح کے صدقات ساقط کر دیئے گئے، مگر باہم ایک دوسرے کی محافظت ساقط نہین کیگئی،

سجل معلق مین ہے کہ آنحضرت صلعم کے وقت سے لیکر تمام خلفا نے برابر یہود و نصاریٰ کو مذہبی آزادی دے رکھی تھی، مگر حاکم بامر اللہ کو ہر طرح کے تشدد کا حق حاصل تھا اسکی وجہ یہ بتائی گئی ہے کہ ایک مرتبہ کچھ یہود اور نصاریٰ حاکم بامر اللہ کے پاس آئے اور عرض کیا کہ آپ کے صاحب شریعت سے آج تک ہم آزاد تھے، اب کیا وجہ ہے کہ ہماری عبادتگاہین مسمار کر دی گئین، ہماری کتابین چاک کر دی گئین اور اب توریت اور انجیل کے اوراق مین صابون بکتا ہے، حاکم نے کہا "کیا تم کو معلوم نہین ایک مرتبہ کچھ یہود اور کچھ نصاریٰ آنحضرتؐ کے پاس اسی غرض سے آئے تھے اور انھون نے بھی آپ سے وہی درخواست کی جو تم نے کی، آنحضرتؐ نے دریافت کیا کہ کیا تم میرا انتظار نہ کرتے تھے، انھون نے کہا جس کا انتظار ہم کرتے تھے وہ آپ نہین کیونکہ (۱) اس کا نام احمد ہے آپ محمد ہین، (۲) اسے

با چار سو برس باقی ہین (۳) اور وہ ہمیرے سے بند صنوں کو دور کریگا، آپ کا نام، مدت اور عمل سب ان
ہ متون کے خلاف ہے، اس پر آنحضرتؐ نے یہود و نصاری سے ۴۰۰ برس تک کیلئے معاہدہ کرلیا
نہ اچھا ۴۰۰ برس تک انتظار کرو، اگر وہ موعود ۴۰۰ برس کے بعد بھی ظاہر نہ ہو تو اس وقت کے
ئم کو حق ہے کہ تمام یہود و نصاری پر جبر کرکے اپنی ملت مین داخل کرے، اسلیے اب یہود و نصاری
کے ساتھ نرمی اور سہولت برتنے کا حکم باقی نہ رہا"

فرشتے اور شیطان | درزیون کے عقائد فرشتون، ابلیسون اور جنات کا وجود تسلیم نہین کرتے، حمزہ بن
ن نے رسالہ ویدمین (ملائکہ مقربین) کو مستجیبین کا نام تبایا ہے، ابلیس کوئی چیز نہین ہے، ہر وہ شخص جو
ولی کا نظیر بننا چاہے ابلیس ہے، چنانچہ حاکم بامر اللہ کا ہر مخالف ابلیس تھا، امام اعظم یا ذو معہ کا مخالف
نظر لیس ہے، عہد حاکم کا عظر لیس محمد بن اسماعیل درزی تھا جسکا لقب نشتکین بھی تھا، (جن) عام
داعیون کا نام ہے، ان سے بڑا درجہ ماذونون کا ہے، جنکو (جن) کہا جاتا ہے (انس) خاصکر مستجیبین کا نام ہے
حمزہ بن علی کا مد مقابل ایک اور شخص تھا جسکا نام برذعی ہے، برذعی اپنے وقت کا فرعون تھا، درزیون
کے نزدیک فرعون کوئی بہت برا آدمی نہین تھا، بلکہ وہ اپنے عہد کا "داعی وقت" تھا جسے قدرت نے
اصلاح کیلئے مبعوث کیا تھا، لیکن بدقسمتی سے ناطق وقت کے آنے مین دیر لگ گئی اور اس نے
غلط فہمی کی بنا پر دعوی کردیا کہ "انا ربکم الاعلیٰ" مین تمھارا بڑا رب ہون "یعنی امام اعظم ہونؑ۔ برذعی کا
دست و بازو کوئی شخص علی بن الجبال تھا، اس کے متعلق درزیون کا عقیدہ ہے کہ وہ اپنے وقت
کا ہامان تھا،

عقاید معاد | جنت و دوزخ کے تصور کے ساتھ ساتھ درزی تناسخ کے قائل ہین، تناسخ کا نام انکی زبان
مین تقمص ہے، ان کا خیال ہے کہ انسان کی روح جب چولا بدلیگی تو انسانی ہی ہوگی کچھ اور نہین ہوسکتی
عقال (طبقہ علما) مین سے جب کوئی مرتا ہے تو ان کا گمان ہے کہ اسکی روح چین مین چلی جاتی ہے

دیوارِ چین کے اُس پار ادیبا کی روحین رہا کرتی ہین

علاماتِ قیامت | حاکم جب قتل کر دیا گیا تو حمزہ بن علی نے ایک رسالہ تصنیف کیا اور اسکو جامع ازہر کے دروازون پر لٹکوا دیا تھا، اس رسالہ مین اسنے بتایا تھا، اور یہی اعتقاد دروزیون کا اب تک ہے کہ

"حاکم مرا نہین، ایک رات بر کۂ زرقا مین گیا اور وہان سے زندہ آسمان پر چڑھ گیا اور اب تک زندہ ہے"

دروزیون کو انتظار ہے کہ عنقریب جب قیامت شروع ہونے والی ہوگی یاجوج و ماجوج جو بہت اچھے، شریف اور نیک لوگ ہین ۵۲ لاکھ کی تعداد مین مکۂ معظمہ مین آئین گے، اور حاکم بامر اللہ رکن یمانی کے پاس ان کے اوپر اپنی تجلی کو ظاہر کرے گا، اور حاکم کے ظہورِ ثانی کے ساتھ ساتھ حمزہ بن علی کا بھی ظہور ہوگا حاکم کی تلوار حمزہ کے ہاتھ مین ہوگی، اور وہ تمام بے دینون کو ہلاک کرکے سب سے جزیہ لے گا یہود و امت محمد سے بھی جزیہ لے گا،

فرائض و واجبات | دروزیون کے مذہبی فرائض ۴۹ ہین ۱۴ فرائض ذات باری کی معرفت سے تعلق رکھتے ہین ۱۰ فرائض توحید ہیں، ۱۰ فرائض دین اور ۲۰ فرائض امام ہین ۴ فرائض دین۔ اعتقاداً، بیاناً، درہماً ظاہر باری کو سمجھنا اور جاننا ہے، فرائض توحید یہ ہین۔ معرفت باری، توحید مولی، معرفت امام، معرفت روحانیین، زبان روکنا، ایک دوسرے کی محافظت کرنا، معدوم کی عبادت نہ کرنا، رضا، تسلیم، شیاطین وقت سے تبرا، فرائض دین ۱۰ ہین جو اہل ملت کے حقوق اور مواجب دینیہ کئے جاتے ہین، مراسم نفاس، مراسم شادی، اور مراسم دفن و کفن مین شرکت، قبول دعوت، عیادت مریض، قبول معذرت، لوگون کی حاجت روائی کمزورون کے ساتھ بھلائی، اہل ملت کی اعانت اور ان کے دشمنون سے عداوت رکھنا،

فرائض امامیہ کی ۴ قسمین ہین (۵) اسامی (۵) طبائع (۵) خصائص (۵) منازل کو جاننا اور سمجھنا

اسامی	علت اول، سابق حقیقی، امر ذو معہ، ارادہ
طبائع	حرارت عقل، قوت نور، سکونِ تواضع، برودت حکم، یبوستہ ہیولی،

منازل جسمانی، جرانی، روحانی، نفسانی نورانی،

خصائص (۱) اعملن ابدعنی من نورہ، (۲) وایدنی بروح قدسہ (۳) وخصنی بعلمہ (۴) وفوض الی امرہ (۵) واطلعنی سرہ،

جو شخص ان تمام اسامی، طبائع، خصائص اور منازل کو سمجھ لے اور ان لے بقیہ ۴۳ فرائض علمی و عملی پر کاربند ہو جائے، وہی اصلی "عاقل" اور "مستجیب" اور "موحد" ہے،

قبول مذہب کا طریقہ — قبول مذہب کا یہ طریقہ ہے جب جہال (عوام) مین سے کوئی موحدین اور مستجیبین کے گروہ مین داخل ہونا چاہتا ہے، تو پہلے ایک مدت تک اسے موحدین کو راضی کرنے کی کوششین کرنی ہوتی ہین، اس مدت کی مقدار ۲ برس سے کم نہین ہو سکتی، یہ مدت پوری کرنے کے بعد اسکو "امام" سے ملایا جاتا ہے اس کے بعد امام اسے رازداری اور کتمان سر کی وصیت کرتا ہے پھر اس سے ایک تحریری معاہدہ لیکر اس کو جماعت مستجیبین مین داخل کر لیا جاتا ہے، اس معاہدہ کا نام میثاق الی الزمان ہی

ترجمہ میثاق

مین نے اپنے مولیٰ حاکم پر بھروسہ کیا جو احد ہے، فرد ہے، صمد ہے، جوڑ اور عدد سے منزہ ہے، فلان ابن فلان نے ایسا اقرار کیا ہے جسے اس نے اپنے اوپر واجب قرار دے لیا ہے اور عقل و بدن کی صحت کے ساتھ، اور اپنی مرضی سے، بغیر کسی جبر و اکراہ کے، اس نے اپنی روح سے اعتراف کر لیا ہے کہ وہ تمام مذاہب، تمام مقولون، تمام ادیان اور تمام اعتقادات سے بیزار ہے، مولانا الحاکم جل ذکرہٗ کی طاعت کے علاوہ وہ کسی بات کا قائل نہین، طاعت ہی کا نام عبادت ہے، وہ اسکی عبادت مین گذشتہ، موجودہ، اور متوقع لوگون مین سے کسی کو شریک نہین کرتا، اس نے اپنی روح اپنا جسم، اپنا مال، اپنی اولاد سکو مولانا الحاکم جل ذکرہٗ کی سپردگی مین دیدیا، اور اس کے تمام احکام سے راضی ہے، خواہ وہ احکام مضر ہون یا مفید کسی قسم کا اعتراض نہین، اسکے افعال برے معلوم

ہون یا بھلے کسی کو ناپسند نہین کرتا، اگر کبھی وہ مولانا الحاکم جل ذکرہٗ کے دین سے منحرف ہو، جسے اس نے اپنے اوپر لازم کر لیا ہے اور اپنی روح سے جسکا اقرار کرا لیا، یا اگر وہ غیرون پر اسکو ظاہر کرے یا اس کے احکام کی مخالفت کرے تو وہ باری معبود، سے بری ہوگا اور تمام حقوق سے محروم اور "البار العلیٰ" کی جانب سے ہر عقوبت کا مستحق ہوگا، اور جسکو اس بات کا اقرار ہے کہ مولانا الحاکم جل ذکرہٗ کے سوا آسمان مین کوئی معبود نہین اور دنیا مین کوئی امام موجود نہین، وہی موحدین فائزین سے ہے، یہ میثاق مولانا الحاکم جل ذکرہٗ اور اس کے بندہ حمزہ بن علی بن احمد ہادی المستجیبین، المنتقم من المشرکین والمرشدین بسیف مولانا جل ذکرہ کے سنین مین سے فلان سنہ کے فلان ماہ کی فلان تاریخ مین لکھا گیا،

گلِ رعنا

از جناب مولانا حکیم سید عبدالحی صاحب مرحوم سابق ناظم ندوۃ العلما لکھنو

جس مین اردو زبان کی ابتدائی تاریخ اور اسکی شاعری کا آغاز اور عہد بعہد کے باکمال اردو شعرا کے صحیح حالات اور ان کے منتخب اشعار اور ان کے ہر قسم کے کلام کے نمونے درج ہین اور اب دارالمصنفین اعظم گڈہ نے شائع کیا ہے، لکھائی چھپائی عمدہ کاغذ اعلیٰ ضخامت ۵۰۰ صفحے قیمت صہ

"منیجر"

مرج البحرین شرح فارسی دیوان حافظ کا پورا تواردِ

از

جناب حافظ احمد علیخان صاحب ناظم کتب خانہ ریاست رامپور

کتابخانہ مین ایک شرح دیوان حافظ کی فارسی زبان مین ہے، تقطیع کتابت ۱/۲ ۸ × ۱/۲ ۴ انچ سطرین ت ۲۶ ہیں، نہایت بدخط اور غلط نسخہ ہے،

آغاز کتاب :-

زبطن نون خرامد خامۂ ما، چو ذو النون سجدہا آورد بر جا

مع التسبیح و التہلیل الله کند بر ساحت کاغذ تماشا

. . . .

پس آنگہ سر دکن بر نفس ختمی ز لطف خویش رغبت ہای دنیا،

حمدے کہ از سر چشمۂ اخلاص خیزد و شکرے کہ ذوی الاختصاص ریزد در حضرت واہب العطایا از زیبد

حمد و نعت کے بعد اپنے پیر شاہ عبد اللہ کی مدح نظم مین لکھی ہے، ان بزرگ کو گجرات کا بتاتا ہے

قطب عالم ز ملک تا ملکوت واقف کار خانۂ جبروت

زین سہ منزل چو کرد پیش خرام مرغ لاہوت را گرفتہ بدام

شاہ عبد اللہ آن ستودہ خصال از مکارم خصال مالا مال

پاک کیشے علی طریق ابیہ بر سر دین و شرع گشتہ وجیہ

خادمان حریم آن درگاہ وحدہٗ لا الٰہ الا اللہ

ہر ہمہ چون ستارۂ فلک اند بلکہ در بندگی ہمہ ملک اند

ملک گجرات زان نکو کیشان | سید خلق راز کمہ نشان
ختمی از کمترین ایشان است | خاک اقدام پاک کیشان است

پھر حضرت شیخ محمد غوث گوالیاری اور حضرت سید عبد القادر جیلانی کی منظوم مدح علیحدہ علیحدہ لکھی ہے،

دیباچہ میں کہتا ہے :-

برنقادان سیر فصاحت وجوہریان بازار فضل و براعت پوشیدہ نیست کہ گوہر سخن فی حد ذاتہ گران بہا است، وکلام منظوم فی نفس الامر گوہر با صفا است، در دکان سلاطین از و بلند پایہ تر نتوان خرید، وبضاعتے از و گران مایہ تر نتوان دید، صرافت خرد در انقدے از و عزیز تر بدست نیاید، و نقاش فطرت راصورتے از و زیبا تر در پردۂ خیال روئے نہ نماید، قدر این درشاہوار نداند الاجوہری کامل، و در تبر این نقد تمام نشناسد الاصیرفی عامل،

گر بدے گوہرے ورائے سخن | او فرود آمدے بجائے سخن

اما تفاوت اسالیب وتباین تراکیب بحسب رعایت محسنات است از فصل و وصل تعریف و تنکیر، و تقدیم و تاخیر، وابہام و توضیح و کنایت و تصریح، و ایجاز و اطناب و سائر وجوہ بلاغت و اسباب، واز شعرائے عجم آنکہ سمند خوش خرام فکرت درمیدان فصاحت دوانیدہ وگوئے سخنوری بچوگان بلاغت بجایگاہ مقصود رسانیدہ ذات ملکی صفات ..... حافظ شیرازی بودہ،

شعر حافظ از ہمہ اشعار بر من مشکل است | ہمچو حافظ دیگرے رانام بردن مشکل است
آصفی ہر چند مضمونہائے وارد چیدۂ | لیک چون اشعار حافظ شعر گفتن مشکل است
محتشم کاشی وسقا خود چہ گویم پیش او | کردن از خار مغیلان کار سوزن مشکل است
ہاتفی شاہی چہ باشد پیش، آن سلطان قوم | در دصحرا را نہادن نام سوسن مشکل است
گرچہ حلوائی بناش می پزد حلوائے خویش | حنظلے را لذت خربوزہ دادن مشکل است

شاعران را پیش آن سیف خدا ختمی مقام | زانکه کار جید فولاد زاہن مشکل است

اس کے بعد لکھتا ہے کہ پیر کی خدمت میں میں کسطرح پہنچا، دو بار خواب دیکھا ان تمام واقعات
مثنوی میں منظوم کیا ہے، کہتا ہے:-

چو این احقر اصناف انسان و تراب اقدام دوستان سیف الدین ابو الحسن عبد الرحمن بن سلیمان

از عنایت ازلی و ہدایت لم یزلی بصحبت پیرے روشن ضمیرے کہ مرشد غیبی و ہادی لاریبی باشد رسید،

اس کے بعد منظوم مثنوی نصیحت اور مناجات میں ہے، پھر کہتا ہے کہ اس سانحہ (خواب) کے بعد میرے
پیر کو ضیا حاصل ہوئی تو خدمت مخدومی و جدی استاد اعلام العلوم و مرشد طریق المعلوم سیاح البحور میاں سعد اللہ
مشہور بفضائل کسبی و اداب حسبی بہرہ در ہوا،

آگے بیان کرتا ہے کہ ۹۹۵ھ میں میاں سعد اللہ کا انتقال ہوگیا تو مخدومی و مولائی بحر المحقق و حبر المدقق
ان کے چچا زاد بھائی شیخ منور سے تحصیل علم کی، شیخ منور گوالیار میں قید تھے اور میں نے وہاں ان کے پاس رہکر
علم حاصل کیا، ان شیخ منور کی تصنیف سے تنظیم الدرر نامی تفسیر بھی بتاتا ہے، اور اس واقعہ کو بھی منظوم کیا ہے

حبذا اے دل کہ اینک عید رمضان آمدہ	بندیان را گاہ آزادی ز زندان آمدہ
از پئے تکمیل نعمت حبس مخدوم الانام	گوئیا از حکم شاہنشاہ دوران آمدہ
حضرت شیخ المشائخ آنکہ او چون نام خویش	شد منور در جہان چو مہر تابان آمدہ
مرکز علم اصول و مرجع علم فروع	فی علوم کلہا چون بحر عمان آمدہ
صاحب تفسیر تنظیم الدرر در قید و حبس	بے مواد ش این چنین تفسیر قرآن آمدہ
ہر کہ روزے چند در درسش پئے تعلیم شد	دنگہ او قبلہ گاہ خان و سلطان آمدہ
من کہ سالے چند در حبسش بخدمت بودہ ام	عالم شد رتبہ کان فخر سلیمان آمدہ
الوداع اے شہر گوالیار و کہ از قول رسول	خواہش خاک نہاد م ز ایمان آمدہ

الوداع اے روضۂ غوث الانامی الوداع　　　نخل پاکت در تنم نقش دل و جان آمدہ

وصف آنانیکہ گرد گوشہاش آسودہ اند　　　برتراز تحسین ومداح شعرگویان آمدہ

بندگی میان مبارک آنکہ در ہردو فریق　　　وارث پیغمبران و خاص ایشان آمدہ

کمترین خفتگان باشد چو میان تان سین　　　کز بزرگی خویش در وصف بزرگان آمدہ

پھر کہتا ہے کہ میرے والد محمد سلیمان کو باوجود فضائل معقول و منقول فن شعر مین بھی دستگاہ تھی، مگر بوجہ کسر نفس شعرا کے زمرہ مین داخل ہونا پسند نہ تھا، باغ و صحرا مین جاتے تھے اگر کوئی شعر موزون کیا تو پتون پر درخت کے لکھ لیا، ان پتون کو جمع کر کے مین نے دیوان مرتب کیا، تخلص بھی ان کا سلیمان تھا، ایک ان کی غزل بھی لکھی ہے جسکا مطلع ہے،

دو رخسارت ازان لالہ اند چو لعل بدخشانی　　　کہ خون عاشقان بس ریختی اے دلبر جانی

محمد سلیمان کی وفات سنہ ۱۰۲۱ھ مین ہوئی ہے تاریخ وفات منظوم لکھی ہے، لاہور اپنے وطن کی تعریف مین بھی ایک قطعہ لکھا ہے،

پھر کہتا ہے کہ یہ شرح دیوان حافظ بطور مسودہ کے ایک مدت سے پڑی تھی، عہد جہانگیر مین اسکو لکھا تھا، جہانگیر کی تعریف مین ایک قطعہ بھی ہے، سنہ ۱۰۳۷ھ مین شاہجہان تخت نشین ہوا تو اس شرح کو صاف کر کے کتاب کی صورت مین مرتب کیا، شاہجہان کی مدح مین ایک طویل قصیدہ ہے، اور اس کے بعد شرح دیوان حافظ شروع کی ہے، شرح کو اس طرح شروع کیا ہے،

"آغاز کتاب بنام رب الارباب - ابتدا میکنم سلوک عرفان" و گفتگوئے عارفان را باسم خدائے باسمی

تا تحلیل یا بدازین معما، کہ ظرفا گفتہ اند و لالی آبدار بالماس نطق بر نحو چہ سفتہ اند،

اللہ اکبر چہ معما است این　　　اسم مگو عین مسمی است این،

چنین خدائے کہ روزی دہندہ مومنان راست و کافران را ہر دو دنیا، یعنی باطنیان را و ظاہریان

را روزی میسر سازد بہ چون و چرا، روزی باطنیان معارف حقائق وشہود تجلیات است و روزی

ظاہریان بہ نان و آب و سائر نباتات است، و بخشندہ مومنان است نہ کافران در وار عقبیٰ کہ دار یست

برائے ظہور جزا و سزا یعنی اہل عرفان را در آن جہان بلقائے ذات معبود و ستر وجود مشرف گردانند

و اہل ظاہر را بہ گرد آن نگردانند کہ لقائے ذاتی خاصہ اہل عرفان است، و من کان فی ھذہٖ اعمیٰ

فھو فی الاٰخرۃ اعمیٰ و اضل سبیلا در بیان شان است،

الا یا ایُّھا الساقی ادر کاسا و ناولھا — کہ عشق آسان نمود اول ولے افتاد مشکلھا

و انا و آگاہ باش اے رعنا کہ الا حرف تنبیہ است و یا حرف ندا ایہا کلمہ ایست کہ معرف بہ لام

را بوساطت آن کلمہ ندا کنند و اقبالش بسوئے خود طلبند (الیٰ آخرہ)

ورق ۵۹، دو چشم من ہمہ شب جوئے بار باغ بہشت — خیال نرگس چشم تو بیند اندر خواب

آنچہ قلیل البضاعت از مخدومی و والدی شنیدہ و آنچہ از اساتذہ کبار بسمعش رسیدہ آن است

کہ دو چشم مبتدا موصوف است و جوئے بار باغ بہشت صفت او بہ تقدیر حرف رابط و مصراع ثانی خبرش الخ

ورق ۶۰ اگرچہ بادہ فرح بخش و باد گل بیز است — بہ بانگ چنگ مخور مے کہ محتسب تیز است

شراب اینجا کنایت از عشق و محبت است کہ مال اہل مودت است باد معروف در اینجا کنایہ از

سالک است، الخ

دوش دیدم کہ ملائک در میخانہ زدند — گل آدم بسرشتند و بہ پیمانہ زدند

دوش شب گذشتہ و اینجا کنایت از عالم غیب است کہ مقام شاہد لاریب است و سالک از

آنجا بدین نشاء کہ عالم شہادت است نزول کردہ۔ الخ

اگر شراب خوری جرعہ فشان بر خاک — ازان گناہ کہ نفعے رسد بغیر چہ باک

جرعہ آن قدر آبے کہ فرو بردہ شود، خاک زمین نجوش ہوش نیوش اے صاحب تمکین کرم

از خاک درین مقام ابنائے آدم الخ،

بردار دل از مادر و ہمراے فرزند	بالصفت اخیر شوہرش در پیوند،
بے قلب ندانی کہ چنین نقادی	چون جادہ اگر شوی ز روشن خرسند

مادر و ہمر درمعنی بیتے عبارت است از دنیا در معنی معاسے عبارت است از نفس آن کلمہ لے برنا، الخ

اسی قطعہ پر شرح ختم ہے، خاتمہ مین مصنف قلم کی تعریف منظوم لکھکر کہتا ہے،

وچون درسال بست و ششم از الف ثانی تسوید این کارگاہ مانی بہ پایان رسید سروش غیبی دلم

لاریبی درسال تاریخش این قطعہ بگوش ہوشم فرو خواند وچون نقش نگین ماند،

سود ت بلطف چو مرج البحرین	گفتا قلمم بدین لطف کس نیست!
تاریخ سواد او چہ پری از دل	تکرار کنی چو نام او در ابس نیست
تاریخ سواد او بوجہ دیگر	بنگر کہ بود ز نقش مانی خوشتر
چون از سواد نوک قلم گشت سخت ست	تاریخ آن سواد دل از خاطرم بجست
۔۔۔۔ بگوش من آمد ندا ز غیب	چون در جمل حساب نمودم شد آن درست
یعنی طلب نماز عزیزان روزگار	تحسین آن سواد کہ از خاطرت برست
گر دانکہ غلط بنمایند ز ان میان	صابون اجتہاد زدہ بایدت شست
شکر خدا کہ از مدد بخت کارساز	این نامہ بقامت من بچو جامہ ست
ہر شو بر تنت شود از صد زبان شق	نامی برون ز منت یک شو کان تست
ختمی بیا و بگذر از ین ماجرائے ذوق	تم الکلام شد قلم رفتہ رفتہ ست

گو کاتب نے مرج البحرین لکھا ہے، مگر مرج بحرین کے عدد ۱۰۳۰ ہین ان کو دوبار کہا تو ۱۰۲۶ سنہ تکمیل آئی

خلاصہ یہ ہے کہ مرج البحرین شرح دیوان حافظ کے مصنف کا نام سیف الدین ابوالحسن عبدالرحمن

بن سلیمان بن سعداللہ ہے تخلص ختمی ہے، جہانگیر کے عہد مین شرح لکھی اور شاہجہان کے عہد مین سنہ ۱۰۲۶ھ مین اوسکو صاف کیا،

اب شرح دیوان حافظ مصنفہ مولانا سید محمد صادق علی صاحب رضوی لکھنوی مطبوعہ نولکشور پریس لکھنؤ دسمبر ۱۸۷۶ء ملاحظہ ہو، شرح کے صفحات ۸۴۲ ہین، آغاز کتاب یون ہے:-

اے بنام تو ابتدائے سخن، اولین وصف انتہائے سخن،

امابعد میگوید سید محمد صادق علی رضوی نسب حنفی مذہب کہ حضرت خواجہ حافظ شیراز در غزل گوئی سبقت از اقران و امثال ربودہ ۔ ۔ ۔ حسب الحکم منشی نولکشور ۔ ۔ ۔ بشرح این نسخۂ فاخرہ پرداختم و باعانۂ ایزد درعرصہ چند ماہ بطرز معہود در حیز تحریر آوردم امید از ناظرین بالانصاف چنان است کہ اگر بجائے خطائے یابند۔ الخ

اس کے بعد شرح شروع کی ہے،

پہلا شعر مطبوعہ شرح مین صفحہ ۴ پر ہے، اسکی شرح کا مقابلہ مرج البحرین کے اول شعر سے کیجئے، مین نے جسقدر شعر مرج البحرین سے بطور نمونہ لکھے ہین اور انکی شرح کے چند الفاظ بھی لکھدیئے ہین انسے مقابلہ کرنا چاہیئے،

دوسرا شعر مرج البحرین کا شرح صادق علی مین صفحہ ۵ پر ہے، والدی کی جگہ از معظمی واستادی لکھا ہے،

تیسرا شعر " " " صفحہ ۰ پر ہے، چوتھا شعر شرح صادق علی مین ۱۸۹ پر ہے،

پانچوان شعر " " صفحہ ۱۷۲ پر ہے،

چھٹا شعر " " " صفحہ ۲۴۳ پر ہے،

اب شرح کے الفاظ کا مقابلہ کریجئے، ایک حرف کا فرق نظر نہین آئے گا، مرج البحرین مین مصنف نے جابجا اپنا کلام منظوم لکھا ہے، شرح صادق علی مین بجائے ختمی تخلص کے ہر جگہ غائب

تخلص ہے، اول سے آخر تک مرج البحرین اور شرح سید صادق علیصاحب مین ایک نقطہ کا فرق نظر نہین آتا، صرف مرج البحرین کا دیباچہ اورخاتمہ نہین ہے، جابجا مرج البحرین کے مصنف نے اپنا نام لکھا ہے، مگر اسکی جگہ شرح صادق علی مین صادق علی صاحب کا نام موجود ہے۔

شعرائے کلام مین مصرعون کا اکثر اور شعرون کا کمتر توارد ہوتا ہے، مگر یہ نثر و نظم دونونکا توارد عجیب وغریب ہے، فاعتبروا یا اولی الابصار،

سیر الصحابیات

از

مولوی سعید صاحب انصاری،

جس مین نہایت مستند حوالون سے ازواج مطہراتؓ بنات طاہراتؓ اور عام صحابیات کے سوانح اور ان کے اخلاقی و مذہبی اور علمی کارنامے درج ہین، لکھائی چھپائی کاغذ اعلی ضخامت ۲۲۵ صفحے، قیمت عہ

اسوۂ صحابہ

از مولانا عبدالسلام صاحب ندوی

جس مین صحابہ کے سیاسی انتظامی، اور علمی کارنامون کی تفصیل ہے، اس کا مطالعہ ہر مسلمان کا فرض ہے قیمت جلد اول سے، ضخامت ۲۰۰، قیمت جلد دوم للعہ ضخامت ۲۵۰، "منیجر"

تلخیص و تبصرہ

چین کی موجودہ بیداری
اور
اسکے اسباب،

ہمارے پاس چین کی مصدقہ خبرین حاصل کرنے کے ذرائع موجود نہین، اور وہان کے جو کچھ حالات یورپ کے ذرائع سے معلوم ہوتے ہین، وہ اسلیے قابل اطمینان نہین کہ وہ خبرین اپنے خاص مصالح پیش نظر رکھکر پہنچائی جاتی ہین، لیکن اگر کبھی اتفاقاً کوئی چینی اپنے ملک کی داستان خود سنائے تو وہ یقیناً لائق التفات ہے، چنانچہ ابھی حال مین انقلاب چین پر ایک چینی اہل قلم پروفیسر کاؤ ہ کا ایک مختصر مقالہ شائع ہوا ہے، پروفیسر کاؤہ اس وقت نانکنگ یونیورسٹی کے ناظم اعلیٰ یعنی چانسلر ہین، ان کا یہ مقالہ غالباً یورپ کے کسی رسالہ مین شائع ہوا تھا، "الہلال" مصر نے اپنے مارچ کے نمبر مین اس کا خلاصہ درج کیا ہے، ہم اسی خلاصہ کی تلخیص ذیل مین پیش کرتے ہین:-

چین مین غیر ملکیون کے قدم جانے پر کے واقعات کی وضاحت کرتے ہوئے مضمون نگار لکھتا ہے:

"چینیون کی ہلاکت کا باعث ۱۸۴۲ء کا وہ معاہدہ ہے، جسکے روسے غیر ملکیون کو چین مین مخصوص امتیازات حاصل ہوئے اور ان امتیازات کی بنا پر چین مین غیر ملکیون نے وہان کے باشندون پر نمایان تفوق حاصل کر لیا، اس معاہدہ کی ایک اہم دفعہ یہ تھی کہ غیر ملکیون کو حق حاصل ہے، کہ وہ چین کے حدود مملکت مین سواحل سمندر پر آباد ہون اور اس مقبوضہ رقبہ پر چینیون کی حکومت کا کوئی

اثر تسلیم نہ کیا جائے گا، بلکہ اس رقبہ مین غیر ملکیون کی اپنی حکومت قائم ہوگی جسین حکومت کے تمام شعبے مثلاً پولیس، عدالت وغیرہ موجود ہونگے، چنانچہ اسی معاہدہ کے مطابق ساحل پر غیر ملکیون کی حکومت قائم ہوئی جس مین چین کی مرکزی حکومت پیکن کو اس حکومت کے کسی معاملہ مین مداخلت کرنیکا کوئی حق حاصل نہین

علاوہ ازین غیر ملکیون سے اور دوسرے معاہدے بھی ہوئے ہین مثلاً ایک معاہدہ یہ ہے کہ مقبوضات برطانیہ سے جو چائے مملکت چین مین آئیگی، اس پر چائے کی قیمت کے تناسب سے ۵ فیصدی سے زیادہ ٹیکس نہین لگایا جاسکتا، اور دوسری طرف انگریزون کو یہ حق حاصل ہے کہ چین سے جو چائے انگریزی حدود مین بھیجی جائے اس پر جو ٹیکس لگایا جائے وہ چائے کی اصل قیمت سے ۳۰ گنا زیادہ ہوسکتا،"

ایک دوسری جگہ مقالہ نگار نے چین کی بیداری کے اسباب بیان کئے ہین جسکا حاصل یہ ہے کہ چینی طلبہ بہ تعداد کثیر یورپ اور امریکہ کی مختلف یونیورسٹیون مین تحصیل علم کے لیے گئے، انھون نے ملک سے باہر قدم نکال کر ایک نیا عالم دیکھا، اور جدید تہذیب و تمدن اور زمانہ کی موجودہ رفتار دیکھکر ان کے دلون مین اپنے ملک کو ترقی دینے کا ولولہ پیدا ہوا، اور اس طرح غریب الوطنی سے حب الوطنی کے مقدس جذبات لیکر اپنے ملک مین واپس آئے اور پھر اسے ترقی کے اعلیٰ مدارج پر پہنچانے کے ذرائع پر غور کرنے لگے، جب انھون نے ملک پر گہری نظر ڈالی تو انھین اس کے تنزل کے دو اسباب نظر آئے، ایک ملک مین نظام شاہی کا وجود، دوسرے ملکی زبان کی کم بضاعتی، چنانچہ انھین سب سے پہلے اپنی سرگرم کوششون کے بعد ۱۹۱۲ء مین ملک مین نظام جمہوریت قائم کرنے مین کامیابی ہوئی، اس کے بعد زبان کے مسئلہ پر توجہ کی، قدیم چینی زبان کی کم بضاعتی یہ تھی کہ جو زبان ملک مین رائج تھی اس مین یہ صلاحیت موجود نہ تھی کہ تحریری پیراہن سے آراستہ کیا جاسکے کہ اس زبان کے لیے کوئی طریقۂ کتابت کبھی معرض وجود مین آیا ہی نہین تھا، اور دوسری طرف وہان جو زبان لکھی جاتی تھی جس مین وہان کتابین اور اخبار و رسائل شائع ہوتے تھے وہ عامۃ الناس کی زبان سے بالکل مختلف تھی، دونون زبانون کے تفاوت کو ظاہر کرنے کے لیے

کہا جا سکتا ہے کہ مثلاً آج یورپ کی موجودہ زبانوں اور لاطینی مین جو تفاوت ہے وہی تفاوت چین کی ان دونون زبانون مین تھا، اسلیے گویا وہان گفتگو و تکلم کے لیے دوسری زبان تھی اور کتابت کے لیے دوسری،، اسلیے جب تک کوئی شخص دونون زبانون سے واقف نہ ہوتا، وہ صرف ایک زبان حاصل کرکے دوسری زبان سے فائدہ نہین اٹھا سکتا تھا، اور علاوہ ازین اس تحریری زبان کی تحصیل اس قدر دشوار تھی کہ کہا جاتا ہے اگر اسکی تحصیل کیجاتی تو کم ازکم پندرہ برس مین انسان پوری طرح سے ماہر ہو سکتا تھا، اسلئے نوجوان چینی اس دشواری کے حل کرنے مین مصروف ہوئے، اور بہت جلد اس مین بھی کامیاب ہوگئے، اس دشوار گذار مرحلہ کو یون طے کیا گیا کہ پکنگ کالج کے پروفیسر ڈاکٹر سوہوہ نے وہان کی عام فہم زبان کو جسمین ملک کے عام باشندے گفتگو کرتے ہین، ضبط تحریر مین لانے کے لیے جدید طریقے وضع کیے اور اس طرح وہ زبان، تحریری زبان بنگئی،

جب زبان کا مسئلہ یون حل ہوا تو پھر نوجوانانِ چین نے ملک کو شاہراہ ترقی پر لانے کی کوشش شروع کی، پہلے انھون نے نشر تعلیم کے لیے متعدد انجمنین قائم کین جنکے زیر اہتمام مزدورون اور عام باشندون کو شب کے وقت تعلیم دیجاتی، اس طرح رفتہ رفتہ مزدورون کی بڑی تعداد تعلیم یافتہ ہوگئی، جب ملک مین تعلیم کی عام اشاعت ہوگئی تو نوجوانون نے ملک کو بیدار کرنے کے لیے اخبارات جاری کئے، چنانچہ اسی جدید تحریر مین بیک وقت . . ہم اخبارات جاری ہوگئے، اور یہ تعداد ان اخبارات کے علاوہ ہے جو بیشتر قدیم زبان مین نکلتے تھے پھر ان اخبارات نے بھی زبان کی جدید اصلاح قبول کرلی، اور وہ سب بھی اسی زبان مین نکلنے لگے، اور اس تغیر سے انکی اشاعت مین بھی کافی اضافہ ہوگیا، چونکہ ملک مین تعلیم کی عام نشر و اشاعت ہو چکی تھی اسلئے وہان کے مزدور، کاشتکار اور عام باشندون کو اخبارات سے گہری دلچسپی پیدا ہوگئی، بلکہ وہان کے عام طبقہ مین یہ خیال پیدا ہوگیا کہ ملک مین اخبارات کے پڑھنے والون کی تعداد زیادہ سے زیادہ ہونی چاہیئے، اور اس مقصد کے حصول کے لیے سڑکون

پر صندوق لٹکائے گئے جنمین اخبارات پڑھنے کے بعد ڈالدیئے جاتے ہین، تاکہ غریب اور نادار جنہین اخبارات خریدنے کی استطاعت نہین، ان سے مستفید ہو سکین،

ملک مین اخبارات سے اس گہری دلچسپی سے ارباب حکومت بھی متاثر ہوے، اور ارباب سیاست کی نظرون مین ملک کی رائے عامہ کی وقعت پیدا ہوگئی، اور وہان کی داخلی سیاسیات مین ان اخبارات کی آواز پر توجہ ہونے لگی، اور رائے عامہ اس قدر باوقعت ہوگئی کہ جب فرسائی کانفرنس مین چین کے نمایندے شریک ہوئے تو بعض مسائل کے متعلق وہان کی مختلف انجمنون نے ان نمایندون کو تقریبا سو تار روانہ کئے جس سے متاثر ہو کر وہ نمایندے حکومت پیکن کی ہدایات کے بجائے جمہور کی آواز پر عمل کرنے پر مجبور ہوئے، اسی طرح متعدد مقامات پر فاضل مضمون نگار نے چین کے موجودہ انقلاب کے حالات، طلبہ کی جانفروشی، غیر ملکیون کے مظالم واستبداد اور ان کے موجودہ رویہ کا سبب چین کے بعض مقتدر حزبون کی آپس کی نااتفاقی وغیرہ بیان کرکے نوجوانان چین کی ان مساعی کا تذکرہ کیا ہے، جو غیر ملکیون کے امتیازات مٹانے کے سلسلہ مین کر رہے ہین، چنانچہ ایک جگہ فاضل مضمون نگار لکھتا ہے:- "اور جب غیر ملکیون سے انسانیت کے نام پر ان امتیازات سے جو انھین حاصل نہین دستبردار ہوجانے کی استدعا کیجاتی ہے تو وہ کہتے ہین چینیون مین قوت فیصلہ کا جوہر موجود نہین، اسلیے جب ان امتیازات سے دست بردار ہونے کے بعد ہمارے مقدمات چین کی عدالتون مین جائین گے تو عدالتون مین قوت فیصلہ کے فقدان سے ہمین نقصانات برداشت کرنا پڑین گے، اسلیے ان امتیازات سے دستکش ہونا کسی طرح ممکن نہین" نوجوانان چین نے اس انوکھے استدلال کے جواب مین ابتدا، سے ۱۹۲۳ء تک کے اس قسم کے مقدمات کے اعداد و شمار جمع کئے جن مین متخاصمین چینی اور غیر ملکی تھے، اور جو چین کی عدالت مین پیش ہوئے، اور ان کے فیصلون پر غیر ملکی حکومتون نے بھی اپنی پسندیدگی کا اظہار کیا، چنانچہ ایسے مقدمات کی تعداد ۸۰۵ نکلی،

جن کو غیر ملکیون کے استدلال کے جواب مین پیش کیا گیا"

سب سے آخر مین چین کے موجودہ دور ترقی کو دکھاتے ہوئے لکھتا ہے "اب چین یورپ کے نقش قدم پر چلکر بسرعت ترقی کرنا چاہتا ہے، پہلے لوگ یورپین تہذیب و معاشرت کو قبول کر رہے ہین، اور نیز اپنی تمام صنعت و حرفت، تجارت اور تعلیم کو یورپ کے نمونہ پر چلانا چاہتے ہین، چنانچہ اس وقت وہان روئی کے ۲۳ کارخانے خاص چینیون کے ہین، ۱۴ جاپانیون کے، اور ۵ انگریزون کے ہین؛ اسی طرح وہان کے تقریباً سو سے زیادہ شہرون مین بجلی کی روشنی ہوتی ہے، اور ایسی بارہ کمپنیاں قائم ہین، جو ۷۰ فیصدی کے تناسب سے چین کے کانون سے کوئلہ نکالتی ہین" " ر"

طرابلس الشام کے کتبخانہ کی بربادی

اور

عیسائیون کی مذہبی رواداری کا ایک مزید ثبوت

کتبخانۂ اسکندریہ کی نظیر!

آٹھوین صدی مین مصر مین ایک مورخ ابن الفرات گذرا ہے؛ اسکی ایک کتاب نو ضخیم جلدون مین "تاریخ الدول والملوک" ہے، اس وقت اس تاریخ کا ایک مکمل نسخہ وائنا کے کتبخانہ مین موجود ہے، وہان سے ابھی حال مین اسکی ایک نقل فوٹو کے ذریعہ مصر مین کتبخانہ تیموریہ قاہرہ کے لیے آئی ہے، تاریخ کی عام متداول کتابون مین مذکور ہے کہ ۵۰۳ھ مین جب افریقیہ مین بنو اغار حکمران تھے، طرابلس پر عیسائیون نے حملہ کر قبضہ کر لیا، اور وہان کے مسلمانون پر ناقابل بیان مظالم ڈھائے، طرابلس الشام مین بنو اغار کے علم دوست حکمرانون کے زیر نگرانی ایک عظیم الشان کتبخانہ قائم تھا، جسکا تذکرہ ۵۰۳ھ سے پیشتر تک کے زمانہ کے حوادث و واقعات تاریخ کی عام کتابون مین موجود ہین، ابن الفرات (۷۳۵ھ، ۸۰۷ھ) نے طرابلس الشام پر عیسائیون کے اسی حملہ کے ذیل مین اس کتب خانہ کا تذکرہ کیا ہے کیونکہ تاریخ کی متعدد معتبر کتابون

کے حوالہ سے ثابت ہوتا ہے کہ اسی حملہ مین مہذب عیسائیون کے "مقدس" راہبون کے ہاتھون "وحشی مسلمانون" کا یہ نایاب کتبخانہ جلکر صفحۂ ہستی سے نیست و نابود ہوگیا، مصر کے مجلۂ "الزہراء" نے اپنے صفر کے پرچہ مین تاریخ ابن فرات سے اس ٹکڑے کو نقل کیا ہے، جسکا خلاصہ ذیل مین پیش کیا جاتا ہے،

ابن الفرات یحیی بن ابی طی الغسانی الحلبی کی تاریخ "معادن الذہب فی تاریخ الملوک والخلفاء و ذوی الرتب" کے حوالہ سے نقل کرتا ہے، کہ یحیی غسانی لکھتا ہے کہ طرابلس کے عظیم الشان کتبخانہ کے متعلق مجھ سے میرے والد فرماتے تھے کہ مجھ سے طرابلس کے ایک بزرگ نے بیان کیا کہ مین فخر الملک ابن عمار والی طرابلس کے ساتھ شیزر مین مقیم تھا کہ وہان عیسائیون کے ہاتھ مین طرابلس کے چلے جانیکی اطلاع ملی اس واقعہ نے والی طرابلس کے ہوش وحواس کھو دیئے جب وہ ہوش مین آیا تو وہ رو رو کر مجھ سے کہنے لگا "واللہ! اس سانحہ سے جس قدر کتبخانہ کی بربادی کا افسوس ہے، اس سے زیادہ کسی اور چیز کا نہین اس کتبخانہ مین ایک لاکھ تین ہزار کتابین تھین، یہ تمام ذخیرہ کتب علم دین، قرآن وحدیث اور ادب پر مشتمل تھا جس مین سے پچاس ہزار قرآن کے نسخے اور بیس ہزار تفسیرین تھین، اس کے بعد والد فرماتے ہین یہ کتب خانہ عجائب عالم مین تھا، بنی عمار اس سے خاص دلچسپی رکھتے تھے، اس مین ایک سو اسی ۱۸۰ ملازمین صرف کتابت کے لیے مقرر تھے، جنمین سے تیس ملازمین شب وروز کے کسی حصہ مین بھی کتبخانہ سے علیحدہ نہین ہوتے تھے، مختلف اطراف ملک مین اس کتب خانہ کی طرف سے ایسے اشخاص متعین تھے جو نایاب کتابین خرید کر بھیجتے رہتے تھے، اسلیے بنی عمار کے زمانہ مین طرابلس دار العلم کی حیثیت رکھتا تھا، جہان اطراف عالم سے علم دوست اصحاب آتے رہتے تھے، جب طرابلس پر فرنگیون کا قبضہ ہوا تو انھون نے اس نایاب کتبخانہ کو جلا کر خاکستر کر دیا، جلانے کا یہ واقعہ یون پیش آیا کہ چند راہب کتبخانہ مین داخل ہوئے یہ عجیب اتفاق کہ وہ اسی کمرے مین پہلے گئے، جنمین صرف قرآن پاک کے نسخے تھے، انھون نے ہاتھ بڑھا کر ایک جلد اٹھائی، وہ قرآن پاک تھا، دوسری اٹھائی، وہ بھی اسی طرح، پھر تیسرا نسخہ اٹھایا یہانتک کہ اسی طرح

بیس جلدین یکے بعد دیگرے دیکھی گئین اور انھین قرآن پاک ملتا گیا، اس پر وہ بول اٹھے مداس گھر مین مسلمانون کا صرف قرآن ہی قرآن ہے، سب کو جلا ڈالو" (تاریخ ابن الفرات ج ۱ ص ۳۸، ۳۹ فی حوادث ۶۰۶ھ)

یہ ہے مسلمانون کے اس عظیم الشان نایاب کتب خانہ کی بربادی کی داستان؛ کیا یورپ کے انصاف پسند اہل قلم اسکندریہ کے کتب خانہ کے نام نہاد واقعہ کو اب بھی فراموش نہ کرینگے؟

"م"

جہاد شام کا قائد اعظم،

فواد بک سلیم،

گذشتہ مہینہ مین جہاد شام کے سپہ سالار فواد بک سلیم کی شہادت کی اطلاع آچکی ہے، پھر شہادت کے تفصیلات بھی اخبارات مین آئے لیکن ہندوستان مین ابتک اسکے سوانح حیات پر پردہ پڑا ہوا ہے، اسلیے الزہرا اور المنار مصر سے اخذ کرکے اسکی زندگی کا خلاصہ پیش کیا جاتا ہے:-

فواد ۱۳۱۱ھ (۱۸۹۳ء) مین لبنان کے ایک گاؤن جباع مین پیدا ہوئے، نشو ونما دروزیون مین ہوئی تعلیم کالج بیروت مین پائی، اور امتحان مین شاندار کامیابی حاصل کی عربی، انگریزی اور ریاضیات مین خاص مہارت پیدا کی، فراغت کے بعد عباسیہ کالج مین علوم ریاضیہ کے پروفیسر مقرر ہوئے،

۱۹۱۶ء مین فواد کی زندگی مین دوسرا باب کا آغاز ہوتا ہے، اسی سال شریف حسین نے استقلال عرب کا اعلان کیا، شام کے وہ نوجوان عرب جو قومیت کے نشہ مین سرشار تھے اور قدیم عربی جاہ وجلال کا ہمیشہ خواب دیکھا کرتے تھے، انھون نے فوراً اس اعلان پر لبیک کہا، ان مین یہ فواد سلیم بھی تھا لیکن موجودہ تہذیب وتمدن کے "فیوض وبرکات" کے ذریعہ قدیم عربی جاہ وجلال کی تجدید کرنے کے بجائے اسکی تمام امیدین بادیہ نشینون کی بدویت سے وابستہ تھین، اسلیے وہ انھین بادیہ نشین قبائل کو بیدار کرنا چاہتا تھا، چنانچہ حصول مقصد کے لیے بادیہ مین نکل گیا، اور تمام صعوبتین برداشت کرکے ہر گاؤن مین پہنچا اور مجد عربی کی تجدید کا وعظ سنایا، اس نے اپنے کو بدویون سے زیادہ مانوس کرنے کے لیے اپنی وضع قطع لباس اور تمام عادات واطوار مین بدوی بنالیا، اور نیز بدوی بننے کے لیے بدویت کی ضروری معلومات یعنی قبائل عرب کے

حالات سے عام واقفیت علم الانساب اور قیافہ شناسی وغیرہ کی تحصیل کی،

فواد کا یہ سفر چھ مہینون تک مختلف قبائل عرب مین جاری رہا، پھر اپنے خاص مقاصد پیش نظر رکھ کر امیر فیصل کے پاس پہنچا اور ملک وملت اور مجد عربی کی حفاظت کے لیے یہ قلوم ریافنیہ کا پروفیسر معمولی سپاہیون کا لباس پہن کر عام سپاہیون کی صف مین داخل ہوگیا، پھر متعدد جنگون مین اس کے کارہائے نمایان انجام پائے جنھون نے اسے سپاہیون کے ایک دستہ کی افسری کا عہدہ دلا دیا، اس کے بعد یوماً فیوماً دستون مین ترقی ہوتی گئی، یہانتک کہ ایک دن امیر فیصل کی اس بڑی فوج کا سپہ سالار تھا جو دمشق مین فاتحانہ داخل ہوئی تھی،

سنہ ۱۹۲۰ء سے اس کی زندگی کا تیسرا دور شروع ہوتا ہے، اور اسی پر اس کی زندگی کا خاتمہ ہوا یعنی جب دول حلفائے عرب کی سیاست مین نیا پہلو اختیار کیا، اور سنہ ۱۹۲۰ء مین فرانسیسیون کی فوج جابرانہ طریقے سے دمشق مین داخل ہوگئی تو فواد نے آزادی شام کو خطرہ مین دیکھ کر صاف الفاظ مین اعلان کیا کہ "اجنبیون کو ہم پر حکومت کرنے کا کوئی حق حاصل نہین اور ہم شام کو آزاد کرکے رہین گے" اسی بنا پر شرق اردن کی حکومت مین داخل ہوا اور امیر عبد اللہ کی فوج تیار کی کہ دفعۃً وہ مکہ معظمہ جلاوطن کر دیا گیا، ہاشمیون سے مایوس ہو کر وہ مصر چلا گیا اور اپنے مقصد کی تبلیغ مین مصروف ہوگیا، وہ مصر ہی مین تھا کہ جبل دروز کی جنگ شروع ہوگئی، اور حکومت کی روک تھام کے باوجود چھپکر یہ مصر سے جبل دروز پہنچ گیا، فوج کی قیادت اپنے ہاتھ مین لی، اور پھر اپنے کارنامون سے دنیا کو متحیر کر دیا، لیکن افسوس کہ اپنی کوششون کے نتائج پیشتر ہی لیلائے عرب کا یہ مجنون فرانسیسی گولہ کے چند اتفاقی چھینٹون سے ہمیشہ کے لیے سرد ہوگیا،

" ر "

اخبارِ علمیہ

دنیا مین سب سے بڑی خوردبین، مسٹر لاک ماکی نے ایک ایسی خوردبین ایجاد کی ہے جس سے ایک جسم مرئی ۲۰۰۰ سے ۵۰۰۰ درجہ تک بڑھ سکتا ہے، اگر اس خوردبین کے نیچے آدمی کا ایک بال رکھا جائے تو دیکھنے مین تار (برقی) کا کھمبا معلوم ہوگا، اس خوردبین کا وزن پانچ ٹن ہے،

وزن کی کمی سے عمر کی درازی، ایک ڈاکٹر اپنی ایک نئی تصنیف مین یہ خیال ظاہر کرتا ہے کہ:- اگر کوئی ادھیڑ یا بوڑھا آدمی کسی متوسط عمر کے آدمی سے وزن مین دس یا پندرہ رطل (ایک رطل یعنی پونڈ مساوی آدھ سیر) کم ہو تو وہ ادھیڑ اور بوڑھے دونون متوسط عمر والے سے زیادہ عمر پائین گے، اور اسی طرح ان دونون کی صحت اس شخص سے تمام عمر بہت اچھی رہیگی، شاید اس نظریہ سے انسان آخر عمر مین "بوڑھاپے کی حرص" کے باوجود لذیذ غذاؤن سے دستکش ہو جائے، کہ لذت بخش غذاؤن سے عمر کی درازی زیادہ محبوب ہوگی،

شعاعِ آفتاب پر انسان کا کامل تصرف، آفتاب کی شعاع اور اسکی حرارت ان تمام قوتون مثل ہوا، پانی، کوئلہ، پٹرول، نباتات اور حیوانات کی اصل ہے جنکی سطح ارض پر ہمین بڑی ضرورتین پڑتی ہین، لیکن اس کے باوجود شعاعِ آفتاب پر انسان کو ابتک کامل تصرف حاصل نہ ہوسکا، مگر اب ماہرین کا خیال ہے کہ وہ حرارتِ آفتاب اور اسکی شعاع کو بھی بہت جلد کسی نہ کسی دن اپنے قبضہ مین کر لینگے، اور بہت ممکن ہے کہ ان ماہرین مین سب سے پہلی کامیابی ڈاکٹر ماٹز کو حاصل ہو، کیونکہ انھون نے ابھی حال مین ایک

ایسا آلہ ایجاد کیا ہے جس پر آفتاب کی شعاع یا کسی دوسری شعاع کے ڈالنے سے اس مین سے موسیقی کے نغمے نکلنے شروع ہوتے ہین،

ٹیلیفون کے ذریعہ تصویرین، ٹیلیفون کے ذریعہ فوٹو لینے مین اب غیر معمولی کامیابی ہو رہی ہے، چنانچہ ابھی حال مین واشنگٹن مین دو ایسی ریل گاڑیون کی تصویرین لیگئی ہین جو پندرہ گھنٹہ کی مسافت یعنی ... اکلومیٹر کے فاصلہ پر تھین، خیال کیا جاتا ہے کہ اب تک ٹیلیفون کے ذریعہ جتنی تصویرین لیگئی ہین ان مین ان دونون گاڑیون کی تصویرین سب سے زیادہ بہتر اتری ہین،

فارس کی ایک قدیم توپ، جب بغداد مین انگریز ۱۷ جمادی الثانی ۱۳۳۵ھ مطابق ۱۱ مارچ ۱۹۱۷ء کو سب سے پہلے داخل ہوئے تو وہان انھین منجملہ دیگر اشیاء کے فارس کی بنی ہوئی ایک توپ بھی ہاتھ لگی تھی جو ۱۰۵۲ھ مین بنائی گئی تھی، جنرل ماڈ نے یہ توپ شاہ انگلستان کے پاس بھیج دی جسے شاہ نے ایک فوجی میدان مین نصب کرنے کا حکم دیدیا،

یہ توپ تانبے کی بنی ہوئی ہے، اس کا وزن ۵ ٹن بتایا جاتا ہے اس پر قرآن مجید کی آیت "نصر من اللہ و فتح قریب" کا ترجمہ فارسی زبان مین کندہ ہے۔

یہ عجیب تاریخی اتفاق ہے کہ ترکون کے دشمنون کی توپ پھر ان کے دشمنون ہی کے پاس پہنچ جاتی ہے، شاہ ظافر نے یہ توپ خاص اسی مقصد کے لیے بنوائی تھی کہ ترکون کے ملک مین پہنچکر اس کے دہانے سے ایسے شرارے بلند کئے جائین جو ترکون کے ملکی آثار اور یادگارون کو جلا کر تباہ و برباد کردین جیسے اژدہے کے منہ کے سامنے تمام چیزین برباد ہوجاتی ہین، غرض حق بحق دار رسید،

مختلف غذاؤن کی تاثیر، ایک انگریز ماہر ڈاکٹر نے مختلف غذاؤن کی مختلف تاثیرون پر غور وفکر کر کے ذیل کا اعلان شائع کیا ہے،

اس کا خیال ہے کہ: بیل کے گوشت سے انسان مین طاقت اور شجاعت پیدا ہوتی ہے، گائے کے گوشت کو برابر کھانے سے انسان کی قوت کو نقصان پہنچتا ہے، دودھ اور انڈے انسان کی خیال آرائیون مین معاون ہوتے ہین، اور خصوصًا انکی وجہ سے ذہن مین عورتون کے متعلق زیادہ خیالات آتے ہین، گھی کھانے سے آدمی کا مزاج سوداوی ہوجاتا ہے، اور سیب علمی اور عقلی کام کرنے والون کے لیے بہت مفید ہوتا ہے،

دنیا مین الماس کا خرچ، اب تک ایک سال مین تمام دنیا مین ۲۰،۰۰۰،۰۰۰ گنی کی قیمت کا الماس خرچ ہوتا ہے، اب کہا جاتا ہے کہ جنوبی افریقہ کے لیے یہ ممکن ہے کہ وہ دنیا مین الماس کے سالانہ خرچ مین اضافہ کردے، لیکن دوسری طرف بعض لوگ بعض ایسے نئے چشمون کے اکتشاف مین مصروف ہین، جو بحیرہ تام خانیکا کے گرد پائے جاتے ہین، لوگون کا خیال ہے کہ یہ چشمے اس قدر وسیع ہین کہ اپنی وسعت مین جنوبی افریقہ کے کانون پر تفوق حاصل کرلین،

ایک مصری طالب علم کی اختراع، توفیق عوام مصری نے ایک ایسے ہوائی جہاز کا خاکہ تیار کیا ہے جس مین دو بازوؤن کے بجائے صرف ایک بازو سے کام لیا جائے گا، وہ آج کل مصری وزارت سے اس اختراع کو عملی جامہ پہنانے پر گفتگو کر رہے ہین، امید کیجاتی ہے کہ اس پر مصری وزارت عنقریب کوئی عملی اقدام کریگی،

"س"

ادبیات

"زن یا نیمۂ دیگر"

از پروفیسر اکبر منیر

مہر از حصار گنبد پیروزہ سر زند
مرغ جہان پیر ز سر بال و پر زند

نقاش روزگار درین دفتر کہن
بس نقش دلربا رقم از خط زر زند

ہر قطرہ شبنمے کہ بکوہ و چمن درست
از آب حسن طعنہ بہ لعل و گہر زند

ہر ذرہ خاک شد ید بیضای موسوی
صد بزم طور سر ز سر ہر شجر زند

اے مہر یا مداد محبت! رخم نمائے
کین مہر در غیاب رخت نیشتر زند

چون آفتاب صبح بیا از پس حجاب،
وا زروی عشق پاک جوان برفگن نقاب

خورشید خاوران بره باختر شود
دامان چرخ پیر پر از سیم و زر شود

پر سکیند جام فلک از مے شفق
ناخوردہ چشم طفلک اختر تر شود

یک نغمۂ خموش بیار د ز آسمان
موج سکوت کہکشں بجرد بر شود

تنہا ستم چو خامشیٔ بزم کائنات
ترسم خموش نغمۂ خون در جگر شود

ہان اے ستارۂ تابان زندگی!
زان پیشتر کہ دل ذرہ دیدہ شود

چون اختران شام ز رخ پردہ برفگن
وا ز حسن آتشین بدلم آتشے بزن

ماہ و دمیدن شب زلیس کوہسار شد | فرش زمین چو چرخ برین پر نگار شد
پہنائے کوہ و دشت ز انوار سیمگون | بزم بتان چینی نسرین عذار شد
دریائے نور موج زند در فضائی دہر | دشت و چمن پر از دُرر آبدار شد
مہتاب و موج آب روان و سکوت شب | فردوس جاودان طرف کوہسار شد
اے ماہ آسمان محبت: بیا بیا | کز جام شوق مستم و صبر و قرار شد

شرمندہ کن ز حسن رخت ماہتاب را
سیراب کن ز عشق نہال شباب را

پہنائے آسمان بگرفت ابر بہمنی | آبستن است دہر ز گلہائے رستنی
شب درکشید محفل گیتی بچادرش | پوشیدہ ماند بزم سراسر ز روشنی
خون جوش میزند ز سر و دخوش شب | دارد غم تو عزم شبیخون و رہزنی
لرزد دلم بسینہ ز شوق وصال تو | چون برگ گل ز نم نم باران بہمنی
شب تار و کلبۂ من بیچارہ بے چراغ | اے مہ بود کہ نور جمالت پراگنی

باران بہمنی صفت آذر کنارمن
اے آذرین بہمن من، نوبہار من

نوروز سر زد از دل پژمردۂ زمین | پر گشت باغ و راغ ز گلہائے فرودین
موج نسیم صبح دہد مژدۂ حیات | خواند بہ بزم سنبل و سوری و یاسمین
در کوہ آبشار بخواند چو بار بد | در باغ جویبار زند چنگ راستین
از حسن آب و سبزۂ و گلہائی رنگ رنگ | خون جوش میزند بدل عاشق حزین
اے نوبہار زندگی و بوستان عشق! | اے حور عین و ماہ مبین و غزال چین!

چون لالہ ہائی کوہ و چمن سر ز خواب زن
آتش بجانِ من ز رخِ بے نقاب زن

شمع ستارہ ماہ منور نمی شود — نورِ قمر چو پرتو خاور نمی شود
پرہست باغ دہر ز گلہائے رنگ رنگ — ہر گل ولے چو لالۂ احمر نمی شود
خیل پیمبران ہمہ بودند آدمی — ہر آدمی ولیک پیمبر نمی شود
آرے زن است نیمۂ دیگر ز بہر مرد — ہر زن ولیک نیمۂ دیگر نمی شود
آن شے کہ خاکیان ہمہ خوانند در عشق — در مانش مہر خواہر و مادر نمی شود

عشق تو در گرفتہ بروح و روان من
باغِ من و بہارِ من و باغبان من

اے مہ! ز خاک رفتی و بر آسمان شدی؟ — اے اخترم! بانجمن کہکشان شدی؟
شمے بر فلک بناز ندی در کنار من — امروز بر زمین ز کنارم چسان شدی؟
پر دختہ شد فضای جہان از سرود عشق — اے مرغکِ فلک! بکدام آشیان شدی؟
در بوستان بروی کشیدی نقاب گل — یا در لباس نغمہ بکوے روان شدی؟
ایران شدہ است مسکن تو یا بلاد ترک — یا در دیار ہند ز چشم نہان شدی؟

باز آکہ جان بلب شدہ در انتظار تو
سبز است باغِ من بامید بہار تو

باب التقریظ والانتقاد

کتاب الوسیلہ "لابن تیمیۃ الحرانی"

مترجمہ مولانا عبدالرزاق صاحب ندوی ملیح آبادی

مسرت ہے کہ علامہ ابن تیمیہ کی تصنیفات ملک مین پھیلتی جاتی ہین اور لوگون کو ان کے خیالات سے واقفیت اور دلچسپی ہوتی جاتی ہے، چنانچہ لاہور مین اسی مقصد کی تکمیل کے لیے کہ علامہ موصوف کی تمام ضروری تصنیفات کو اردو مین منتقل کیا جائے، ایک ایجنسی "الہلال بک ایجنسی" کے نام سے قائم ہوئی ہے جو کئی سال سے علامہ موصوف کی کتابون کا ترجمہ شائع کر رہی ہے، اور قصد رکھتی ہے کہ امام موصوف کی تمام متداول کتابین اردو مین منتقل کر دے، چنانچہ اسی سلسلہ مین سب سے آخر مرتبہ ان کی نہایت معرکۃ الآرا کتاب "القاعدۃ الجلیلۃ فی التوسل والوسیلۃ" کا ترجمہ "کتاب الوسیلۃ" کے نام سے شائع ہوا ہے، جس مین نہ صرف لفظ "وسیلہ" پر بحث کی گئی ہے بلکہ بنیاد اسلام یعنی توحید، شفاعت، زیارت قبور، اور قبر پرستی وغیرہ پر نہایت شرح وبسط سے گفتگو کر کے ان تمام مباحث مین کتاب وسنت اور ائمہ کے اقوال کے ذریعہ شریعت اسلام کے مسلک کو واضح کیا گیا ہے، عام ازین کہ عامۃ الناس کا عمل اس کے مطابق ہو یا خلاف، تمام مباحث کو ایک تمہید اور پانچ ابواب پر تقسیم کیا گیا ہے، تمہید مین ذیل کے مباحث ہین:-

پہلے اتباع شریعت کو ضروری قرار دے کر بتایا گیا ہے کہ یہی اتباع نجات کا "وسیلہ" ہے، اور شریعت نے اسی وسیلہ کی طلب کا حکم آیت "ابتغوا الیہ الوسیلۃ" مین دیا ہے، پھر "شفاعت نبوی" پر بحث، اور آپ کے لیے "مقام محمود" ثابت کر کے آپ کی شفاعت سے کفار ومنافقین کا مستفید نہ ہونا ثابت کیا گیا ہے، اسی سلسلہ

ین" کفار کی مغفرت کی دعا" "رسول اللہ صلعم اور آپکی والدہ" "آپ کے والد" "آپکے رشتہ دار" "بغیر ایمان و
عمل آپ کا کام نہ آنا" "بغیر حکم خدا شفاعت کا نہ ہونا" "اللہ و رسول نے کس شفاعت کی تردید کی" "قبرونکی
ناواجب تعظیم اور بت پرستی کی بنیاد" "قبون کا توڑنا اور قبرون کا برابر کرنا" وغیرہ پر نہایت تفصیل سے بحث
لیگئی ہے، پھر پہلا باب شروع ہوتا ہے، اس مین پہلے "توسل" کے معنی بیان کئے گئے ہین، پھر "توحید" "شرک"
"شرک قریش" "فرشتون کی پرستش" "قبرون، بتون اور تصویرون سے تخاطب کرنا" "قبرون سے دعا"
"مردون اور غیر موجود سے دعا کی ممانعت پر اجماع کا ہونا" "صحابہ، تابعین اور ائمہ اربعہ کے عمل سے اُس
پر استشہاد" وغیرہ پر نہایت تحقیق سے بحث کیگئی ہے، پھر دوسرا باب ہے اس مین پہلے "وسیلہ کے معنی
صحابہ تابعین و من بعدہم کے نزدیک، ائمہ اربعہ کے نزدیک" کیا ہین، پھر "وسیلہ" کے متعلق بعض غیر مستند
اور جھوٹی روایتون کی نہایت عالمانہ و محدثانہ حیثیت سے تنقید کرکے انکی تردید کیگئی ہے، یہی وہ حدیثین
ہین جنھین ارباب بدع اپنا ناقابل شکست استدلال تصور کرتے ہین، لیکن امام موصوف نے ان تمام
حدیثون کی حقیقت نمایان کردی، پھر تیسرا باب ہے اس مین "وسیلہ" کی متعدد قسمون پر مختلف حیثیت سے
بحث کیگئی ہے، اور "توحید، شرک" "توحید و رسالت کا فرق مراتب" اور "دعاء و شفاعت" وغیرہ پر گفتگو
کیگئی ہے، اور اس کے بعد چوتھے اور پانچوین باب مین ایک استفتاء کا جواب ہے جو کسی زمانہ مین مصر
مین امام موصوف سے دریافت کیا گیا تھا، امام موصوف نے اس جواب کو بھی کتاب کے آخر مین منسلک
کردیا ہے، استفتاء مین انبیائے کرام علیہم السّلام کو وسیلہ بنانے اور ان سے شفاعت چاہنے کی جائز و
ناجائز صورتون کو پوچھا گیا ہے، اس کے جواب مین وہی مسائل ہین جو اوپر کے ابواب مین گذر چکے
ہین، لیکن اس جواب مین ان مباحث پر دوسرے طرز سے گفتگو کی ہے، جس سے ایک نیا لطف
آنے کے ساتھ گذشتہ مباحث کا پورا خاکہ ذہن مین کھچ جاتا ہے، کتاب مین جناب مترجم نے
جابجا ضروری مقامات پر تعلیقات (نوٹ) بھی لکھے ہین، نیز کتاب کی ابتدا مین ایک نہایت

مؤثر مقدمہ لکھا ہے جسمین اسلام کا صحیح نقشہ پیش کر کے مسلمانون کو راہ مستقیم پر چلنے کی ہدایت کیگئی ہے، اور اسی کے ساتھ ارباب بدع کو انکی گمراہیان پوری طرح کھول کر سمجھائی ہین، یہ مقدمہ اپنی جگہ اس قابل ہے کہ مستقل رسالہ کی صورت مین مسلمانون مین بہ تعداد کثیر تقسیم کیا جائے، کتاب ۳۴۶ صفحے پر ختم ہوئی ہے، لکھائی چھپائی عمدہ اور کاغذ چکنا ولایتی ہے، قیمت عہ پتہ:- الہلال بک ایجنسی نمبر ۲۲ شیرانوالہ دروازہ لاہور، "ل"

یادگار انیس،

مؤلفہ

مولوی امیر احمد صاحب علوی بی اے،

اردو زبان مین اگرچہ تصنیف و تالیف کا ذوق برابر ترقی کرتا جاتا ہے، لیکن یہ ترقی اردو شاعری کی ترقی سے کچھ زیادہ ممتاز نظر نہین آتی، اردو شاعری مین اگر خال وخط اور زلف وکمر کے پارینہ خیالات کا بار بار اعادہ کیا جارہا ہے، تو اردو زبان کی تصانیف ومضامین مین بھی کوئی جدت، تنوع اور بوقلمونی نہین پیدا کیجاتی، مثلاً شعرائے اردو مین میر انیس کی ذات اور انکی شاعری ایک مبسوط کتاب کی محتاج تھی، اور اس ضرورت کو متعدد انشاپردازون نے پورا کر دیا تھا، اس کے بعد اس موضوع پر اب کسی کتاب کی ضرورت نہ تھی اور اگر ضرورت تھی تو اس موضوع پر ایسی کتاب کی جسمین پہلی تصنیفات پر کچھ اضافہ ہوتا یا جدت ہوتی، لیکن باینہمہ مولوی امیر احمد صاحب علوی بی اے نے خود اپنے الفاظ مین کلیاتِ انشہری کے گلزار سے چنین، گلہائے شگفتہ احسن کے لالہ زار سے توڑے، پتیان ثابت کے سدا بہار سے لین، بندش شبلی کے مرغزار سے اڑائی، اور ایک جدید کتاب مرتب کی جسکا نام یادگار انیس ہے،

انھون نے اس کتاب مین سب سے پہلے مرثیہ گوئی کی تاریخ لکھی ہے جس کے تین دور کئے ہین اور ہر دور کی مرثیہ گوئی کے نمونے درج کئے ہین، اخیر دور کی انتہا میر انیس اور مرزا دبیر کی ذات پر ہوئی ہے،

اور اسی سلسلے مین انھون نے میر انیس اور مرزا دبیر کا موازنہ بھی کیا ہے، اگرچہ وہ بذات خود میر انیس کو ترجیح دیتے ہین، لیکن باانیہمہ دلیری کے ساتھ اس کے اظہار کی جرأت نہین کی ہے، بلکہ دونون بزرگون کے متحد المعنی اشعار جمع کر دیئے ہین، اور ترجیح کا فیصلہ ناظرین کے ذوقِ سلیم پر چھوڑا ہے،

اس کے بعد میر انیس کے سوانح شروع ہوئے ہین اور وفات تک مسلسل واقعات لکھتے چلے گئے ہین، پھر میر انیس کی شاعری پر ریویو شروع کیا ہے اور اسی پر کتاب کا خاتمہ ہو گیا ہے، لیکن کتاب کی یہ ترتیب ہمارے نزدیک پسندیدہ نہین ہے، انھون نے اس معاملے مین مولانا شبلی کی نقل کی ہے، لیکن وہ یہ بھول گئے ہین کہ مولانا شبلی نے میر انیس کے سوانح نہین لکھے اسلئے انھون نے مرثیہ گوئی کی ابتدائی تاریخ کا سلسلہ جہان میر انیس تک پہنچایا ہے، وہین سے ان کی شاعری پر ریویو شروع کر دیا ہے، اور آخر مین موازنہ کیا ہے، لیکن یادگار انیس کے مصنف نے مقدمہ کی ترتیب تو بالکل مولانا شبلی کے طرز پر دی، بلکہ انھین کے مضامین کو غیر ضروری طوالت کے ساتھ الٹ پلٹ کر اپنے الفاظ مین ادا کر دیا لیکن انھون نے غلطی یہ کی کہ موازنہ کی بحث کو جزوِ مقدمہ کر دیا، حالانکہ ترتیبِ کتاب کی بہترین صورت یہ تھی کہ پہلے میر انیس کے سوانح درج کئے جاتے، پھر مرثیہ گوئی کی تاریخ شروع کیجاتی، اس کے بعد میر انیس کے محاسن و معائب دکھا کر مرزا دبیر کے ساتھ ان کا موازنہ کیا جاتا، میر انیس کی شاعری پر جو ریویو کیا ہے، اوسکی حقیقت بھی اس سے زیادہ نہین کہ وہ مصوری اور واقعہ نگاری بہت اچھی کرتے ہین جسقدر اشعار مثالاً نقل کئے ہین، وہ سب کے سب اسی کی شرح و تفسیر ہین، مولانا شبلی نے جو اشعار دوسرے عنوانات کی مثالون مین درج کئے تھے، وہ بھی اسی سلسلہ مین لیلئے ہین، حالانکہ ضرورت یہ تھی کہ آج تک میر انیس کی شاعری پر جن جن حیثیتون سے ریویو ہو چکا ہے، ان کے علاوہ اور بھی بہت سی حیثیات و عنوانات کا اضافہ کیا جاتا، اور اگر ناقص کو مکمل نہین کیا جا سکتا تھا تو کم از کم کامل کو ناقص تو نہ بنایا جاتا،

جا بجا اس قسم کی ترکیبین آگئی ہین جن سے دو جملون مین معنوی حیثیت سے توازن قائم نہین رہ سکا ہے

مثلاً حسرت و مصیبت کی کہانی عیش و شادمانی کی داستان سے زیادہ باا ثر اور آنسوؤن کے تار گہر سے کی لڑیون سے زیادہ دلکش ہین" کیونکہ اس موقع پر آنسوؤن کے تار کی دلکشی موزون نہین،

وہ جابجا سلسلۂ بیان مین بعض مصرعے اور بعض مصرعون کے ٹکڑے لاتے ہین، لیکن اگر اس کے ساتھ عبارت کی تسلسل و روانی مین کوئی اضافہ ہوجاتا، یا کم از کم اس مین کوئی خلل نہ پڑتا تو بے شبہہ یہ ایک حسن تھا لیکن اس قسم کے موقعون پر ہم کو ان کی عبارتون کے تسلسل مین خلل نظر آتا ہے، مثلاً شیخ سعدی کا مرثیہ ملک مستعصم کے زوال پر اس قابل ہے کہ "آسمان خون بیارد بر زمین" کیونکہ اگر اس موقع پر یہ پورا مصرع نقل کیاجاتا تو عبارت کے لہجہ کا توازن مکمل ہوتا، یا مثلاً یکایک خورشید نے رخ سے نقاب اٹھائی،، گردون پر رنگ چہرۂ مہتاب فق ہوا،، میر خلیق کے بلند اقبال صاحبزادے الخ ان مین ہر جملہ کسی حرف ربط کا محتاج ہے،

کتاب کی ضخامت ۱۹۲ صفحہ اور قیمت ۶ روپے اور انوار المطابع لکھنؤ سے مل سکتی ہے،

"ع"

جمعیۃ العلماء کلکتہ کا خطبۂ صدارت

یہ خطبہ جس مین عالم اسلام کے ہر قسم کے مسائل پر غائر نظر ڈالی گئی ہے اور علماء کو موجودہ مذہبی خطرات سے آگاہ کیا گیا ہے اور ہندوستان مین مسلمانون کے حقوق و فرائض سے بحث کی گئی ہے، نہایت اہم ہے، اکثر شائقین اس کا تقاضا کر رہے ہین، اسلیے ان کو اطلاع دیجاتی ہے کہ دفتر مین اس خطبہ کے تھوڑے سے نسخے باقی ہین، جو اصحاب چاہین بقیمت منگوا سکتے ہین،

قیمت ۸ ؍ ضخامت ۴۴ صفحے،

"منیجر"

مطبوعاتِ جدیدہ

تاریخ اندور، مرہٹون کے پیشوا "بالاجی راؤ" نے اپنے ایک جانباز فوجی افسر ملہر راؤ ہولکر کو علاقۂ خاندیس مین چند روز کی جاگیر عطا کی، جو رفتہ رفتہ ایک وسیع علاقہ مین پھیل گئی، اور اس علاقہ پر ملہر راؤ اور اس کے جانشین مرہٹون کی مرکزی حکومت کی خدمات بجا لانے کے ساتھ ساتھ نہایت حسن وخوبی سے حکومت کرتے رہے یہانتک کہ ۶ جنوری ۱۸۱۸ء کے معاہدہ کے رو سے یہ وسیع علاقہ کمپنی کے تصرف مین آکر ایک محدود ریاست بنگیا، جو آج ریاست اندور کے نام سے صرف پانچ اضلاع پر مشتمل ہے، کسی صاحب قلم نے "خافی خان" کے فرضی نام سے منسوب ہوکر اسی ریاست کی تاریخ لکھی ہے جو اس وقت زیر تبصرہ ہے، کتاب مین جاگیر کے عطا کئے جانے سے لیکر ۱۹۲۶ء تک کے حالات ہین، ابتدا مین چند فرمانرواؤن کے عہد حکومت پر تفصیلی بحث کیگئی ہے، پھر چند والیانِ ریاست کے عہد کے سرسری حالات ہین اور آخر مین اندور کے مشہور مہاراجہ تکوجی راؤ معزول والی ریاست کے حالات تفصیل سے بیان کئے گئے ہین لیکن اس دور کے لکھنے مین وہ "مورخانہ شان" قائم نہین، حجم ۹۰ صفحے چھپائی اچھی اور لکھائی وکاغذ معمولی ہے قیمت ۱۲؍ پتہ جناب ذکی احمد صاحب علوی ایجنسی ہاؤس نسیمچ چھاؤنی سنٹرل انڈیا۔

سیرِ امام ابن تیمیہ اردو مین امام تیمیہ کے حالات سب سے پہلے مولانا شبلی مرحوم نے الندوہ مین لکھے، جناب چودھری غلام رسول صاحب، مہر بی اے چیف اڈیٹر اخبار زمیندار نے اوسی مضمون کو بنیاد قرار دیکر اور دوسرے ماخذون سے استفادہ کرکے ایک مختصر رسالہ مین امام ابن تیمیہ کے سوانح حیات اور ان کے علمی کارنامون پر تبصرہ کیا ہے، رسالہ مین سات ابواب ہین، پہلا باب "ولادت اور تعلیم وتربیت وغیرہ" دوسرا "تحریک تجدید اور ابتدائی مصیبتین" تیسرا "جہاد بالسیف" چوتھا "قیام مصر اور دورِ ابتلا" پانچوان "قیام دمشق قید اور وفات" چھٹا

عام اخلاق اور تصنیفات" اور ساتواں باب حضرت امام (ابن تیمیہ) اور بعد کا دور" پر مشتمل ہے، حجم ۴۶ صفحے، لکھائی چھپائی عمدہ اور کاغذ چکنا ولایتی ہے، قیمت ۹ر پتہ :- الہلال بک ایجنسی نمبر ۲ شیرانوالہ دروازہ لاہور،

مسائلِ حج، حج کا زمانہ قریب ہے اسی تقریب سے جناب مولوی ابو محمد عبد اللہ صاحب نے "مسائل حج" کے نام سے ایک رسالہ مرتب کرکے شائع کیا ہے جسکی ابتدا مین مولانا ابو عبید احمد اللہ صاحب مرحوم کا ۴۸ صفحون کا ایک رسالہ ہے جس مین حج کے تمام مسائل عام فہم زبان مین بیان کئے گئے ہین نیز مدینہ منورہ کی زیارت کے متعلق ہدایات بھی درج ہین، اس کے بعد جناب مؤلف نے "فضائل حج" کے ذیل مین حج کے فضائل بتانے والے سنن و آثار یکجا کئے ہین، پھر حج کے سفر کے آداب و طریقے بتائے ہین، اور سب سے آخر مین مؤلف نے "لسان العرب" کے نام سے ایک رسالہ منسلک کر دیا ہے جسمین ایسے الفاظ اور جملے ہین جو روزانہ کی گفتگو مین آتے رہتے ہین، تاکہ انھین حجاج حفظ کرکے سرزمین عرب مین اپنا مافی الضمیر ادا کرسکین، اور "لسان العرب" کی ترتیب مین یہ خاص خوبی بھی ہے کہ وہ حج کے لیے بطور "گائیڈ" کام آسکتی ہے، رسالہ مین جابجا مختلف مقامات کے نقشے بھی منسلک ہین، امید ہے کہ یہ رسالہ حجاج کے لیے نہایت کارآمد ثابت ہوگا حجم ۹۵ صفحے، لکھائی چھپائی اور کاغذ محض معمولی ہے، اور اس تناسب سے اسکی قیمت ۱۲؍ زیادہ رکھی گئی ہے، پتہ :- ایم عبد اللہ غلام رسول اینڈ کمپنی امرتسر (پنجاب)

طوفان نوح، مولوی سید ارادت کریم صاحب حسنی حسینی بہاری نے اس رسالہ مین یہ دکھایا ہے کہ قومون کی تباہی ان کے اخلاقی فساد سے ہوتی ہے کہ اخلاقی فساد غضب الٰہی کا موجب ہے، اور قومی تباہی ہی غضب الٰہی کا دوسرا نام ہے، اسی مناسبت سے مصنف نے رسالہ کا نام طوفان نوح تجویز کیا ہے، اسی ضمن مین یہ بھی بتایا ہے کہ ہر روحانی گناہ سے کیا کیا مادی بلائین اور وبائین غضب الٰہی کی صورت مین نازل ہوتی ہین، پتہ :- شیخپورہ بڑا کوٹھا ضلع مونگیر قیمت ۱۲ر

احیاء المیت فی فضائل اہل البیت جلال الدین سیوطی کے عربی رسالہ کا اردو ترجمہ مولوی

رجسٹرڈ نمبر اے ۱۸۷

معارف

مجلس دار المصنفین کا ماہوار علمی رسالہ

مرتبہ

سید سلیمان ندوی

مئی سنہ ۱۹۲۶ء

قیمت ۵؍ سالانہ

مطبع معارف میں چھپکر
دفتر دار المصنفین اعظم گڈھ سے شائع ہوا

مجلد ہفدہم	ماہ شوال المکرم ۱۳۴۴ھ مطابق ماہ مئی ۱۹۲۶ء	عدد پنجم

مضامین

شذرات

جناب نواب نصراللہ خان بہادر مرحوم کی وفات کے بعد ریاست بھوپال کی ولیعہدی کے مسئلہ نے سخت پیچیدہ صورت اختیار کر لی تھی، اور اس پیرانہ سالی مین دو جوانہ مرگ فرزندون کی وفات کے جانگداز صدمہ کیساتھ یہ مسئلہ بھی سرکار عالیہ والیہ ریاست بھوپال کے اضطراب و پریشانی کا مزید سبب بنگیا تھا، اور چونکہ سرکار عالیہ کی علمی و مذہبی فیاضیون سے ہندوستان کا گوشہ گوشہ معمور ہو رہا ہے۔ اسلیے قدرتی طور پر مسلمانون کو بھی اس خلفشار مین ان کے ساتھ دلی ہمدردی تھی، لیکن خدا کا شکر ہے کہ ایک مدت کی جد و جہد، اور ثبات و استقامت سے معاملہ کا تصفیہ سرکار عالیہ کی خواہش بلکہ یہ کہنا چاہئیے کہ بالکل اصول شریعت کے مطابق ہوگیا اور نواب حمید اللہ خان بہادر ان کے جانشین قرار دیدیے گیے اور اب وہ لندن سے فائز المرام ہو کر عازم ہندوستان ہوگئے۔

مسئلہ ولیعہدی کے طے ہو جانے کے بعد سرکار عالیہ نواب حمید اللہ خان بہادر بالقابہ کے حق مین نظم و نسق حکومت سے بھی دست بردار ہوگئین اور اب نواب حمید اللہ خان بہادر ساحل ہندوستان پر ریاست بھوپال کے مستقل فرمانروا کی حیثیت سے قدم رکھین گے جس کیلیے ہم ان کی خدمت مین اپنی دلی مبارکباد پیش کرتے ہین، اور دعا کرتے ہین کہ ان کا عہد حکومت اُن تمام توقعات کے ساتھ جو ان کی ذات سے بجا طور پر پیدا ہوتی ہین، طویل اور کامیاب ہو، اور ان کے سر پر سرکار عالیہ کا سایہ نہ صرف بحیثیت ایک شفیق ماں کے بلکہ بحیثیت ایک سیاسی رہنما کے بھی تا دیر قائم رہے،

یہ توقعات کیا ہین؟ ان کے بار بار دہرانے کی ضرورت نہین، بھوپال کی قدیم تاریخ جو ہر قسم کی مذہبی، علمی اور سیاسی ترقیون اور فیاضیون کا مجموعہ ہے ہر شخص کے سامنے ہے، اور سرکار عالیہ کی ذات بابرکات نے ان کو اور بھی زیادہ وسیع و نمایان کر دیا ہے، اب نواب حمید اللہ خان بہادر جیسے قابل و تعلیم یافتہ فرمانروا کے عہد مین یقین ہے کہ زمانہ بار بار اس تاریخ کا اعادہ کرتا رہے گا،

این دعا از من و از جملہ جہان آمین باد

اردو زبان کو علمی زبان بنانے کیلئے دوسری زبانون کے علوم و فنون کے ترجمہ کا جو کام ملک مین ہو رہا ہے، اوس کے علاوہ مسلمانون مین، اصلاحی، قومی، تاریخی، اور مذہبی معلومات و خیالات کی اشاعت کے لیے ہندوستان کی دوسری زبانون مین خود اردو کی مستند کتابون کے ترجمہ کی ضرورت ہے، اور ہم کو مسرت ہو کہ اب اس ضروری کام کی بھی ابتدا ہو چکی ہے، اور اس سے زیادہ مسرت یہ ہے کہ ندوہ کے فارغ التحصیل طلبا نے اس ضرورت کی تکمیل مین حصہ لیا ہے،

مولوی عبد الرحمن رنگونی جو ندوہ کے تعلیم یافتہ ہین ندوہ سے نکلنے کے بعد ہی رنگون مین قومی و اصلاحی کامون مین مصروف ہو گئے تھے، اس کے بعد مولوی ابو ظفر ندوی نے بھی چند سال رنگون مین بسر کیے اور ان کی وجہ سے ان کامون کو اور بھی زیادہ ترقی ہوئی، چنانچہ ان کی تحریک سے مولانا شبلی مرحوم کے رسالۂ آغاز اسلام کا ترجمہ برمی زبان مین ہوا اور اب انجمن تبلیغ الاسلام رنگون نے اسکو چھاپ کر شایع کر دیا ہے، مولانائے مرحوم کی یہ پہلی تصنیف ہے جسکا ترجمہ برمی زبان مین چھپ کر شائع ہوا ہے، اس کے علاوہ سیرۃ النعمان کا خلاصہ بھی برمی زبان مین ہو گیا ہے اور الفاروق کا ترجمہ بھی ہو رہا ہے،

لیکن مولوی عبدالرحمن ندوی کے خط سے یہ معلوم کرکے افسوس اور افسوس کے ساتھ تعجب بھی ہوا کہ رنگون جیسے دولتمند شہر مین آغاز اسلام جیسے مختصر رسالہ کی طبع و اشاعت مین وقت پیش آئی، امرا اور دسارنے تو باوجود کوشش کے اسکی اشاعت کی طرف توجہ نہین کی، لیکن انجمن تبلیغ الاسلام نے اسکو چھاپ کر شائع کیا جس کے لیے وہ مستحق شکریہ ہے،

مسلمانون کا دولتمند طبقہ قومی کامون مین جو فیاضانہ حصہ لے رہا ہے، وہ ہمارے لئے موجب مسرت ہو، لیکن ہم کو اس کے کہنے مین تامل نہین ہے کہ یہ فیاضیان زیادہ تر ادھی کامون سے تعلق رکھتی ہین جنین نام ونمود کی زیادہ توقع ہوتی ہو باقی خاموش کام ان کی فیاضی سے بہت کم متمتع ہوتے ہین اور اس قسم کے علمی و اصلاحی کامون مین چونکہ شہرت بہت کم ہوتی ہے، اسلئے وہ ہمارے امراء کی امداد سے محروم رہتے ہین، لیکن اگر ہمارے امراء حقیقی طور پر قوم کی خدمت کرنا چاہتے ہین تو ان کو شہرت سے زیادہ کام کی نوعیت و اہمیت کا لحاظ رکھنا چاہیئے علمی کام گو بہت زیادہ غلغلہ انگیز نہین ہوتے، لیکن قوم کا دماغی انقلاب جو ہر قسم کی ترقیون کا پیش خیمہ ہے، صرف علمی خیالات کی اشاعت سے ہو سکتا ہے،

لڑکیون کو حق وراثت دلانے کی جو تجویز ندوۃ العلماء کے جلسۂ انبالہ مین منظور ہوئی تھی اس کے متعلق فروری کے معارف مین یہ مژدہ سنایا گیا تھا کہ کچھی میمن برادری کے آدھے آدمیون نے قانون اسلامی کو قبول کر لیا ہے اور باقی آدھے آدمیون مین بھی کام ہو رہا ہے، لیکن جن لوگون نے اس قانون کو قبول کر لیا ہے ان کا طرز عمل کیا ہے؟ اس کے متعلق روزنامہ خلافت مین ایک مضمون شائع ہوا ہے، جبکا یہ اقتباس نہایت افسوس کے ساتھ پڑھا جائے گا،

واحسرتا علی العباد گندم نما جو فروشون کا کیا علاج ہے جو ایک طرف وصیت نامہ
کے فارم پر دستخط کر کے اسلامی قانون وراثت پر چلنے کا عہد کرتے ہین، دنیا کے طعن و تشنیع
سے جوش مین آکر دستخط کر دیتے ہین مگر دوسری طرف اپنے گھر مین اپنی جائداد لڑکون
کے نام منتقل کر دیتے ہین اور مرنے سے پہلے ہی حقیقی ورثار کی محرومی کا سامان کر دیتے ہین

اصل یہ ہے کہ صرف طنز و تشنیع یا فوری جوش سے مدتون کی آبائی رسم ورواج کا قلع قمع
نہین ہو سکتا، میمن قوم کے متعلق اس سے پہلے بھی اس سے زیادہ سخت طنز آمیز الفاظ استعمال
کئے گئے ہین، چنانچہ بمبئی ہائیکورٹ کے ایک انگریز جج نے اپنے ایک فیصلہ مین لکھا تھا کہ

کچھی میمن زندہ رہتے ہین تب تک مسلمان رہتے ہین مرنے پر ہندو بن جاتے ہین

کیونکہ ان کا ورثہ ہندو دھرم شاستر کے موافق تقسیم ہوتا ہے،

مروجہ طریقون پر عام انجمنون، اور مسلمانون کے بڑے بڑے اجتماعی جلسون مین اسکے
متعلق تجویزین بھی پیش کیجا سکتی ہین، بہ کثرت رسالے بھی شائع کئے جا سکتے ہین، لیکن جبتک
خود اس قوم کے اندر ایسے متعدد مصلحین نہ پیدا ہو جائین جو شب وروز اسی کام مین مصروف
رہین، اور بہ کثرت اشخاص کو آمادہ کر کے عملی نمونے قائم نہ کرائین یہ تمام کوششین بے سود
رہین گی، ایک مدت کا بگڑا ہوا انتظام ایک مدت ہی کے بعد پھر از سر نو قائم ہو سکتا ہے،

اس شرعی حکم کی علانیہ خلاف ورزی کے ساتھ ہم کو یہ بھی دیکھنا چاہیئے کہ اس کا اثر مسلمانون
کے تحفظ جائداد پر کیا پڑتا ہے؟ یہ مسلم ہے کہ مرد بہت زیادہ آزاد ہوتے ہین، اور مسلمانون
کی جائدادین زیادہ تر انھی کے ہاتھون تلف ہوتی ہین، کچھی میمن برادری مین اس ہندوانہ رسم

کی وجہ سے تمام جائداد صرف لڑکون کو ملتی ہے، اوران کے متعلق پونہ کے ایک مصلح سیٹھ لکھتے ہین، کہ

لڑکے وغیرہ وارث بنتے ہین مگر اکثر عیاشی، قمار بازی، سٹہ، گھوڑ دوڑ مین دولت برباد کر دیتے ہین،

اگر یہ سچ ہے تو علمار کے ساتھ قوم کے دنیا دار طبقہ کو بھی اس رسم کے مٹانے کی طرف اپنی توجہ مبذول کرنی چاہیئے،

مدارس اسلامیہ کی تنظیم و اصلاح کی ضرورت اگرچہ تمام ہندوستان مین ہے، لیکن بنگال وآسام مین یہ ضرورت سب سے زیادہ ہے، ان صوبون مین مسلمانون کی آبادی اور صوبون سے بہت زیادہ ہے، مدارس بھی بکثرت موجود ہین، اور طلبا، کی ایک بہت بڑی تعداد اسلامی علوم وفنون کی تحصیل مین مصروف ہے، لیکن ان مین موجودہ ضروریات وحالات کے مطابق کوئی ایسا دل ودماغ نہین پیدا ہوتا جس پر ان صوبون کو فخر حاصل ہو،

خدا کا شکر ہے کہ خود اہل بنگال کو اس تعلیمی ابتری کا احساس ہو گیا ہے، اور انھون نے تنظیم واصلاح کی ضرورت کو محسوس کر لیا ہے، چنانچہ گذشتہ ماہ مارچ کے وسط مین جمعیۃ علمائے ہند کا جو سالانہ اجلاس کلکتہ مین ہوا اس کے سلسلے مین بصدارت مولانا محمد ادریس صاحب علمائے بنگال وآسام کے ڈیلیگیٹون کا ایک جلسہ بتاریخ ۱۳ ر مارچ ایک جامعہ اسلامیہ کے قائم کرنے کے لیے منعقد ہوا اور ابتدائی کامون کے انجام دینے کے لیے ایک کمیٹی قائم ہوئی،

۱۵ ر مارچ کو جمعیہ علما کے بنگال کی مجلس منتظمہ کے سامنے جلسہ مذکور کی قرار داد پیش ہوئی چونکہ جمعیہ نے خود ۱۵ ر اگست ۱۹۲۵ء مین ایک جلسہ مین جامعہ کے قیام اور جملہ مدارس اسلامیہ

کی تنظیم کے لیے، ایک کمیٹی قائم کی تھی، اسلیے اس نے اس اجتماع کی قرارداد کو پیش نظر رکھکر ابتدائی انتظامی امور کے انجام دینے کے لیے اس کمیٹی مین مزید ممبرون کو شامل کر لیا،

حال مین اس کمیٹی کے چند ارکین نے جامعہ کے متعلق چند اساسی اصول وضوابط کا خاکہ تیار کرکے جملہ ممبران کمیٹی و دیگر اہل الرائے کی خدمت مین پیش کیا ہے، اور ۵ رمئی ۱۹۲۶ء تک اُن سے رائین طلب کی ہین، اور ان رایون کے آنے کے بعد ۹ رمئی ۱۹۲۶ء کو کلکتہ مین ایک جلسہ منعقد ہوگا جس مین سب کمیٹی کے تمام ارکان سے اس خاکہ کی منظوری حاصل کیجائیگی،

اس خاکہ مین تعلیم کی مدت سولہ سال رکھی گئی ہے، اور چار درجے (دنیا، وسطی، علیا، تکمیل و خطاب) قائم کئے گیے ہین جو موجودہ زمانہ مین جن علوم وفنون کی ضرورت ہے سب پر حاوی ہین، درجہ وسطی مین انگریزی، فارسی، سنسکرت اور پالی زبانون مین سے کسی ایک زبان کا اختیار کرنا طلبہ کے لیے لازمی ہوگا، اور علوم وفنون مین ادب، حساب، تاریخ، جغرافیہ، ابتدائی منطق، حکمت جدیدہ، فقہ، ابتدائی عقائد، ابتدائی حدیث، کلام اللہ یا ترجمہ، تحریر، تقریر، ورزش نقاشی کی تعلیم ہوگی، اور بعض پیشے بھی سکھائے جائینگے مثلاً سینا، بنتا، طب، دباغی وغیرہ اور اس طرح ایسے علمار پیدا ہوسکین گے جو اپنے کسب معاش مین قوم کی اعانت کے محتاج نہ ہونگے،

درجہ علیا مین بھی اختیاری زبانین تدریجی ترقی کے ساتھ جاری رہین گی، اور علوم وفنون مین قرآن یا ترجمہ، تفسیر، حدیث، فقہ، اصول فقہ، کلام جدید، ادب، تاریخ، منطق و حکمت جدید، علم الاقتصاد کی تعلیم دیجائیگی، درجہ تکمیل و خطاب مین حسب ذیل علوم وفنون مین سے صرف ایک فنون کی تکمیل کرنی ہوگی

(۱) حدیث وتفسیر (۲) فقہ و اصول فقہ و کلام،

(۴) ادب عربی، فارسی، اردو، بنگلہ، انگریزی، سنسکرت، پالی مین سے کسی ایک زبان کی تکمیل

(۵) عیسائی مذہب کی کتابون کا مطالعہ،

(۶) ہندو 〃

(۷) بدھ 〃 (۸) تاریخ ،

ہمارے نزدیک اگرچہ مدت تعلیم زیادہ ہے، تاہم اگر بنگالی طلبار نے صبر واستقلال کے ساتھ اس مدت کو پورا کرلیا تو یقین ہے کہ وہ قوم کی تمام مذہبی واصلاحی ضروریات کو پورا کرسکین گے،

ہندوستان مین اس وقت جو علمی کام ہو رہے ہین وہ زیادہ تر صرف ترجمہ وتصنیف تک محدود ہین لیکن یورپ اور دوسرے ممالک اسلامیہ مین ان دونون کامون کے ساتھ ایک اہم علمی خدمت بھی خیال کیجاتی ہے کہ قدیم اور نایاب کتابین جو اب تک غیر مطبوع ہین ان کے متعدد نسخے ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر نکالے جائین، اور ان کی تصحیح ومطابقت کیجائے، اس کے بعد ان کو طبع کرکے شایع کیا جائے،

ہندوستان اب تک اس حیثیت سے اور تمام ممالک سے بہت پیچھے ہے، صرف دائرۃ المعارف حیدرآباد ایک ایسا علمی مرکز ہے، جو اس خدمت کو نہایت مستعدی کے ساتھ انجام دے رہا ہے، اسلیے اسکی حوصلہ افزائی ہر اہل علم کا فرض ہے،

دائرۃ المعارف کی اس علمی خدمت کا ذکر معارف مین بار بار آتا رہتا ہے، حال مین اس نے امام رازی کی مشہور کتاب مباحث مشرقیہ کو اڈٹ کرکے شائع کیا ہے جسکی قیمت ۱۲ ہے، اور سنن بیہقی کی تصحیح ہو رہی ہے، اور اس غرض سے اس کے متعدد نسخے تلاش کیے جارہے ہین، اب تک صرف دو نسخے فراہم ہوسکے ہین، لیکن مزید نسخون کی ضرورت ہے، اسلیے اگر کوئی صاحب اسکا قلمی نسخہ

عنایت فرمائین گے تو طباعت کے بعد ان کی خدمت مین سنن بیہقی کا ایک نسخہ ہدیۃً روانہ کیا جائیگا، ہم کو امید ہے کہ اہل علم اس طرف اپنی توجہ مبذول فرمائین گے،

اس سلسلہ مین ہم کو ایک اور بات یاد آگئی، کتابون کی طبع و اشاعت سے الگ، اس وقت اگر ہم یہ معلوم کرنا چاہین کہ ہندوستان مین کسقدر علمی ذخیرہ موجود ہے، تو ہمارے پاس اس کا کوئی ذریعہ نہین، بعض مشہور کتب خانون کی فہرستین بے شبہہ شائع ہو چکی ہین، لیکن ان کے علاوہ ہندوستان مین اور بھی بہ کثرت چھوٹے چھوٹے پرائیوٹ کتب خانے موجود ہین جنمین بعض نہایت نادر قلمی کتابین موجود ہین، لیکن افسوس ہے کہ ہم ان سے ناواقف ہین، کیونکہ ان سے واقفیت حاصل کرنے کا ہمارے پاس کوئی ذریعہ نہین،

غالبًا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس نے اس غرض سے ایک شخص کا تقرر کرنا چاہا تھا جو ملک مین دورہ کرکے اس قسم کے تمام پرائیوٹ کتب خانون کی فہرست مرتب کرے، لیکن اس سے زیادہ اسکی آسان صورت یہ ہے کہ جن لوگون کے پاس اس قسم کے کتب خانے موجود ہون وہ خود انکی فہرست مرتب کرکے شائع کردین، ممکن ہے کہ بعض لوگ اپنے مختصر کتب خانون کو اس قابل نہ سمجھتے ہون لیکن دنیا کی بہترین کتابین صرف ایک الماری مین آسکتی ہین، اگر ان لوگون کے پاس زیادہ کتابین نہین ہین تو اس سے ان کے کتب خانے کی قدر و قیمت مین کوئی فرق نہین آتا، شاید انھی کے مختصر کتبخانون مین اس الماری کی کوئی کتاب موجود ہو، اسلئے ان کو اوسکی فہرست کے شائع کرنے مین دریغ نہین کرنا چاہیئے،

مقالات

مہندسین اسلام

از

مولانا عبد السلام صاحب ندوی

اسلام مین سادہ طور پر تعمیرات کا آغاز عہد رسالت ہی سے ہو گیا تھا اور خلفائے راشدین کے زمانے تک عمارتون سے گذر کر متعدد شہر آباد کئے جا چکے تھے اس کے بعد بنو امیہ کا دور شروع ہوا اور اموی خلفار مین ولید بن عبد الملک نے عمارات کے تعمیر کرنے مین خاص طور پر شہرت حاصل کی لیکن اس زمانے تک ہم کو مسلمان انجینیرون کا بالکل پتہ نہین چلتا، صحابہ کرام کے زمانے تک تو عمارات مین نہایت سادگی ملحوظ رہی، ولید نے بے شبہہ اس قسم کی عظیم الشان عمارتین تعمیر کرائین جو فن انجینیری کا بہترین نمونہ تھین، لیکن اس زمانے تک ہندسہ و ریاضی کی کتابون کا جنسے فن انجینیری کو تعلق ہے ترجمہ نہین ہوا تھا، اسلیے اس زمانے مین بھی کوئی مسلمان انجینیر پیدا نہین ہوا اور ولید کو اس معاملہ مین رومیون سے مدد لینی پڑی اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ اس دور کی عمارتین رومی یا ایرانی طرز پر تعمیر ہوئین، لیکن بعد کو یہ دونون طرز تعمیر مخلوط ہو گئے، اور ان کی ترکیب و اختلاط سے ایک جدید عربی طرز تعمیر پیدا ہوا، جس نے چوتھی صدی اور اس کے بعد کی صدیون مین بہت زیادہ ترقی کی اور سیکڑون مسلمان انجینیر پیدا ہو گئے، لیکن تاریخ اسلام کی یہ افسوسناک کمی ہے کہ ہم کو فقہار، حکمار، اطبار، اور شعرار وغیرہ کے حالات مین تو سیکڑون کتابین مل سکتی ہین

مگر اس قسم کے عملی لوگون کے حالات نہین مل سکتے، دورِ جدید کا ایک روشنخیال مضمون نگار بالکل سچ لکھتا ہے :-

"کہ علم عقود الابنیہ مین جس سے عمارتون کے اوضاع کی حالت، نہرون کے نکالنے بندون کے باندھنے، اور مکانون کی ترتیب و تنظیم کی کیفیت معلوم ہوتی ہے اس ملک (شام، حلب، دمشق وغیرہ) مین عرب انجینرون نے نہایت کمال پیدا کیا تھا، اور اگر وہ تھوڑی سی قوت سے بڑی بڑی وزن دار چیزون کے اٹھانے کے لیے آلات جرثقیل کے ایجاد کرنے مین مہارت نہ حاصل کرتے، تو شہرون قلعون، مکانون، مسجدون اور مدرسون کی تعمیر کی وہ قدرت نہ حاصل کر سکتے جنکا بچا کھچا حصہ بھی ہم کو مبہوت کر رہا ہے، تذکرہ نویسون نے شعراء اور زہاد کے حالات کے جمع کرنے کی طرف جس قدر توجہ کی ہے اگر اسی قدر توجہ انجینرون اور ریاضی دانون کے حالات کی طرف کی ہوتی تو ہم کو ان کے طرز فن اور علم کے متعلق بہت سی چیزین معلوم ہوتین، لیکن حلب و دمشق کی تمدنی صدیون مین ہم کو دس مسلمان انجینرون سے زیادہ کے حالات معلوم نہ ہو سکے اور اکثر کے حالات ضائع ہو گئے، ان مین بعض وہ لوگ بھی ہین، جنکے نام ہم شام کے شہرون کے بعض مدارس پر کھدے ہوئے پاتے ہین[1]"

افسوس ہے کہ فاضل مضمون نگار کو جن دس مسلمان انجینرون کے حالات معلوم ہو سکے، اوس نے اونکے نام نہین بتائے لیکن اسقدر یقینی شہادتون سے ثابت ہے کہ اسلامی تمدن کے زمانۂ شباب مین تعمیرات کا کام بالکل فن انجینری کے مطابق ہوتا تھا، اور اس معاملہ مین سیکڑون انجینرون اور ریاضی دانون سے مدد لیجاتی تھی، چنانچہ یعقوبی کتاب البلدان مین لکھتا ہے،

[1] المجمع العلمی العربی صفحہ ۱۴۳،

اس کے بعد ابوجعفر منصور نے انجنیرون تعمیرات، مساحت، اور تقسیم اراضی کے عالمون کے لیے آدمی بھیجے، اسکے بعد اس شہر کی بنیاد ڈالی جو مدینۂ ابوجعفر کے نام سے مشہور ہے، اور معمار، مزدور، بڑھئی، لوہار، اور کھودنے والونکو بلایا، اور ہر شہر مین فرمان بھیجا کہ ہر وہ شخص بھیجا جائے جو کچھ بھی تعمیرات کا علم رکھتا ہے، چنانچہ اس کے پاس ایک لاکھ آدمی مختلف کامون اور پیشون کے جمع ہوگئے[۱]

دوسرے موقع پر ایک نہر کے متعلق لکھتا ہے،

"ایسے اصول انجنیری کے مطابق بنائی گئی کہ کسی وقت اس کا پانی خشک نہ ہو[۲]"

ایک اور موقع پر لکھتا ہے،

"اور معتصم نے ہر شہر سے ایسے اشخاص بلوائے جو کوئی پیشہ کرتے ہون یا تعمیر، زراعت، باغبانی، پانی کی انجنیری، اوس کے وزن، اوسکے نکالنے اور زمین مین اوسکے مواقع کا علم رکھتے ہون[۳]"

اگرچہ ان مجمل عبارتون سے یہ نہین معلوم ہوتا کہ اسلامی تعمیرات مین جن انجنیرون سے کام لیا جاتا تھا وہ کس مذہب یا کس قوم سے تعلق رکھتے تھے، اسلام سے پہلے ایرانیون اور رومیون نے اس فن مین بہت زیادہ ترقی کی تھی، اسی بنا پر سلطنت امویہ مین صرف انھین سے کام لیا جاتا تھا، اسلام کا غیر متعصب تمدن اس زمانہ مین بھی ان سے بے نیاز نہ رہا ہوگا، خود اسی کتاب مین ایک پن چکی کے متعلق لکھا ہے،

هذا سهأ بطريق قدم عليه من ملك الروم[۴] اسکی انجنیری ایک پادری نے کی تھی جو اس کے پاس شاہ روم کے یہان سے آیا تھا،

[۱] کتاب البلدان صفحہ ۲۳۸، [۲] رر صفحہ ۲۵۰، [۳] رر ۲۶۴، [۴] رر ۲۴۳

تاہم اس سے انکار نہین ہوسکتا کہ ان مین مسلمان انجنیرون کی ایک جماعت بھی شامل تھی، جنکے نام اس کتاب کے مختلف موقعون پر آئے ہین، چنانچہ ایک موقع پر بغداد کی گلیون کے متعلق لکھا ہے کہ

عبداللہ بن محرز، حجاج بن یوسف، عمران بن وضاح اور شہاب بن کثیر نے نوبخت اور ابراہیم بن محمد الفزاری اور طبری منجمین اصحاب حساب کے سامنے انکی انجنیری کی تھی،[۱]

ایک اور موقع پر لکھا ہے، کہ

متوکل نے ایک ایسا شہر بنانا چاہا جسکی طرف وہ منتقل ہوجائے اور وہ اسکی طرف منسوب ہو اور اسکی وجہ سے اسکو شہرت حاصل ہو چنانچہ محمد بن موسیٰ منجم کو اور ان انجنیرون کو جواس کے یہان موجود تھے حکم دیا کہ ایک جگہ کا انتخاب کرین،[۲]

لیکن افسوس ہے کہ باوجود تلاش وجستجو کے ہم کو ان انجنیرون کے حالات معلوم نہ ہوسکے، حجاج بن یوسف کے متعلق اخبار الحکماء مین ایک ضمنی موقع پر صرف اس قدر لکھا ہے کہ اپلونیوس النجار نے جو کتاب اصول ہندسہ مین لکھی تھی حجاج بن یوسف بن مطر الکوفی نے اس کا ترجمہ کیا تھا،[۳] اور محمد بن موسیٰ منجم سے غالباً موسیٰ بن شاکر کا سب سے بڑا لڑکا محمد بن موسیٰ مراد ہے جو اسلام مین بہت بڑا ریاضی دان گذرا ہے، البتہ ان کے علاوہ ہم کو بعض دوسرے انجنیرون کے حالات ملتے ہین، جنمین سب سے زیادہ مشہور، ابن ہثیم ہے جو بصرہ کا رہنے والا تھا، اور ابتدا مین وزارت کے معزز عہدے پر فائز تھا، لیکن علم وحکمت کے شوق کے وجہ سے ان مشاغل سے علٰحدگی اختیار کرنا چاہتا تھا، اسلیے فتور عقل کا اظہار کیا، یہان تک کہ ایک مدت کے بعد اس عہدے سے الگ کیا گیا، اس کے بعد اس نے مصر کا سفر کیا اور جامع ازہر مین اقامت اختیار کی، معاش کا ذریعہ یہ تھا کہ

---

[۱] کتاب البلدان صفحہ ۲۴۱ [۲] ایضاً ۲۶۶ [۳] اخبار الحکماء صفحہ ۴۶،

ہرسال اقلیدس اور مجسطی کے نسخے لکھتا تھا اور ان کو فروخت کرکے گذرا وقات کرتا تھا، لیکن علامہ جمال الدین قفطی نے اخبار الحکما میں لکھا ہے کہ حاکم صاحب مصر نے جو حکمت کی طرف میلان رکھتا تھا اوس کا اور اس کے اس کمال کا حال سنا تو اوسکی زیارت کا مشتاق ہوا اس کے بعد اس کو معلوم ہوا کہ ابن ہیثم کا خیال ہے کہ اگر وہ مصر میں ہوتا تو دریائے نیل کے متعلق ایک ایسا کام کر دیتا کہ زیادتی اور کمی دونوں حالتوں میں اس سے فائدہ اٹھایا جاتا تو اس کا شوق اور بڑھا اور اس نے مخفی طور پر اس کے پاس کچھ مال بھیجا اور اس کو حاضر دربار ہونے کی ترغیب دی، چنانچہ وہ مصر کی طرف روانہ ہوا، اور جب وہان پہنچا تو حاکم نے اس کا استقبال کیا اور نہایت عزت کے ساتھ اس کو اپنا مہمان بنایا، جب سفر کی تکان دور ہو گئی تو دریائے نیل کے متعلق اس نے جو وعدہ کیا تھا حاکم نے اس کے ایفار کا مطالبہ کیا اور وہ کاریگرون کی ایک جماعت کے ساتھ اس کام کے لیے روانہ ہوا، لیکن تمام ملک مین دورہ کرنے سے اوسکو گذشتہ قومون کی تعمیری یادگارون مین انجینیری کے جو عجیب غریب کارنامے نظر آئے اوس نے اُس کو یقین دلادیا کہ جو اسکیم اس نے بنائی تھی اسکی تکمیل ناممکن ہے، اگر یہ ممکن ہوتا تو گذشتہ قومین اس پر عمل کر چکی ہوتین، اس لیے اسکی ہمت ٹوٹ گئی، جس بلند مقام سے نیل کا پانی گرتا ہے، اس نے اس کا معائنہ کیا اور دونون جانب سے اسکی جانچ پڑتال کی تو معلوم ہوا کہ اس کا مقصد پورا نہین ہوسکتا، اب وہ ناکام اور نادم ہوکر واپس آیا اور حاکم سے معذرت چاہی جس کو اس نے قبول کرلیا، اس کے بعد حاکم نے اوسکو بعض دفترون مین ملازم رکھ لیا، جسکو اس نے صرف خوف سے قبول کیا، لیکن چونکہ حاکم سخت متلون المزاج اور سفاک وظالم تھا اور بلا سبب لوگون کو قتل کردیا کرتا تھا اسلیے ابن ہیثم نے اس تعلق سے آزادی حاصل کرنا چاہی اور جنون و وحشت کا اظہار کیا اور حاکم کے زمانہ وفات تک اسی حالت مین رہا، لیکن حاکم کی وفات کے بعد پھر اپنی اصلی حالت پر آگیا اور اپنے گھر سے نکل کر جامع ازہر کے دروازے کے قبہ مین اقامت گزین ہوگیا اور

۱؎ طبقات الاطباج ۲ ص ۹۰

زاہدانہ زندگی بسر کرنا شروع کی اور تصنیف و تالیف مین مشغول ہوگیا اور اسی حالت مین ۴۳۰ھ کے حدود یا اس کے کچھ دنون بعد وفات پائی،[۱]

ابن ہیثم نے ریاضی اور ہندسہ کے متعلق جو کتابین لکھی تھین اُن مین ایک کتاب فن تعمیر کے متعلق بھی تھی، تعمیرات کے علاوہ ہندسہ اور ریاضی سے اور بہت سے عملی کام لیے جا سکتے ہین اور مسلمان ریاضی دانون مین بھی متعدد لوگون کے نام ملتے ہین جنھون نے اپنی ریاضی دانی سے اس قسم کے عملی کام کئے مثلاً ابوالفضل محمد بن عبدالکریم جو ہندسہ دانی مین کمال پیدا کرنے کی وجہ سے مہندس کے لقب سے مشہور تھا، ابتدا مین بخاری اور سنگتراشی کا پیشہ کرتا تھا، اور انھین پیشون کی تکمیل کے لیے اس نے اقلیدس کی تعلیم حاصل کی تھی، خود اس کے ایک دوست کا بیان ہے کہ وہ اس زمانے مین مسجد خاتون مین کام کرتا تھا، اور ہر صبح کو جب وہان پہنچتا تھا تو اقلیدس کی کوئی نہ کوئی بات یاد کرلیتا تھا، راستے مین اور کام سے فارغ ہونے کے بعد بھی اقلیدس کی شکلین حل کرتا رہتا تھا یہان تک کہ جب وہ پوری اقلیدس کو حل کرچکا تو مجسطی کی طرف متوجہ ہوا اور رفتہ رفتہ ہندسہ کی طرف پوری طور پر متوجہ ہوگیا اور اس مین شہرت حاصل کر لی،

نورالدین بن زنگی نے جو بہت بڑا شفاخانہ بنوایا تھا اس کے اکثر دروازے ابوالفضل ہی نے بنائے تھے، اور جامع دمشق کی گھڑیون کی اصلاح بھی اوسی نے کی تھی اور انکی حفاظت و نگہداشت پر اس کو وظیفہ ملتا تھا،

ابوالفضل نے ۵۹۹ھ مین وفات پائی،[۳]

مہذب الدین احمد بن الحاجب کا نام بھی اسی سلسلے مین داخل ہے، وہ دمشق مین پیدا ہوا اور وہین نشو و نما پائی، ایک مدت تک مہذب الدین بن النقاش سے علم طب کی تعلیم حاصل کی

۱؎ اخبار الحکما صفحہ ۱۱۰ - ۱۱۵ ۲؎ مفتاح السعادۃ جلد اول صفحہ [illegible] طبقات الاطبا جلد ۲ صفحہ ۱۹۰ ۳؎ طبقات الاطبا صفحہ [illegible]

اس کے بعد جب شرف الدین طوسی جو علوم حکمیہ و ریاضیہ مین نہایت کمال رکھتا تھا موصل مین آیا تو ابن حاجب اور حکیم موفق الدین عبدالعزیز اس سے تعلیم حاصل کرنے کے لیے موصل مین آئے، لیکن وہان پہنچکر معلوم ہوا کہ وہ طوس کو روانہ ہو گیا ہے، چنانچہ ان دونون نے وہان ایک مدت تک قیام کرکے اس سے فائدہ اٹھایا، اس کے بعد ابن حاجب نے اربل کا سفر کیا اور اسکی شاگردی اختیار کی، اور اس نے جو زیج تیار کی تھی اس کے ساتھ اسکو حل کیا، اوس نے اگرچہ علم طب کی تعلیم بھی حاصل کی تھی لیکن اس نے علم طب مین بعد کو شہرت حاصل کی اور پہلے ریاضی دانی مین زیادہ مشہور ہوا، چنانچہ اسی تعلق سے جامع دمشق کی گھڑیون کے متعلق کام کرتا رہا، اس کے بعد طب مین شہرت حاصل کی اور متعدد سلاطین کے دربار مین طبی خدمات انجام دین[1]،

مسلمان ریاضی دانون مین محمد بن علی بن رستم خراسانی نے گھڑی سازی مین زیادہ کمال پیدا کیا تھا، اس لیے وہ ساعاتی کے لقب سے مشہور تھا، اور نورالدین محمود بن زنگی کے عہد مین جامع دمشق کے دروازون کی گھڑیان اسی نے بنائی تھین، اور اس پر اوسکو معقول انعام و وظیفہ ملتا تھا، اور اس نے اپنی وفات تک یہی خدمات انجام دی تھین[2]

ابوزکریا یحییٰ البیاسی بھی بہت بڑا ریاضی دان تھا، اور اس نے اپنی ریاضی دانی سے متعدد عملی کام کئے تھے، وہ اندلس کا رہنے والا تھا، لیکن بعد کو مصر مین چلا آیا اور وہان ایک مدت تک قیام کیا اس کے بعد دمشق کی سکونت اختیار کی اور وہان ابن نقاش بغدادی سے تعلیم حاصل کرتا رہا، وہ بخاری سے بھی واقف تھا اور ابن نقاش کے لیے متعدد آلات بنائے تھے جنکا تعلق علم ہندسہ سے تھا، وہ موسیقی مین بھی کمال رکھتا تھا اور ایک ارگن باجہ تیار کیا تھا[3]،

مسلمانون مین سے سب سے بڑے ریاضی دان بنو شاکر گذرے ہین، اور علم جر ثقیل مین اون کی

---

[1] طبقات الاطباء جلد دوم صفحہ ۱۰۲، [2] ،، صفحہ ۱۸۴، [3] ،، صفحہ ۱۶۳،

کتاب حیل بنی موسیٰ کے نام سے مشہور ہے، ہم کو معلوم نہین ہے کہ خود بنو شاکر نے اس فن سے کوئی علمی کام لیا تھا یا نہین؟ تاہم ہم کو اس قدر معلوم ہے کہ بعض ریاضی دانون نے اس کتاب سے فائدہ اٹھایا اور اس سے بہت سے علمی کام لیے، چنانچہ طبقات الاطبا مین سدید الدین بن رقیقہ کے حال مین لکھا ہے،

ونظر فی حیل بنی موسی وعمل منھا اشیاء مستطرفة[1] — اس نے حیل بنی موسیٰ کو دیکھا اور اس سے بہت سی نادر چیزین بنائین،

مسلمان انجنیرون مین سب سے بڑا علمی کام ابو الصلت امیہ بن عبدالعزیز بن ابی الصلت نے کرنا چاہا تھا، اور گو اس کو اس مین نہایت افسوسناک طور پر ناکامی ہوئی تاہم اس ناکامی کا تعلق صرف آخری نتیجہ سے ہے، ورنہ جہان تک فن انجنیری کا تعلق ہے اس نے تمام آلات فراہم کر لیے تھے، اور ایک حد تک نتیجہ مین بھی کامیاب ہو گیا تھا،

علامہ ابن ابی اصیبعہ نے طبقات الاطبا مین اس علمی کام کی تشریح ان الفاظ مین کی ہے:

> اسکندریہ مین پیتل سے لدا ہوا ایک جہاز پہنچا اور وہ اس کے قریب غرق ہو گیا، اور چونکہ سمندر کی گہرائی کی مسافت بہت زیادہ تھی اس لیے ان کے پاس اس کے بچانے کی کوئی تدبیر نہ تھی، لیکن ابو الصلت نے اس معاملہ مین خوب غور کیا تو اس کو ایک تدبیر معلوم ہوئی اور اس نے افضل بن امیر الجیوش شاہ اسکندریہ سے ملاقات کر کے یہ ظاہر کیا کہ اگر تمام ضروری آلات مہیا کر دیئے جائین تو وہ جہاز کو مع اس کے سامان کے نکال سکتا ہے اس نے تعجب اور مسرت کے ساتھ اس کو اجازت دی اور تمام آلات مہیا کر دیئے، اور اس پر بہت سا روپیہ صرف کیا، جب یہ تمام آلات مہیا ہو گئے تو اس نے ان سب کو ایک بڑے جہاز مین رکھا،

[1] طبقات الاطبا جلد دوم صفحہ ۲۰۴،

اور اسکو ڈوبے ہوئے جہاز کے سامنے کھڑا کیا اور اسکی طرف ریشم کی بٹی ہوئی رسیان لٹکائین اور ایک جماعت کو جسکو بحری امور سے واقفیت حاصل تھی حکم دیا کہ غوطے لگائین اور رسیون کو ڈوبے ہوئے جہاز مین باندھ دین، جس جہاز مین وہ لوگ تھے اُس نے اس مین وزنی چیزون کے اٹھانے کے لیے ہندسی اشکال کے مطابق آلات بنائے تھے، اور ان آلات سے کام لینے کا طریقہ اس جماعت کو بتا دیا تھا، چنانچہ وہ لوگ اس طرح کام کرتے رہے، اور آہستہ آہستہ ریشمی رسیان انکی طرف اٹھتی ہوئی چلی آتی تھین، اور ان کے سامنے چرخون پر لپٹتی جاتی تھین، یہان تک کہ ڈوبا ہوا جہاز نمایان ہوگیا اور پانی کی سطح تک ابھر آیا لیکن اس کے بعد ریشم کی رسیان ٹوٹ گئین اور جہاز پھر ڈوب گیا، ابو الصلت نے اپنی صنعت و تدبیر مین بے شبہ نہایت مہارت سے کام لیا تھا لیکن تقدیر نے اوسکی مساعدت نہین کی اور بادشاہ کو اس تاوان اور آلات کے ضائع ہونے پر بہت غصہ آیا اور اوس کے قید کرنے کا حکم دیا،[۱]

مہندسین اسلام کے نامون کی یہ ایک نہایت مختصر فہرست ہے، ورنہ تاریخ اسلام کے ہر دور مین تعمیرات وغیرہ کے متعلق جس کثرت سے عملی کام ہوتے رہے ہین، اوس کے لحاظ سے ہم کو یقین ہے کہ مسلمانون مین انجنیرون کی ایک بہت بڑی جماعت موجود تھی جنکے حالات مین اگرچہ مستقل کتابین نہین لکھی گئین تاہم ضمنی طور پر ان کے نام مختلف تاریخون مین مل سکتے ہین،

---

[۱] طبقات الاطبار جلد دوم صفحہ ۵۳

علم التاریخ

از

سید محمد محسن ترمذی، ادیب فاضل

تاریخ کی تعریف دنیا میں جتنے کام ہو رہے ہیں، ان سب کی وجوہات کچھ عرصہ پہلے معرض وقوع میں آچکی ہوتی ہیں، اسباب و علل شروع سے ہی پیدا ہوتے رہتے ہیں اور ان سب کے ملجانے سے کام کی جو صورت پیدا ہو جاتی ہے وہ فعل اصلی یا واقع کے نام سے مشہور ہو جاتی ہے، اسی طرح اور بہت سے طریقوں سے اس نظریہ کو تقویت حاصل ہوتی ہے، چنانچہ اسی قبیل سے علم التاریخ ہے، دور تمدن سے پہلے بھی اس کا ہیولی موجود تھا، مگر تمدن کے زمانہ میں پہنچکر اس نے ایک باقاعدہ شکل اختیار کرلی جس کا نام معروف عوام ہے، تاریخ کی تعریف ایک بڑے مصنف نے یہ کی ہے کہ فطرت کے واقعات نے انسان کے حالات میں جو تغیرات پیدا کئے ہیں، اور انسان نے عالم فطرت پر جو اثر ڈالا ہے ان دونوں کے مجموعہ کا نام تاریخ ہے، ایک اور حکیم نے یہ تعریف کی ہے کہ ان حالات اور واقعات کا پتہ لگانا جنسے یہ دریافت ہو کہ موجودہ زمانہ گذشتہ زمانے سے کیونکر بطور نتیجہ کے پیدا ہو گیا ہے، یعنی چونکہ یہ مسلم ہے کہ آج دنیا میں جو تمدن، معاشرت، خیالات، مذاہب موجود ہیں سب گذشتہ واقعات کے نتائج ہیں جنکو خواہ مخواہ ان سے پیدا ہونا چاہیئے تھا، اسلیے ان گذشتہ واقعات کا پتہ لگانا اور ان کو اس طرح ترتیب دینا جس سے ظاہر ہو کہ موجودہ واقعہ گذشتہ واقعات سے کیونکر پیدا ہوا اسی کا نام تاریخ ہے، گویا تاریخ میں دو باتیں ضرور مذکور ہونی چاہئیں جنکے بغیر یہ کام ادھورا ہی رہتا ہے، اولاً جس عہد کا حال قلمبند کیا جائے اس کے مختلف جزئیات پر بحث ہونی لازمی امر قرار دے لیا جائے، یعنی تمدن، اخلاق، طرز معاشرت، طرز حکومت، عادات اور تعلیم و تربیت پر اچھی طرح روشنی ڈالی جائے، ثانیاً

تمام واقعات مین سبب اور مسبب کا سلسلہ تلاش کیا جائے،

تاریخون کے نقص اور ان کے اسباب، قدیم تاریخون مین یہ دونون چیزین مفقود ہین رعایا کے اخلاق وعادات اور تمدّن ومعاشرت کا تو سرے سے ذکر ہی نہین آتا، فرمانروائے وقت کے حالات ہوتے ہین لیکن ان مین بھی فتوحات اور خانہ جنگیون کے سوا اور کچھ نہین ہوتا، یہ نقص محض ہندوستانی یا مشرقی تواریخ مین ہی نہین بلکہ مغربی تواریخ کا بھی یہی انداز تھا اور ایسا ہونا مقتضائے انصاف تھا مشرق ومغرب مین ہمیشہ شخصی حکومتون کا رواج رہا اور فرمانروائے وقت کی عظمت واقتدار کے آگے تمام چیزین ہیچ ہوتی تھین ان کا لازمی اثر یہ تھا کہ تاریخ کے صفحون مین شاہی عظمت وجلال کے سوا اور کسی چیز کا ذکر نہ آئے، اور چونکہ اس زمانے مین قانون اور قاعدہ جو کچھ تھا بادشاہ کی زبان تھی اسلیے سلطنت کے اصول اور آئین کا بیان کرنا بھی گویا بیفائدہ تھا، ایک اور بڑا سبب یہ بھی ہے کہ آج تک یہ فن علم ادب کے جاننے والون ہی کے ہاتھ مین رہا ہے، ورنہ جو جو خلاف عادت واقعات تواریخ قدیمہ مین بکثرت پائے جاتے ہین بالکل نظر نہ آتے، علم ادب مین صداقت واقعات کی طرف اتنی توجہ مبذول نہین کیجاتی جتنی کہ اس سے دلکش اور دلفریب بنانے مین خرچ کیجاتی ہے، مؤرخ تاریخ جیسے سنجیدہ مضمون کو افسانون کی طرز مین ادا کرتا ہے جس سے کہ اصل واقعہ سے لازمی طور پہ کنارہ کشی کرنی پڑتی ہے، اس کے علاوہ یہ نقص بھی بکثرت پایا گیا ہے کہ مؤرخ جس عقیدہ کا ہوتا تھا اپنے ہم عقیدہ فرمانرواؤن کی خوب جی بھر کر قصیدہ خوانی کرتا تھا اور اپنے مخالفین کی ہجو مین پورے طور پہ زور قلم دکھاتا تھا

تاریخ کا ماخذ، گذشتہ واقعات اور خاص کر ایام جاہلیت کے حالات ہماری نظرون سے اوجھل مین متفرق واقعات کے ملانے سے چند سلسلہ وار واقعات بنائے گئے ہین اور یہی ان ایام کی تاریخ ہے، ہم تک ان واقعات کے پہنچنے کے چند ذرائع ہین جنکی بدولت ہم ان سے آگاہ ہوئے ہین،

کتب مذہبی، اس سلسلہ مین سب سے پہلے مذہبی کتب کو اہمیت حاصل ہے، احکام مذہبی کی بدولت

بہت کچھ یہ پتہ چلتا ہے کہ جن لوگون کے لیے یہ صادر کئے گئے تھے وہ کس قماش کے تھے، مزید بران انجیل، توریت، زبور اور قرآن مجید مین تو ابتدا ئے آفرینش سے لیکر ان کتابون کے نازل ہونے کے وقت تک کے اکثر واقعات ضرور مذکور ہین، بنی اسرائیل کا واقعہ جس سے کہ مؤرخ بہت کچھ نتائج پیش کر سکتے ہین، قرآن شریف مین مفصل موجود ہے، رامائن اور مہابھارت جو ہندؤن مین مذہبی کتابون کا درجہ رکھتی ہین ہندوستان کی تاریخ کے دو معرکۃ الآرا واقعات کی مفصل کہانیان ہین، جن سے نہ محض ان کی طرزِ حکومت کا پتہ چلتا ہے بلکہ اس کے پہلو بہ پہلو لوگون کی عادات، اطوار، اخلاق اور طرز معاشرت پر بھی اچھی خاصی روشنی پڑتی ہے، مسلمانون مین قرآن مجید سے دوسرے درجہ پر فرمان رسول صلعم یعنی حدیث ہے، احادیث مین واقعات جس صحت اور اصول روایت و درایت پر پرکھ کر مندرج کئے گئے ہین وہ محتاج بیان نہین، ان واقعات سے بھی اس زمانے کی روش زندگی اچھی طرح ظاہر ہوتی ہے، گویا تاریخ کے ماخذ کے سلسلہ کی سب سے پہلی کڑی مذہبی کتب ہین،

سیر سلاطین مذہبی کتب سے دوسرے درجہ پر سیر سلاطین ہین، بعض فرمانروا اپنے حالات زندگی تو خود ہی قلمبند کرتے تھے اور بعض کے حالات لوگون نے تحریر کئے ہین، مثلاً مغل سلاطین نے اس کام مین خاص درجۂ امتیاز حاصل کیا ہے، بابر کی توزک کو کون نہین جانتا، جس جس ملک مین وہ پہنچا ہے وہان کے حالات اس خوبی اور خوش اسلوبی سے سلکِ تحریر مین منسلک کئے ہین کہ خود اہالیانِ ملک بھی اس خوبی سے تحریر کرنے سے قاصر رہتے، چنانچہ اپنے سفرِ ہندوستان کے دوران مین یہان کی ہر چیز پر مفصل و مکمل بحث اسکی توزک مین موجود ہے، یہان کی آب و ہوا، پیداوار، باشندے اور دیگر حالات ملکی، نہایت عمدگی سے لکھے ہین، اور ایک بابر پر کیا منحصر ہے، جہانگیر اورنگ زیب سب کے سب ملکی حالات اچھی طرح سے قلمبند کرتے رہے ہین، وہ سوانحعمریان جو اور لوگون نے بادشاہون کی تحریر کی ہین خواہ نظم ہون یا نثر واقعاتِ گذشتہ کی دھندلی سی تصویر تو ضرور پیش کرتی ہین، لیکن صداقت

سے نظم مین اکثر پردے ہٹ کر چلنا پڑتا ہے، مگر پھر بھی ان سے بہت کچھ مدد ملتی ہے، شاہنامہ اور سکندر نامہ سے کون واقف نہیں اگرچہ وہ ادبی نقطۂ نظر سے تحریر کیگئی ہین اور صداقت کی بجائے مضمون آفرینی کا زیادہ خیال رکھا ہے مگر وہ بھی ایک عمدہ تاریخ کی فہرست مین نہین تو درمیانی درجہ مین ضرور شامل کیجا سکتی ہین،

آثار قدیمہ | ان کے بعد آثار قدیمہ کا نمبر آتا ہے، پرانے زمانے کی عمارتین اپنے بنانے والے کی عظمت و صولت زبان حال سے پکار پکار کر سنا رہی ہو، ان سے لوگون کی صنعت و حرفت کا نقشہ دل پر اچھی طرح سے جم جاتا ہے، اشوکا، بکرماجیت کے وقت کی عمارتون سے جو نواح بنارس اور آگرہ مین پائی جاتی ہین، صاف پتہ چلتا ہے کہ ان لوگون مین فن تعمیر کا ملکہ کہان تک ترقی پذیر تھا، قطب صاحب کی لاٹ تاج محل آگرہ اپنے زمانۂ تعمیر کے لوگون کی قابلیت اور مذاق عام کا اچھی طرح نشان دیتی ہین ایک عمارتون پر ہی کیا منحصر ہے زمانۂ قدیم کی ہر چیز واقعات گذشتہ کی سچی تصویر کھینچ دیتی ہی پرانے زمانے کے آلات حرب و سامان رہائش سے لڑنے اور رہنے سہنے کا طریقہ اچھی طرح معلوم ہوتا ہی گویا آثار قدیمہ بھی تاریخ کا ایک زبردست ماخذ ہین،

زبانی روایتین | جہان واقعات گذشتہ کے معلوم کرنے کے اور بیشمار ذرائع ہین وہان ایک ذریعہ یہ بھی ہی کہ اپنے بزرگون سے سینہ بسینہ واقعات گذشتہ ہم تک پہنچتے ہین، اکثر واقعات ایسے مین جو تاریخ مین مذکور نہین ہین مگر زبان زد خلائق ہین اور ان کی صداقت پر خود ان کی ذات ہی گواہ ہے کیونکہ وہ نہایت معقول اور سنجیدہ ہین، اور اگر سچ پوچھو تو سب سے معتبر ذریعہ یہی ہے احادیث رسول جو آج عالم اسلام مین ہر طفل مکتب کی نوک زبان ہین سب کی سب محدثین تک ایک دوسرے کی معرفت پہنچتی ہین، اب رہا یہ معاملہ کہ کسی راوی نے وہ واقعہ جھوٹ موٹ نہ بنا دیا ہو یہ اچھی طرح سے تحقیق کر لیا جاتا ہے کہ راوی کس شخصیت کا آدمی تھا اور کیا یہ اس سے ممکن نہ تھا کہ اس نے یہ

واقعہ دیکھا، لیکن بحث طویل ہے ہم اس مضمون مین آگے چل کر بتائین گے کہ کس طرح واقعات کی نسبت صداقت کا یقین کیا جاسکتا ہے،

صحت واقعات ہم نے اپنے مضمون کی گذشتہ سطور مین قدیم تاریخ کے نقص بیان کرتے ہوئے اس امر کو واضح کر دیا تھا کہ تاریخ قدیم مین واقعات کی صحت کا خاص خیال نہین رکھا گیا، واقعات کی صحت تاریخ مین اسی قدر ضروری ہے جس قدر زندگی کے لیے ہوا، کیونکہ اس کے بغیر تاریخ صحیح معنون مین تاریخ نہین رہتی بلکہ ناول یا افسانہ بنجاتی ہے، اور وہ فوائد جو اصل مضمون سے دنیا کو حاصل ہوتے ہین ان سے محروم رہنا ایک یقینی امر ہوجاتا ہے، ہم ذیل کی چند سطور مین اس امر کو ناظرین کے ذہن نشین کرنے کی کوشش کرین گے کہ واقعات گذشتہ کو کس کسوٹی پر پرکھنے سے ان کی اصلیت معلوم ہوسکتی ہے:-

اولاً یہ معلوم کرنا ضروری ہے کہ جو واقعہ مورخ بیان کر رہا ہے کیا اسکا ہونا ممکن بھی ہے یا محض زبانی جمع خرچ ہے، مثلاً اگر مؤرخ بیان کرے کہ فلان بہادر نے فلان پہاڑ کو ہاتھ پر اٹھالیا، تو مذہبی حیثیت سے ہم اس واقعہ کو تسلیم کرلین گے مگر عقل سلیم صاف بتائے گی کہ اس کا ہونا ناممکن ہے اسی طرح اور بہت سے واقعات تاریخ مین نظر آئین گے جو اصول عادت کی رو سے ممکن نہین ہین،

ثانیاً یہ دیکھنا بھی ضروری ہے کہ جو واقعہ ہوا ہے عام لوگون کا میلان بھی اس طرف ہے یا نہین، اگر یہ ثابت ہوجائے کہ عام لوگون سے یہ توقع ہوسکتی تھی کہ وہ واقعہ ظہور مین آتا تو ہم یہ کہہ سکتے ہین کہ یہ واقعہ درست ہے، مثلاً روما کی سلطنت مین "سیانی" کے مظالم بڑی کثرت سے ہوا کرتے تھے آج بادی النظر مین اس کا ہونا ناممکن نظر آتا ہے، مگر حقیقت یون ہے کہ دولت کی افزونی نے اہل روما کو تفریح طبع کے مشاغل ڈھونڈھنے کا عادی بنا دیا تھا، چنانچہ جدت پسند طبائع نے اول اول مینڈھون، بکرون اور مرغون کو آپس مین لڑانا شروع کیا، رفتہ رفتہ آدمی

ننگی تلواریں ہاتھ میں لیے مصنوعی لڑائی نہیں بلکہ اصلی جنگ سے بھی زیادہ خوفناک لڑائی شروع کر دیتے،
بادی النظر میں ان خوفناک مظالم کا پیش آنا محض افسانوں تک محدود نظر آتا ہے مگر واقعات ایسے تھے
اور لوگوں کی طبائع ایسی ہی ہو چکی تھیں کہ یہ واقعہ پیش آتا، اس سے واضح ہو گیا کہ امتحان صداقت
کا دوسرا ذریعہ یہ ہے کہ اس عہد کے لوگوں کے میلان عام کو دیکھا جائے اور پھر اس سے نتیجہ پر پہنچا جائے
تو کامیابی کی زیادہ توقع ہے، ثالثاً یہ معلوم کرنا بھی ضروری ہے کہ جو واقعہ کہ مذکور ہو رہا ہے اگر
کسی حد تک غیر معمولی ہے تو اسی نسبت سے ثبوت کی شہادت قوی ہے یا نہیں یعنی اگر کوئی معمولی
آدمی ہو اور اس سے کوئی بڑا کام سرانجام پا جائے یا اس کو کسی اعلیٰ عہدہ پر سرفراز کر دیا جائے
اور وہ کوئی خاص کام کر دے جو چنداں معمولی نہ ہو بلکہ ایک خاص اہمیت لیے ہوئے ہو ایسے موقعہ
پر ہمارا فرض یہ ہونا چاہیئے کہ اس ثبوت کو معلوم کریں جسکی بنا پر مورخ کو یہ تحریر کرنے کی جرأت ہوئی
اگر ثبوت کسی ثقہ اور متین آدمی کی طرف سے یا معتبر مصنف کی تصنیف ہے تو وہ واقعہ قابل یقین
ہوگا، ورنہ برعکس، مثال کے طور پر نظام سقہ اور ہمایوں کا واقعہ ہے جو عام تاریخوں میں مذکور ہے، یہ
واقعہ کوئی معمولی واقعہ نہیں ہے، ایک پانی بھرنے والے کا اقلیم ہندوستان پر جلوہ افروز ہو جانا اور
اپنے نام سے احکام اور فرامین جاری کرنا کوئی معمولی واقعہ نہیں ہے، ایسے موقعہ پر ہم لازمی طور پر
ثبوت کی وقعت کو دیکھیں گے اور اس سے صحیح نتیجہ پر پہنچنے کی کوشش کریں گے،

تاریخ اور دور تمدن ہمارے اس مختصر سے مضمون میں جو کچھ ابھی تک مذکور ہوا ہے وہ محض زمانۂ گذشتہ اور
خاص کر زمانۂ جاہلیت کی تاریخ سے تعلق رکھتا تھا اب ہم اس مقام پر پہنچتے ہیں کہ دور تمدن میں تاریخ
کی کیا حالت ہے؟ تاریخ کو جو اہمیت دور تمدن میں حاصل ہوئی ہے وہ اہمیت زمانہ جاہلیت میں اسے
بالکل حاصل نہ تھی، آثار قدیمہ جو گذشتہ زمانے کی یاد کو تازہ کرتے ہیں آجکل یعنی دور تمدن میں ایک
خاص اہمیت لئے ہوئے ہیں دولت برطانیہ نے ایک محکمہ آثار قدیمہ قائم کیا ہے جس کے عملہ کا

کا فرض صرف یہ ہے کہ آثارِ قدیمہ کی حفاظت خاطر خواہ کیجائے، یہ جد وجہد محض اسی لیے ہے کہ وہ تاریخ کے ایک زبردست ماخذ ہین اور ان کا قائم رکھنا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اس فن کو فنونِ ضرور یہ مین جگہ مل چکی ہے، علاوہ ازین گذشتہ زمانہ کے آلاتِ حرب اور دیگر سامانِ معیشت جہان کہین سے مہیا ہوتے ہین عجائب خانون مین بحفاظت تمام رکھے جاتے ہین، مزید معلومات بہم پہنچانے کے لیے گورنمنٹ عالیہ ہر وقت کوشان رہتی ہے چنانچہ شمالی پنجاب مین حال ہی مین ایک زمین دوز شہر جو اشوک کے وقت کا معلوم ہوتا ہے نکلا ہے، اور ماہرین کیمیا نے بتایا ہے کہ کسی سخت بھونچال کی وجہ سے یہ شہر دب گیا ہے، زمین کھودی جارہی ہے اور پرانی اشیا مقدار کثیر مین ہاتھ لگتی ہین، یہ سب کوششین محض اسی لئے ہین کہ گذشتہ زمانے کی نسبت جس قدر بھی معلومات بہم پہنچ سکتی ہین، بہم پہنچائی جائین تاکہ فن تاریخ مکمل صورت مین دنیا کے سامنے پیش کر دیا جائے، یونیورسٹیون مین بھی اس فن کو خاص اہمیت حاصل ہے، طلبار کو اس شاخ مین ایک نمایان ترقی حاصل کرنے کے مواقع دیئے جاتے ہین، بڑی بڑی مجالس محض اس فن کی تکمیل کے لیے بنی ہوئی ہین اور وہ ہمیشہ اپنی طرف سے بڑے بڑے لائق لوگون کو محض انھی معلومات مین اضافہ کرنے کے لیے بھیجتی رہتی ہین ان سب باتون سے معلوم ہوتا ہے کہ تاریخ زمانۂ گذشتہ کی طرح اب نامکمل اور ادھوری نہ رہے گی، بلکہ اس مین ہر قسم کی معلومات کا ایک ذخیرۂ عظیم نظر آئے گا، وہ ماضی کی ایک سچی تصویر ہوگی، اور آئیوالی نسلون کو ان کے اسلاف کے کارہائے نمایان اچھی طرح بتایا کرے گی،

فوائد مطالعۂ علم التاریخ تاریخ کی اہمیت اس کے ماہرین کو اچھی طرح سے معلوم ہے عوام الناس کے لیے یہ محض افسانہ ہے اور اکثر لوگ اسے پڑھتے بھی اسی لئے ہین مگر اس کے برعکس تاریخ ایک مفید مضمون ہے، چنانچہ ذیل کی چند سطور مین ہم اس کے چند بڑے بڑے فوائد قلمبند کرتے ہین جس سے اچھی طرح عیان ہوجائیگا کہ تاریخ کس قدر اہم مضمون ہے،

اصلاحِ اخلاق سب سے بڑا فائدہ جو مطالعہ علم تاریخ سے حاصل ہوتا ہے یہ ہے کہ انسان کا اخلاق بہتر اور عمدہ بن سکتا ہے، جیسا کہ ہم ذکر کر آئے ہیں تاریخ میں گذشتہ اقوام کے ہر فعل پر بحث ہوتی ہے، اخلاق، تمدن اور معاشرت وغیرہ سب کچھ اس میں مفصل اور مکمل طور پر بتایا جاتا ہے، مطالعہ تاریخ سے لازمی طور پر ہم لوگوں کے اشغال روزانہ سے مطلع ہو جائیں گے، اُن کے عادات و اطوار بھی ہم سے پوشیدہ نہ رہینگے، اور اس کے بعد جو نتائج کہ حاصل ہوئے ہونگے وہ بھی ہم سے چھپے نہ رہیں گے، اگر ان کاموں کا نتیجہ اچھا رہا ہوگا تو یقینی طور پر ہم کو بھی اس اچھے کام کرنے کی ترغیب ہوگی، مثال کے طور پر ہم تاریخ ہند کے ایک اہم واقعہ کو لیتے ہیں جے چند اور پرتھوی راج جو بھائی بھائی تھے، کس طرح دوسری اجنبی قوم کے ہاتھوں تباہ ہوئے، آپس کی مخالفت نے کسی کو بھی چین سے نہ بیٹھنے دیا، آخر کار دونوں فنا ہو گئے اور ایک تیسرا غیر شخص آکر کشورِ ہندوستان پر جلوہ فرما ہو گیا، کوروؤں کے پانڈوؤں کو دھوکا دینے اور انھیں سخت اذیتیں پہنچانے کے حالات سے کون ناواقف ہے، اور آخر جو اُنکا انجام ہوا وہ بھی اظہر من الشمس ہے، سری رام چندر جی کی اطاعتِ والدین ان کے دنیا میں نامور ہونے کا ایک بڑا زبردست ذریعہ ہے، ان واقعات کو پڑھ کر ہمارے دلوں میں تحریک ہوتی ہے کہ اچھے لوگوں کا اتباع کریں، صداقت کے لیے جان دیدینا اور حق پر دنیا کو لات مارنا ایک مسلمہ نیک کام ہے مگر لوگوں کو اگر یہ نصیحت محض انھی خشک الفاظ میں کہی جائے تو ان پر کوئی اثر نہیں پڑتا، ہاں کسی تاریخی واقعہ سے نتیجہ نکال کر ان کے قلوب کو مسخر کرنا اور ہی معنی رکھتا ہے، قصہ کوتاہ مطالعہ علم تاریخ کا روحانی فائدہ اصلاحِ اخلاق ہے اور یہی وہ فائدہ ہے جس سے انسان میدانِ ترقی میں گامزن ہو سکتا ہے،

تعلیم و تربیت میں اصلاح تعلیم و تربیت ایک ایسا اہم مضمون ہے کہ ہر کہ ومہ اس سے بخوبی واقف ہے، اقوامِ عالم کی ترقی کا دار و مدار بہت کچھ اسی پر ہے، تاریخ کا مطالعہ ہمیں پرانے طرزِ تعلیم سے واقف کریگا

اور جو نقائص یا محاسن اس طرز عمل میں تھے' ان سے بھی ہمیں ضروری طور پر آگاہی دلائے گا، جن سے ہم اپنے طرز تعلیم کو عمدہ اور مفید مطلب بنا سکتے ہیں، گذشتہ زمانہ میں ذہنی تعلیم پر زیادہ زور دیا جاتا تھا جس سے انسان کے قوائے ذہنیہ کو تو ضرور ترقی ہوتی تھی مگر طالب علم خود کسی فعل پر اقدام نہ کر سکتے تھے، بعض ممالک میں اب بھی اوسی فرسودہ طریقہ پر عمل ہو رہا ہے، چنانچہ جیسا کہ موسیو لیبان اپنی تصنیف سائیکالوجی آف دی کراؤڈ یعنی روح الاجتماع میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"ایک بڑی اصل جس پر ہماری تربیت کی بنیاد رکھی گئی ہے یہ ہے کہ قوت حافظہ عقل کو ترقی دیتی ہے' اس سے ہماری تعلیم میں اس بات کا زیادہ خیال کیا جاتا ہے کہ حتی الامکان قوت حافظہ کو ترقی دینا چاہیئے اور اس اصول پر اس مضبوطی سے عمل کیا جاتا ہے کہ پرائمری اسکولوں کا بجوں بلکہ ٹرینگ کالجوں میں بھی قوت حافظہ ہی پر زیادہ زور دیا جاتا ہے جسکا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ طالب علم از خود کسی عمل پر اقدام نہیں کر سکتے کیونکہ تعلیم کا مدعا تو ان کی نگاہ میں اب صرف یہ رہ گیا ہے کہ وہ واقعات کو حفظ کر لیں اور دوسروں کی آراء کے آگے سر جھکا دیں"

موسیو لیبان نے جو ایک فرانسیسی فاضل تھے' فرانس کی تعلیمی حالت کا نقشہ کھینچا ہے مگر زمانۂ ماضی میں ایشیا میں بھی زیادہ تر تعلیم کا مقصد یہی خیال کیا جاتا رہا ہے، تاریخ سے ہم کو معلوم ہو جاتا ہے کہ کن کن معائب نے اس تعلیم کو نقائص کا مجموعہ بنا دیا اور کس طرح ہم ان کو متبدل بمحاسن کر سکتے ہیں، برطانیہ نے اسی لیے تعلیم کی نسبت عمل پر زیادہ زور دیا ہے اور اسی میں ترقی کا راز مضمر ہے، چنانچہ موسیو ٹائن نے لکھا ہے کہ انگلستان میں ڈاکٹر ہسپتالوں میں اور انجنیر کارخانوں میں پیدا کئے جاتے ہیں، نہ کہ کالج کی شاندار عمارتوں میں' اور یہی انگلستان کے مطالعۂ تاریخ کے بعد تجارب کا نتیجہ ہے کہ وہاں کے تعلیم یافتہ وہ کام جنکو ہم رذیل خیال کرتے ہیں، خوشی خوشی کرتے ہیں، ناظرین سمجھ گئے ہوں گے کہ وہ سب کام جنھیں اہل فرانس باعث ذلت سمجھتے ہیں،

انھین مین ولایت والون کی ترقی کا راز پنہان ہے، یہ ایسا کیون ہے محض اسلیے کہ فرانس کی تعلیم ان کے طرز معاشرت کے مطابق نہین ہے اور یہ محض اسلیے ہے کہ اہل فرانس مطالعۂ تاریخ کے اس قدر دلدادہ نہین ہین جسقدر کہ اہل انگلستان، تو گویا مطالعۂ علم التاریخ سے جو دوسرا فائدہ ہمین حاصل ہوتا ہے وہ تعلیم و تربیت مین اصلاح ہے،

نظام حکومت مین اصلاح مطالعۂ تاریخ سے جو تیسرا فائدہ حاصل ہوتا ہے وہ نظام حکومت اور طرز حکومت کی اصلاح ہے۔ پرانی تاریخون مین اقوام کے تمدن و معاشرت، اخلاق و عادات پر اتنی بحث نہین کیگئی جتنی کہ ان کے طرز حکومت پر کیگئی ہے۔ اسلیے اور فوائد اس خوبی سے ہمین حاصل نہین ہوسکتے جتنے کہ نظام و طرز حکومت کے متعلق ہو سکتے ہین، جو جو خرابیان پرانی حکومتون مین تھین وہ آج خال خال حکومتون مین نظر آتی ہین جسکی وجہ محض مطالعۂ تاریخ ہے، گذشتہ عہد مین شخصی حکومتین عالمگیر تھین مگر دورِ حاضرہ مین نیابتی حکومتین ان کی جگہ لیے ہوئے ہین کیونکہ شخصی حکومتون مین بہت سے نقصان ہوتے تھے، بادشاہ کو کلی اختیار ہوتا تھا کہ جو حکم چاہے دے، خواہ اس سے کسی کی ضمیر کو صدمہ پہنچے یا اس کے جذبات پامال ہون، اسے کچھ پروا نہ ہوتی تھی، اسی لیے جماعتہائے انسانی اکثر مشتعل ہوکر ارتکاب جرائم پر آمادہ ہوجاتی تھین اور شخصی حکومت کے درخت کو جڑ سے اکھاڑ پھینکتی تھین، یہی وجہ تھی کہ کسی شخصی حکومت کا قیام زیادہ عرصہ تک نہ ہوتا تھا، ملکون مین ہمیشہ فساد برپا رہتے تھے، علمی ترقیان مسدود ہوجاتی تھین اور لوٹ مار کا بازار گرم رہتا تھا، مگر اس کے برعکس آجکل نیابتی حکومت کا دور دورہ ہے، شہرون کی حکومت میونسپل کمیٹیان کرتی ہین جنہین ہر فرقے کے لوگ اپنے نمائندے بھیجتے ہین گاؤن کی حکومت ڈسٹرکٹ بورڈ کے ہاتھون مین ہوتی ہے، صوبون کی عنانِ حکومت کونسل کے اور تمام ملک کی باگ ڈور اسمبلی کے ہاتھ مین ہوتی ہے، یہ سب کی سب نیابتی مجالس ہین اسلیے ممبرون کو لوگون کے جذبات کی

ناداخواہ مخواہ اطاعت کرنی پڑتی ہے کیونکہ اگر وہ ایسا نہ کرین تو انتخاب کے موقع پر ...

اسلئے جب لوگ دیکھتے ہین کہ حکومت ان کی خواہش اور مرضی کے مطابق ہوتی ہے تو وہ بھی امن و سکون سے دن بسر کرتے ہین اور علمی ترقیان حاصل کرتے ہین، تو گویا تاریخ ہمارے طرز حکومت مین بڑی زبردست اصلاح کر کے اسے مفید خلائق بناتی رہتی ہے، موجودہ نظام حکومت کی یہ خوبیان محض مطالعۂ علم تاریخ کے بعد لوگون نے پیدا کی ہین کیونکہ وہ جانتے ہین کہ کس طریقہ کے اختیار کرنے سے لوگون کے قلوب پر عمدہ اثر پڑسکتا ہے، جس سے کہ وہ حکومت کے برخلاف علم بغاوت بلند کرنے کی بجائے اس کے آگے سر تسلیم خم رکھین،

اسی طرح اور بہت سے فوائد ہین جو مطالعۂ تاریخ سے ہمین حاصل ہوتے ہین، طرز حکومت و تعلیم و تربیت اور اخلاق کے علاوہ تمدن و معاشرت، صنعت و حرفت اور دیگر علوم و فنون مین جو اصلاح ہوتی ہے اور ہو رہی ہے، وہ محض مطالعۂ علم تاریخ کی وجہ سے ہے، ماضی کے حالات ہمین مجبور کرتے ہین کہ ہمین اپنے مستقبل کو بہتر بنانا کس قدر ضروری ہے،

مطالعۂ تاریخ کے پہلو بہ پہلو اقوام عالم کی ترقی اور خاتمۂ سخن

عرب مین دستور تھا کہ جب وہ یعنی اہل عرب کسی کارزار عظیم مین شریک ہوتے تو رجز خوانی کیا کرتے تھے جس مین ان کے بزرگون کی بہادری کے کارنامے ہوتے تھے، ان کارنامون کو سنکر ان کو اشتعال ہوتا تھا کہ وہ بھی ان سے بڑھ کر کام کرین تاکہ ان کے خلاف ان کو بھی نیک نام سے یاد رکھین، دوسرے الفاظ مین وہ رجز خوانی، تاریخ تھی ان کے بزرگون کی، اس سے یہ نظریہ کہ تاریخ انسان کو کام کرنے کی تحریک دلاتی ہے، بخوبی ثابت ہوتا ہے، اب ہم یہ ثابت کرنا چاہتے ہین کہ دنیا کی جن اقوام نے بزرگون کی یاد یعنی تاریخ کے مطالعہ کو تازہ رکھا وہ قوم ممتاز شمار ہوتی رہی ہے اور جس نے اس سے اغماض یا تساہل کیا وہ قوم برباد ہو گئی، مثال کے طور پر ہندوستان کی تاریخ مین راجپوتون کو لے لیجئے، کبھی وہ دن تھا کہ افق ہند پر راجپوت

چودھوین رات کا چاند ہوکر چھپے اور پھر وہ دن آگیا کہ یہ برائے نام حکمران رہ گئے ہین، اصل بات یون ہے کہ عربون کی طرح ان مین بھی رواج تھا کہ بھانڈ اور ڈوم آکران کے بزرگون کے کارنامے سنایا کرتے تھے، یہ خود انکی روایات اور حالات قلمبند کرایا کرتے تھے جس سے ہمت اور جوش کی لہر اسی طرح متلاطم رہتی تھی جس طرح ان کے بزرگون مین تھی، مگر رفتہ رفتہ وہ اس سے اغماض کرنے لگے، بزرگون کے کارنامے بھولتے گئے اور ان کی بہادری میدل بہ بزدلی ہوگئی، عرب کے رہنے والے بدفعۃً ایک صحرائے پرخار سے اٹھے اور اپنے خشک ریگستان کے خیمون سے نکل کر دنیا کے سامنے آئے، قیصر نے ان کا لوہا مانا، اندلس نے ان کے آگے سر جھکایا، ہندوستان نے قدم چومے، کیونکہ ان کے پاس اقوام گذشتہ یعنی یہود ونصاری کی ایک نتیجہ خیز تاریخ تھی جسکو وہ ہر روز دنیا کے کامون سے فارغ ہوکر پڑھا کرتے تھے اور وہ قرآن مجید تھا، قرآن مجید مین خداوند تعالی نے اقوام گذشتہ کے واقعات یاد دلا دلا کر افعال قبیحہ سے خوف اور اعمال حسنہ کی ترغیب دلائی ہے، جب تک مسلمان اس تاریخ کو پڑھتے رہے، یہ دنیا کی قومون کے سرتاج بنے رہے، اور اب بھی اگر انھون نے پھر وہ بھولا ہوا سبق یاد کر لیا تو علامۂ اقبال کے یہ شعر ان کے مصداق ہونگے،

آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پہ آسکتا نہین، محو حیرت ہون کہ دنیا کیا سے کیا ہو جائیگی

شب گریزان ہوگی آخر جلوۂ خورشید سے یہ چمن معمور ہوگا نغمۂ توحید سے

(اقبال)
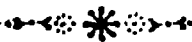
جیمس کا نظریۂ جذبات

(۳)

از مولوی مقصد ولی الرحمن صاحب ایم اے پروفیسر فلسفہ جامعہ عثمانیہ

کسی دعوے کے ثابت کرنے کا ایک طریقہ یہ بھی ہوا کرتا ہے، کہ جس قدر اعتراضات اس پر وارد ہو سکتے ہین، ان کو یکے بعد دیگرے لیکر تردید کی کوشش کیجائے، جیمس نے بھی اپنے نظریہ کے ثبوت مین اسی اسلوب کو اختیار کیا ہے، چنانچہ وہ پہلے خود اپنے آپ، اپنے ہی نظریہ پر اعتراضات وارد کرتا ہے، اور پھر ان کو رد کرنے کی کوشش کرتا ہے، ہم یہان ان اعتراضات اور جیمس کی تردید کو بیان کرتے ہین،

اعتراض اول:- کوئی شہادت ایسی موجود نہین کہ مخصوص ادراکات، جذبات یا جذباتی خیالات پیدا کرنے سے قبل وسیع جسمانی اثرات کا باعث ہوتے ہون (جیمس صفحہ ۴۵۶)

جواب:- یہ اعتراض سرے سے غلط ہے، کیونکہ روزمرہ زندگی مین ہم کو اکثر ایسی مثالین ملتی ہین، ہم ایک توپ کے پاس کھڑے ہوئے ہین کہ توپچی تاک کر اس کو داغ دیتا ہے، اسکی آواز سے ہمارے دل مین دھڑکن، ہمارے جسم پر رعشہ، منہ مین خشکی اور چہرے پر زردی پیدا ہو جاتی ہے، حالانکہ ہم کو یقین ہوتا ہے، کہ ہماری جان مطلق خطرے مین نہین یعنی یہ کہ توپ کی آواز جذبۂ خوف کا باعث نہین ہوتی، لیکن اس کے باوجود جسم پر وسیع جسمانی اثرات پیدا ہو جاتے ہین، ہم کسی کال کوٹھری مین جاتے ہین، اور کسی متحرک چیز کو محسوس کرتے ہین، فوراً ہمارے دل کی حرکت بند ہو جاتی ہے، اور سانس

رک جاتا ہے، لیکن خطرے کا خیال تک نہین آتا، اسی طرح کسی بلند مقام پر کھڑے ہوکر نیچے کی طرف دیکھنے سے خوف و خطر کی تمام علامات رونما ہوجاتی ہین، حالانکہ ہم کو اطمینان ہوتا ہے، کہ ہم جنگلے وغیرہ کی وجہ سے نیچے گر نہین سکتے، اسی قسم کے بہت سے واقعات ہمارے تجربے مین آتے ہین جن سے بآسانی معلوم کیا جاسکتا ہے، کہ بعض اوقات محض ادراک سے ایک جذبے کی مخصوص جسمانی علامات تو پیدا ہوجاتی ہین، لیکن وہ جذبہ پیدا نہین ہوتا، لہذا یہ کہنا کہ مخصوص ادراکات، جذبات، یا جذبی خیالات کو پیدا کرنے سے قبل جسمانی اثرات پیدا نہین کرتا، یقیناً غلط ہے، اسی کی تائید مین جیمس نے خود اپنا ایک تجربہ اس طرح بیان کیا ہے:-

"مجھکو اچھی طرح یاد ہے، کہ ایک دن مجھکو بہت حیرت ہوئی تھی، جب مین نے بچپن مین ایک گھوڑے کی فصد کھلتے ہوئے دیکھا، اور مین بیہوش ہوگیا، خون ایک بالٹی مین تھا، اور اس مین ایک لکڑی پڑی ہوئی تھی، مین نے اس لکڑی سے اس خون کو ہلایا، اور اسی سے اس کے قطرے قطرے گراکر کھیلتا رہا، اس تمام کھیل مین مین نے سوائے طفلانہ استعجاب کے اور کچھ محسوس نہ کیا، یکایک دنیا میری آنکھون مین تاریک ہوگئی، اور کان مین غون غون کی آواز پیدا ہوئی، اور پھر مجھکو ہوش نہ رہا، مین نے اس سے قبل کوئی واقعہ ایسا نہ سنا تھا، جس مین خون کے محض دیکھنے سے بے ہوشی پیدا ہوئی ہو، اس سے مجھ پر خوف اس قدر کم طاری ہوا تھا، کہ اس چھوٹی سی عمر مین بھی مجھکو تعجب ہوا تھا، کہ اس بالٹی بھر سرخ پانی نے کس طرح یہ جسمانی اثرات پیدا کئے[1]،

اس مین شک نہین کہ بعض صورتون مین ایک خیالی جذبہ علامات پر مقدم معلوم ہوتا ہے لیکن یہ تقدم بالکل ظاہری ہوتا ہے نہ کہ اصلی، ایسی صورتون مین یہ جذبہ ان علامات کی محض

[1] جیمس صفحہ ۴۵۷،

کا نتیجہ ہوتا ہے، ایک شخص کسی موقعہ پر خون کو دیکھ کر بے ہوش ہو چکا ہے، بعد مین وہ عمل جراحی کی تیاری ہوتے ہوئے دیکھ کر ہی بے ہوش ہو جاتا ہے، مدرسون مین بعض لڑکے اور لڑکون کو پٹتا ہوا دیکھ کر چیخنا، کانپنا اور غل مچانا شروع کر دیتے ہین، مان اپنے بچّے کے خطرہ مین جانے سے قبل ہی غمزدہ و افسردہ ہو جاتی ہے، استاد کو اپنے شاگردون کی کامیابی کے خیال ہی سے خوشی ہوتی ہے، غرض "قبل از مرگ واویلا" اور "آب ندیدہ موزہ کشیدہ" کی قسم کے تمام واقعات مین ہوتا یہ ہے، کہ ہم بعض حسیات و احساسات کی پیش بینی اور انتظار کرتے ہین، اس پیش بینی و انتظار سے ان کے ورود و صدور کا راستہ صاف ہو جاتا ہے، یعنی پھر ان کے وارد و صادر ہونے مین کوئی وقت پیش نہین آتی، اگر کسی شخص کو بار بار یقین دلایا جائے کہ وہ پژمردہ اور افسردہ دل بیٹھا ہے، تو وہ فی الواقع ایسا ہی ہو جاتا ہے، اگر کسی ہنستے کھیلتے بچّے سے کہا جائے کہ وہ رونے والا ہے، تو وہ واقعی رونا شروع کر دیتا ہے، ان واقعات و حالات مین بھی بعینہ یہی ہوتا ہے، اس کے علاوہ علم الامراض کے بعض واقعات بھی اسکی تائید کرتے ہین "سقیم دہشت"[۱] کے بعض مریضون نے اعتراف کیا ہے، کہ اصلی ہیجان کے ظہور سے قبل جذبۂ خوف طاری ہونے مین، ان کو دراصل خوف کا خوف ہوتا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ ان تمام صورتون مین جذبۂ خوف صرف بظاہر علامات پر مقدم ہوتا ہے، حالانکہ اصلیت یہ ہے کہ جس کیفیت کو ہم جذبہ کہتے ہین، وہ اصلی جذبہ نہین ہوتا بلکہ اس جذبہ کا خیال ہوتا ہے، اصلی جذبہ اور جذبہ کے خیال یا تصور مین فرق ہوا کرتا ہے، جذبہ کا خیال بغیر جسمانی تغیرات کے شکل پذیر ہو سکتا ہے، اور اسی وجہ سے عوام اور بعض ماہرین نفسیات جسمانی تغیرات کی اہمیت کا اندازہ کرنے سے قاصر رہتے ہین، جذبہ کبھی بغیر علامات کے ظاہر نہین ہو سکتا، ان ہی تمام واقعات سے جیمس کے نزدیک یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ جذبہ اپنے مظاہر و اثرات سے

---

[۱] Morbid Fear

شروع ہوتا ہے، اور ان ہی پر اس کا خاتمہ بھی ہوتا ہے" اور یہ اسکی ذہنی حیثیت کا سوال مظاہر کے احساس
یا ان کے خیال کے سوا اور کچھ نہیں، یہی ان کا مایہ خمیر ہے[1]،

ہم پہلے کہہ چکے ہیں، کہ جذبہ کی علت قریبہ اعصاب پر جسمانی اثرات ہوا کرتے ہیں، یعنی یہ کہ واقعات
مہیجہ سے اعصاب متاثر ہوتے ہیں، اور ان کے تأثر سے جذبہ پیدا ہوتا ہے، اگر کسی وجہ سے یہ تأثرات
پیدا نہ ہوں، تو جذبہ بھی ناممکن الوقوع ہو جاتا ہے، اور اگر یہ اعصاب کسی وجہ و ذریعہ سے متأثر ہو جائیں،
تو جذبہ کا وجود لازمی ہو جاتا ہے، اس بیان کی تائید میں بھی علم الامراض کے واقعات کو شہادت میں پیش
کیا جا سکتا ہے، چنانچہ بعض مثالیں ایسی ملتی ہیں جنمیں کسی شخص پر بغیر کسی خارجی مہیج و علت کے جذبہ
طاری ہو جاتا ہے، پاگل خانوں میں اس کی بہترین اور متعدد مثالیں ملسکتی ہیں، اکثر ہوتا ہے، کہ ایک پاگل
اچھا خاصہ بیٹھا ہے، کہ یکایک اس سے وہ تمام حرکات، اور اس پر وہ تمام علامات ظاہر ہوتی ہیں
جو غصہ کے ساتھ مخصوص ہیں، یا جو خوف کا لازمہ ہوا کرتی ہیں، اس کے گرد و پیش کے واقعات
واشیاء میں سے کوئی بھی ایسی نہیں ہوتی جو اس جذبۂ خوف، یا غضب کے پیدا کرنے کے قابل ہو لیکن
باوجود اس کے جذبہ طاری ہو جاتا ہے، لینگ نے اسی قسم کے ایک پاگل کی حالت ان الفاظ میں
بیان کی ہے:۔

"بعض دفعہ حالت غضب اس قدر بے بنیاد اور ناقابل انفیاد ہوتی ہے کہ ہر ایک شخص اس کو
کسی مرض کی طرف منسوب کرتا ہے۔ . . . عارضی جنون میں اسکی بہت سی مثالیں ملتی ہیں، اس کے
مریض پر یہ حالت بغیر کسی خارجی محرک کے طاری ہو جاتی ہے، اور وہ شخص حد درجہ غضبناک ہو جاتا
ہے، وہ اپنے گرد و پیش کے لوگوں پر حملہ کرتا ہے، جو اس کے ہاتھ آجاتا ہے، اس کو پیٹتا اور ٹھوکریں
مارتا ہے، جس چیز پر اس کا ہاتھ پڑتا ہے اس کو دے پٹکتا ہے، قریب کی اشیاء کو توڑتا اور

[1] جیمس صفحہ ۴۵۲

برباد کرتا ہے، اپنے کپڑے پھاڑتا ہے اچھلتا ہے چلاتا ہے، دہاڑین مارتا ہے اور اس تمام عرصے مین اسکی آنکھین تیزی سے حرکت کرتی ہین، اس پر محرک ادعیہ کی وہ تمام علامات ظاہر ہوتی ہین، جنکو ہم غصہ کے مستلزمات دیکھ چکے ہین، اس کا چہرہ سرخ اور پھولا ہوتا ہے، گال گرم ہوتے ہین، آنکھین پھٹی اور باہر نکلی ہوئی ہوتی ہین، دل سختی سے دھڑکتا ہے اور نبض تیز چلتی ہے، گردن کی رگین پھول جاتی ہین اور منھ سے کف جاری ہوجاتا ہے[1]

ان حالات مین ہوتا یہ ہے کہ عصبی آلات ایک خاص جذبے کے لیے اس قدر حساس ہوجاتے ہین کہ ناموزون سے ناموزون احساسی تہیج سے بھی ان مین ابتری پھیل جاتی ہے اور اس سے احساسات کا وہ مجموعہ پیدا ہوتا ہے، جو جذبہ کا نفسی مواد ہے، غرض کہ ان صورتون مین بھی جذبہ اپنی علامات سے الگ نہین ہوتا،

اعتراض دوم:- اگر یہ نظریہ صحیح ہے، تو مظاہر کے پیدا کرنے سے جذبہ بھی طاری ہوجانا چاہئے لیکن ایسا نہین ہوتا، چنانچہ تھیٹر مین ایکٹر جذبات کی علامات و مظاہر پیدا کرتا ہے، لیکن محض اس علت سے جذبہ پیدا نہین ہوتا، نقلی رونے مین ہم غم محسوس نہین کرتے، نہ بناوٹی ہنسی مین خوشی،

جواب:- اس مین شک نہین کہ اکثر جذبات اس معیار پر کامل العیار ثابت نہین ہوتے، وجہ اسکی یہ ہے کہ ان مظاہر مین سے اکثر کا تعلق ان آلات سے ہوتا ہے جو ہمارے قبضۂ قدرت سے باہر ہین مثال کے طور پر کہا جاسکتا ہے، کہ نقلی رونے مین اصلی آنسوؤن کا بہانا ناممکن ہے، اس لیے کہ آنسوؤن کے غدود کی فعلیت ہمارے ارادے کی تابع نہین ہوتی، اسی طرح خوف کی حالت مین معدے کی حرکات انہضام کو ارادۃً بند نہین کیا جاسکتا، کیونکہ ان پر بھی ہمارا قابو نہین، یہی وجہ ہے کہ محض ظاہری علامات کو پیدا کرنے سے وہ جذبہ اصلی اور حقیقی صورت مین پیدا نہین ہوتا، لیکن جہان ہم تمام مظاہر

---

[1] مقتبس از جیمس صفحہ ۴۶۰،

علامات کو ارادۃً پیدا کر سکتے ہین، وہان جذبہ بھی موجود ہوجاتا ہے چنانچہ ہر شخص کا تجربہ ہے کہ غم و غصہ کی علامات کو ظاہر کرنے سے، ان مین اضافہ ہوجاتا ہے، اور اگر ان کو روک دیا جائے، تو جذبہ بھی ختم ہوجاتا ہے، امام غزالی نے غصہ کا علاج یہ بتایا ہے، کہ اگر تم کھڑے ہو تو بیٹھ جاؤ، اگر بیٹھے ہو تو لیٹ جاؤ، غرض کسی طرح اپنی حالت و وضع مین تغیر کر لو، مقصد اس سے صرف یہ ہے کہ کسی طرح ان علامات و تغیرات کی قوت مین زیادتی نہ آنے پائے، ان حالات و وضع مین تبدیلی کرنے سے یہ ضعیف ہو کر ختم ہوجاتی ہین اور ان کے ساتھ ہی جذبہ بھی ختم ہوجاتا ہے، اسی طرح انگریزی مثل مشہور ہے کہ "مارنے سے پہلے دس تک گن لو" اس سے یہی مقصود ہے کہ ذہن کا مرکز غصہ کی علامات سے ہٹا کر گننے کی طرف منتقل ہوجائے، اس طرح غصہ کا خاتمہ یقینی ہے، کیونکہ جذبہ صرف اس وقت طاری ہوتا ہے، جب ذہن کسی اور کیفیت سے خالی ہو، ان روزمرہ ہدایات و نصائح کی بنا انھین نفسیاتی حقائق پر ہے،

اس کے علاوہ ماہرین نفسیات بھی اس کو تسلیم کرتے ہین، چنانچہ جیمس نے بین کی شہادت اپنی تائید مین پیش کی ہے، وہ لکھتا ہے:-

"ہم کو معلوم ہوتا ہے کہ ایک ضعیف (جذبی) لہر کو اگر خارجی طور پر روک دیا جائے، تو وہ داخلی طور پر بھی اسکا خاتمہ ہوجاتا ہے، اگر خارجی ظہور کے ہر قدم پر مزاحمتین پیدا کیجائین، تو دماغی تموجات اور مرکزی ہیجان بھی ختم ہوجاتا ہے، اس قسم کی روک تھام سے ہم کو رحم، غصہ، خوف، غرور وغیرہ کے روکنے کی عادت پڑتی ہے، چنانچہ یہ واقعہ ہے کہ حرکات کو دبانے سے وہ عصبی تموجات ناپید ہوجاتے ہین، جو ان کا باعث ہوئے تھے، دوسرے الفاظ مین خارجی سکون ہمیشہ داخلی سکون کا باعث ہوتا ہے، اگر دماغی لہر آزاد اور بلا رکاوٹ خارجی ظہور پر موقوف نہ ہوتی تو یہ نتیجہ کسی طرح بھی پیدا نہ ہو سکتا تھا....... خارجی مظاہر کو پیدا کرنے سے ہم آہستہ آہستہ ان اعصاب کو متاثر کرتے ہین، جو ان کو پیدا کرتی ہین، اور بالآخر ایک منتشر تموج نمودار ہوجاتا ہے

یہی وجہ ہے کہ بعض اوقات بشاش چہرہ بنانے سے مسرور ذہنی حالت پیدا کیجا سکتی ہے [1]۔

مذکورۂ بالا بیانات پر بعض ایکٹرون کی شہادت مستزاد ہے، ایک ایکٹر بیان کرتا ہے:-

"جب مین خوف یا غصہ کا پارٹ کرتا ہون تو میرا خیال ہے کہ مین فی الواقع زرد پڑ جاتا ہون میرا منھ خشک ہوجاتا ہے، میری زبان تالو سے جالگتی ہے، چنانچہ جب مین کسی آخری ایکٹ مین پارٹ کر رہا تھا، تو مجھکو بار بار اپنا منھ تر کرنا پڑتا تھا، اگر مین ایسا نہ کرتا تو میرے منھ سے آواز نہ نکلتی [2]"،

لیکن سب سے زیادہ پرزور اور قطعی الدلالت شہادت کیمپنلا کی ہے، جو یورپ مین گزرا ہے، اور جو قیافہ شناسی مین دستگاہ وافی رکھتا تھا، اس کے متعلق برک لکھتا ہے:-

"اس شخص کو قیافہ شناسی کے اصول سے چندان واقفیت نہ تھی، مگر اس کو نقالی دمحاکات مین کمال تھا، جس کے باعث جب جیسی چاہتا، بلا تکلف اپنی صورت ویسی ہی بنا لیتا، اس کے پاس جب کوئی شخص اپنے قیافہ کی شناخت کرانے آتا تو اس کا عام دستور یہ تھا، کہ جو آثار و علامات اس شخص کے چہرے پر دیکھتا ہوبہو وہی اپنے اوپر طاری کر لیتا، پھر اس محاکات سے جو کیفیات وہ اپنے نفس مین محسوس کرتا وہی اپنے مخاطب کی طرف منسوب کرکے اس کے سامنے دہرادیتا اور اس طریقہ سے وہ عموماً کامیاب رہتا، اس کے آگے وہ خود اپنی ذات کے متعلق اقرار کرتا ہو کہ جب مین کسی غضبناک یا مغموم، جری شخص کی صورت کا چربہ اتارتا ہون تو اکثر یہ ہوتا ہو کہ مین خود غضب، غم وجرأت کے جذبات سے اضطراراً متحسس ہونے لگتا ہون [3]۔"

یہ تمام بیانات اور شہادتین اس بات کو ثابت کرنے کے لیے کافی ہونی چاہئین کہ بعض صورتون مین مظاہر کے پیدا کرنے سے جذبہ بھی پیدا ہوجاتا ہو، لیکن اصلیت یہ ہو کہ اس کو ثابت کرنے کے لیے اس قدر شہادتون کے جمع کرنے کی ضرورت نہ ہونی چاہیے تھی، کیونکہ ہم مین سے ہر ایک کو روزمرہ زندگی مین اس کا تجربہ ہوتا رہتا ہے،

(باقی)

[1] نفسیات جذبہ و ارادہ ۱ صفحہ ۳۶۱-۳۶۶، [2] جیمس صفحہ ۴۶۴، [3] جیمس صفحہ ۴۶۵، ترجمہ از عبدالماجد فلسفۂ جذبات طبع دوم صفحہ ۹۰

سراج اورنگ آبادی،

از

مولوی بشیر احمد صاحب برہان پوری پرشین ٹیچر ہائی اسکول دھولیا ،

(۳)

رباعیان سراج نے رباعیان بھی اچھی کہی ہین. ذیل مین چند رباعیان بطور نمونہ لکھی جاتی ہین :-

تجھ غم مین ہے رنگ زرد ہانا میرا　　دشوار ہے ہرکسی کا پانا میرا
درکار نہین کہ تجھ گلی مین جا دن　　آنا تیرا۔ یہی ہے جانا میرا

اس شوخ نے اب شیوۂ تمکین لیا　　آئین جفا کا، مذہب و دین لیا
ظالم نے ستم کیا مجھے بیکس بوجھ　　ٹک آنکھ دکھا کے دل مرا چھین لیا

اس شام جدائی مین مجھے آ دیکھو　　الطاف و کرم کو کام فرما دیکھو
خورشید ہوٗا ڈوبا شفق کے لوہو مین تمام　　ٹک اپنے شہید کا تماشا دیکھو

چند پرانے الفاظ سراج نے بعض الفاظ ایسے استعمال کئے جواب بالکل مستعمل نہین ہین مثلاً زور (بمعنی خوب)

دانۂ اشک میرے تار پلک مین موہن　　زور سمرن ہے ترے نام کی مالا کرنے

تکمہ (بمعنی بتام یا گھنڈی)

دانۂ یاقوت دل میرے کو رکھ اے کان حسن　　تکمہ گردکار ہے بند قبا کے واسطے

چکا بو (بھول بھلیان)

پیچ کہا کہ دل مرا حکیرت مین ہے　　زلف کون تیرے چکا بو بو لنا

تمہاری زلف مشکین کا ہر اک خم   مرے حق مین چکابو ہو گیا ہے

کیا چکابو ہے زلف مین تیرے[1]   اُرسی جس کو دیکھ چکرت[2] ہے

اس لفظ کو سودا نے بھی باندھا ہے جیسے:-

پانی گرتا ہے اس مین ہر پھر کر   ہے چکابو کا حوض گھن چکر

چکابو کے معنی نہ کسی فارسی لغت مین ہین نہ ہندی کوش مین پائے جاتے ہین، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ لفظ سنسکرت کے چکریوہ (चक्र व्यूह) سے بنا ہے جس کے معنی فوج کے پیچ در پیچ راستے کے ہین. دکن کے دیہاتی حیران ومتحیر ہو جانے کو چکوسے مین آنا یا چکا بھول مین آنا کہتے ہین. ممکن ہے کہ یہ لفظ چکابو سے بگڑ کر چکا بھول ہو گیا ہو، سراج کے مندرجہ بالا اشعار سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاید پرانے زمانے مین بھول بھلیان کی جگہ چکابو ہی رائج تھا کمترین کی رائے مین اب اس کا بھول بھلیان ترجمہ کرنا غیر موزون نہ ہوگا،

سراج کی شاعرانہ کمزوریان | متقدمین صحت الفاظ کے چندان پابند نہ تھے، یہی حال سراج کا بھی ہے، یہ بھی چند الفاظ غلط یا خلاف تلفظ لغت باندھ گئے ہین. ذیل مین چند مثالین ملاحظہ فرمائیے:-

عید الضحیٰ = یہ لفظ اصل مین عید الاضحیٰ ہے اور اسی طرح باندھنا چاہیئے تھا، ع

تیرا دیکھنا مجکو عید الضحیٰ ہے،

انگوٹھی = یہ لفظ سراج نے بہ تشدید گاف[3] باندھا ہے، ع

گلے مین طوق ہی انگلی کو انگوٹھی کے حلقے سے

کمر = بہ تشدید میم باندھا ہے. ع عجب وہ کمر خورشید رو ہے،

---

[1] قدما راسی طرح لکھا کرتے تھے مثلاً تیری زلف یہ اگرچہ صحیح ہو مگر بعد مین اضافت لاتے تو مذکر کر دیا کرتے تھے. پرانے انگریز گرامرین بھی یہی لکھتا ہین، [2] چکرت حیران یا متحیر، [3] یہان گاف مشدد نہین بلکہ نون غنہ ظاہر کر دیا گیا ہو (معارف)

زکریا بسکون کاف باندھا ہو ع آرزؤ تم جب چلے دل پر مثال زکریا،

برکت :- بہ تشدید کاف باندھا ہو ع برکت سینۂ سے دل مصطفےٰ کے،

عرق :- بہ سکون "ر" باندھا ہے ع قطرۂ شبنم نہین شرمندگی کا عرق ہو،

شتابی :- بمعنی جلد غلط ہو شتاب یا جلد چاہیئے تھا ع ادھر بان طبیب شتابی علاج کرا

ٹھاٹ :- بمعنی ٹھاٹھ غلط ہو ؎

اے سراج اشک کے چراغون کو   نئے مژگان سے جنے باندھی ٹھاٹ

مطالع کرنا :- بمعنی مطالعہ کرنا غلط ہو، ع کل مطالع مین کیا تھا اس کے خط کا حاشیہ،

دل بر ماکرنا :- بمعنی دل برما اب نہین بولتے ع اگرچہ تیر پلک نے کیا تھا دل برما،

جانکندن :- بمعنی جانکنی اب نہین بولتے ع شتابی کر جان کندن ہو،

مرض :- (بروزن فرض) غلط ہو بفتح راچاہیئے ع ہوا درد محبت کا مجھے مرض،

تغیر (بروزن فعیل) غلط ہے، بروزن تفعیل و تفعّل صحیح مانا جاتا ہے، ع

تبھی سے منصب فرہاد کو تغیر کیا،

امیدواری :- بمعنی امید اب مستعمل نہین ہے، ع الٰہی ہے مجھے امیدواری،

برشکالا :- بمعنی برشگال غلط ہو، ع

اشک باران، آہ بجلی، ہجر کی کالی گھٹا،   ماہ رو مین کسطرح کا برشکالا ہو گیا،

ہندی الفاظ کے ساتھ عطف و اضافت | ع عشق و دل تپہ و شرار ہوا :- تپہ اور شرار چاہیئے تھا،

ع کیا ہر مسکرا کر بات مثل پھول گلرو نے   مثل گل یا پھول کی طرح چاہئے تھا

ع لباس بسنتی ترا دیکھ کر   ترا بسنتی لباس چاہیئے تھا،

ع گل گلاب مین گویا ہجوم شبنم ہو   صرف گلاب چاہیئے تھا گل گلاب کی ترکیب اضافی غلط ہے

ع، جو اسوار دہ صیاد من ہرن جیسم ا۔ صیاد من ہرن کی ترکیب اضافی غلط ہے

جی کو جسکا خیال سمرن ہے ۔ دل گرفتار زلف موہن ہے

اس شعر مین زلف موہن اور خیال سمرن کی ترکیب اضافی غلط ہے،

اعلان نون غنہ بحالت اضافت	؎ ابر نیسان برستا ہی میرے آنسو کا، ؎ ماجرا سنکر ہمارے اشک بے پایان کا

مندرجہ بالا دو نون مصرعون مین ابر نیسان اور اشک بے پایان کی ترکیبون مین اعلان نون غلط ہے

فک اضافت	گر اس سوزن پلک نے دل مشبک ۔ حمایت کے لیئے ہین بند نا کے

ع ہر قطرہ اشک مین ہے ظاہر جمال مہ رو

مندرجہ بالا مثالون مین اس "سوزن پلک" کی جگہ اس "سوزن پلک" چاہیئے تھا اور ہر قطرہ اشک کی جگہ ہر "قطرۂ اشک" کا ہونا لازمی تھا،

حذف ناجائز	باغ مین نرگس بیمار طرف ۔ گوشۂ چشم سے ایما نہ کیا

"نرگس بیمار طرف" کی بجائے "نرگس بیمار کی طرف" چاہیئے تھا،

(۲) خاتم اُپر تو ختم نبوت کا نگ ہوا۔ خاتم کے اوپر چاہیئے تھا نگ کی بجائے نگینہ بہتر تھا

(۳) دل سنگین ترا ہے لوہا لاٹ ،۔ لوہے کی لاٹ چاہیئے تھا،

(۴) بسکہ ہے ہمدرو میرا اس سبب کہتا سراج ۔ اس سبب کہتا ہے چاہیئے تھا،

مندرجۂ بالا چند فروگذاشتون سے قطع نظر کرکے بنظر غائر دیکھا جائے تو سراج کا کلام حسن و عشق کی ضیا پاشیون کا بہترین نمونہ ہے، تغزل کے علاوہ کلام مین ولی سے زیادہ گھلاوٹ ہے جس غزل کو پڑھیئے طبیعت یہی چاہتی ہے کہ پوری کی پوری مثال مین درج کیجائے ، جس شعر پر نظر پڑتی ہے قابل انتخاب نظر آتا ہے ، اور شک پیدا ہونے لگتا ہے کہ کون سے شعر

لیے جائیں اور کون سے حذف کر دیئے جائیں ؎

من آن زمان کہ بگلزار حسن او نگرم کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینجاست

بایں ہمہ چند چوٹی کے اشعار چھانٹ کر اسی مضمون کے ساتھ ملحق کر دیئے ہیں، تاکہ ارباب معانی بعد از مطالعہ و معائنہ اپنے طور پر خود فیصلہ کرلیں کہ سراج کا ہمائے تخیل کہاں تک پرواز کر سکا ہے، ؎ سپردم بتو مایۂ خویش را

کلامِ سراج

گلستاں میں نہ یہ نرگس نہ سوسن اور چنبیلی ہے
مرے نازک بدن گلرنگ کی ہر اک سہیلی ہے

بنے ہیں مینوا تیری جدائی کے محرم میں
گلے میں بلبلوں کے موج رنگِ گل کی سیلی ہے

تمھاری پنجۂ نازک سے جو ہمدست حیران ہو
رگ جان یا ہر انگلی، سخت دل ہی یا ہتھیلی ہے

دل حیران میں میرے رکے خاطر جمع ہو جاؤ
سراپا آرسی سے ایک پتھر کی حویلی ہے

شکر لب تلخ مت ہو ترش رو ہو کر
حلاوت زندگانی کی مرے حق میں کسیلی ہے

خیال نازک موئے کمر سمجھا نہیں جاتا
نجانوں چیستاں ہی یا معما، یا پہیلی ہے

اگر وہ شمع بیرحم ہے اپنے پتنگوں پر
سراج ان بیکسوں کے حال کا اللہ بیلی ہے

مین تو دل جلی ہوں پن (پر) وجہ تغافل کیا ہے
اس قدر معنی روشن کو تامل کیا ہے

ڈوب اس شرم سے پانی میں اگر غیرت ہے
یار سے خندۂ بے شرمی ارے گل کیا ہے

مجھ کو اس زلف نے سب کھول بتائے عقدے
جب کہا معنی سطرِ خطِ سنبل کیا ہے

طبع نازک سے ترے خوف ہی مجکو ورنہ
چاک کرنے کو گریبان کے تحمل کیا ہے

ہے کمی وصل میں گر شورش عاشق کو سراج
فصلِ گل میں سبب نالۂ بلبل کیا ہے

کان (کہان) ہے وہ چہرۂ نوری والا — چشم بلبل کی بیکتری والا
نرگس شوخ چشم ہے باقی — ہے کدھر چشم عبہری والا
دلبری کا خیال کیا جانے — نام جس کا ہے دلبری والا
یاد سے اسکی چشم میگون کے — شیشۂ دل ہوا پری والا

بھول جا حرف بے وفائی کا — یاد کر علم آشنائی کا ،
آمری آہ کا تماشا دیکھ — گر تجھے ذوق ہے ہوائی کا
شربت زندگی اُسے ہے تلخ — جس نے پایا مزہ جدائی کا

جس کو مزہ لگا ہے ترے لب کی بات کا — ہرگز نہین ہے ذوق اُسے پھر نبات کا
دیکھے سے اس لبوں کے جسے عمر خضر ہے — پیاسا نہین ہے چشمۂ آب حیات کا
اے شوخ بزم ہجر مین روشن ہو شمع آہ — قصہ نہ پوچھ مجھ سے جدائی کی رات کا
آب روان ہے حاصل عمر شتاب رو — لوح فنا مین نقش نہین ہے ثبات کا

ہین قیامت چشم و ابرو خط و خال — قید کیون کرتے ہو ان چارون مین دل
شعلۂ رو جب سے نظر آیا نہین ، — لوٹتا ہے تب سے انگارون مین دل
ان بھوؤں کے زخم کی لایا ہے تاب — خوب جا بہلا ہے تلوارون مین دل

مری تلخی نزع کی ہین دوائین — تمھارے تبسم کی میٹھی ادائین
شکر گرد کلفت ہوا درشیر آنسو — ملی ہین کسے اس مزے کی غذائین
دم سرد مین عاشقوں کو ہو راحت — کہان سیر گلشن مین ایسی ہوائین
ارے غنچہ ہر صبح اس خوش دہن مین — مناسب نہین خندہ پن کی صدائین
جگر سینہ چاکون کا حق مین ہمارے — لب زخم سے مانگتا ہے دعائین

نہ پہنچے گا انجام کو ن یہ تسلسل
تمھاری جفائین ہماری وفائین

دو زلفون نے گھیرے ہین چہرے کو تیرے
بلائین بھی لیتی ہین تیری بلائین

سراج آتش عشق مین جل گیا ہے (گھبرا ہو)
پتنگون کی آخر یہی ہین سزائین

روشن دلون کو عجز ہے نام آفرین آب
حرف شکست موج ہے نقش نگین آب

آنسون نے گرد کلفت دل کو فرو کیا
دیکھا ہے کس نے خاک کون بالانشین آب

چشم طمع کون جلوۂ موہوم ہے مراد
پیاسون کون ہی سراب مین عین الیقین آب

صافی دلون کا عشق ہے رونق فزائے حسن
ہے رنگ بخش گل نظر پاک مین آب

گوہر فشانی لب دریا نثار سن
موتی ہوا ہے شرم سے خلوت گزین آب

آئی ہی نو بہار دوانون کی بن گئی
بن بن صدائے خندۂ گل ہر چمن گئی

برپا ہوا ہی خیمۂ گل صحن باغ مین (دیوانون)
آواز بلبلون کی طناب آج تن گئی

شاید کہ عزم سیر گلستان ہی یار کون
لینے کو پیشوا اُسے بوئے سمن گئی

کیون کھینچتے ہو ہم پہ تغافل کا نیمچا
دل کی سپر نگاہ کے تیرون سے چھن گئی

مالی نے برگ گل مین لپیٹا ہزار شکر
بلبل موئے پر اُنت گلابی کفن گئی (ذکے بعد)

سن نام تجھ نگین لب لعل کا صنم
کان مین سے آب عقیق یمن گئی

آتش مین غم کے خاک ہو ثابت قدم سراج
تو دیکھ شمع جل گئی پر بے سخن گئی

یار کی وضع بے حجابی ہے
شوخ ہے مست ہے شرابی ہے

تجکو عاشق دو رنگ کیون نہ کہین
زلف کالی ہے لب شہابی ہے

خال موزون صنم کے ابرو پر
نقطۂ فرد انتخابی ہے،

کشور دل مین تجھ جدائی سے
ظلم ہے شور ہے خرابی ہے

دل کہ عرش خدا ہے اس کو نہ توڑ | عاشقون کا سخن کتابی ہے
ہے خجل بسکہ آتشین رُو سے | شمع تب سے سراج آبی ہے

تیری بھوؤن کی تیغ کے جو زد پڑ ہوا | سب عاشقون کی صف مین وہی سرخرو ہوا
تیر نگہ کا تیرہے از بسکہ مو شگاف | ممنون ہر ایک زخم سے مین مو بمو ہوا
رشتے سے موج گل کے ہوئے ابھار مین | سب بلبلون کا چاک گریبان رفو ہوا
بر جا ہے گر کہون مین اُسے شیشۂ آتشی | چشم سراج آئینۂ شعلہ رو ہوا

خنجر عشق کا جو بسمل ہے | تشنۂ آب تیغ قاتل ہے
جو چڑھا دار پر ہوا منصور | یہ محبت کی پہلی منزل ہے
نہین آئینہ روبرو اس کے | لیلی حسن کا یہ محمل ہے
منصب عشق مین زر رخ زرد | مجکو جا گیر غم سے حاصل ہے
ربع مسکون چار عنصر ہین | کار فرمائے بیخودی دل ہے
آتش غم مین خاک ہو جانا | بوالہوس کون سراج مشکل ہے

تیری ابرو کی تیغ پیاسی ہے | آ پلا خون عاشقان سبیل
مار کھایا ہے زلف سے تیری | تن پہ سنبل کے ہے علامت نیل
مست ہو مغرور زندگی پہ سراج | آمد و رفت دم ہے کوس رحیل

خیال عکس رخ یار شیشۂ دل مین | میری نظر سے مثال پری نہان آیا
اگرچہ وصل مین ہون ہم ہجر باقی ہے | قرار خاطر بے صبر کون کہان آیا
گوشۂ محراب ابرو مین ترے خال سیاہ | تابع اسلام ہے سردار کفرستان کا

کہتے ہین تری زلف کو دیکھ اہل شریعت
قربان ہو اس کفر پہ ایمان ہمارا

سینے کے طبق مین ہی کباب دل پرسوز
جس دن سے غم ہجر ہے مہمان ہمارا

دل ہمارا ہی لعل بے قیمت
گر پسند اس کو جوہری کی طرح

گرچہ میری نظر مین پنہان ہے
شیشۂ دل مین ہو پری کی طرح

نرگس باغ نے کہان پائی
یار کی چشم عبہری کی طرح

میکش غم کون شب مہتاب ہی موی سفید
موسم پیری مین سامان جوانی کیجیے

ہجر کی راتون مین لازم ہی بیان زلف یار
نیند تو جاتی رہی ہے قصہ خوانی کیجیے

یار جانی تو زمانے مین نپٹ نایاب ہے
کیجیے دشمن اگر اپنا تو جانی کیجیے

مت ہواے دل تون سدا بلبل ہزارون پھول کا
ایک باقی بوجھیے باقی کون فانی کیجیے

وحشی ہوا ہون دلبر گلرو کی چشم کا
کیا کام میرے سامنے آہو کی چشم کا

رخسار پر صنم کے جو خال سیاہ ہے
وہ مردمک ہی حلقۂ گیسو کی چشم کا

نقش قدم ہوا ہون محبت کی راہ کا
کیا دل کشا مکان ہی مرے سجدہ گاہ کا

گرمی سے آفتاب قیامت کے کیون ڈرون
سایہ ہی مجکو سرو قیامت پناہ کا

ڈورے نہین ہین سرخ تری چشم مست مین
شاید چڑھا ہے خون کسی بے گناہ کا

سنبل ہی جو نکر جلوہ نما جوے یار پر
آنکھون مین میرے عکس ہی زلف سیاہ کا

گل کے مانند مت پریشان ہو
بند کر مثل غنچہ اپنے لب

چاہیے زاہدون کو حجرۂ تنگ
باغ عاشق ہی وسعت مشرب

دل مرا ہی ترے تغافل مین
عندلیب گل بہار غضب

نہ ملے جب تلک وصال صنم
تب تلک فوت ہی مرا مطلب

شمع و پروانہ سے سنا ہے سراج — صدق دل سے ادب ہے ترک ادب

جب کباب دل سین سیخ آہ کھینچون بے حجاب — تب تنور چرخ مین چھد جاسے قرص آفتاب

ہے بجا گر درس پاؤن عشق کے استاد سین — ہے کتابی چہرۂ جانان گلستان کی کتاب

گرچہ ماہِ نو فلک پر ہے ہلالی وقت کا — تاب کیا ہے بیت ابرو کا ترے لائے جواب

خندۂ دندان نما لازم نہین اسے بحر حسن — ورنہ اب جاتی رہیگی آن مین موتی کی آب

جلوۂ خورشید رو حاصل نہین ہوتا سراج — کب تلک جون دود شمع اُس غم سین کھاؤن پیچ و تاب

خانۂ زین مین اگر ہو جلوہ گر وہ رشک حور — کیا عجب گر حلقہ چشم پری ہوے رکاب

ناز کے دیوان مین اے مطلع حسن و جمال — قد ترا ہے مصرع دابرو ہے فرد انتخاب

عکس دکھلا اپنے رخ کا اے دُرِ دریائے حسن — منتظر ہے دیدۂ گرداب اور چشم حباب

اے دل و جانِ سراج آ، رحم کر عشاق پر — اب نہین ہے تن مین طاقت دل مین تاب آنکھوں مین خواب

دیکھ سکتا نہین مین گل کو سراک خار کیساتھ — اپنے ہمراہ رقیبون کو نہ لا، ہائے نہ لا

بے طرح اب تو بڑہ آگ دہکتی ہے سراج — دل مرا کیون نہ پکارے کہ جلا، ہائے جلا

اس بہارِ بے بقا سے جز فنا حاصل نہین — فصل گل مین بلبلون کی نغمہ خوانی ہیچ ہے

دوستی اور دشمنی کا کچھ نہین ہے اعتبار — مہربانی ہیچ ہے نا مہربانی ہیچ ہے

کشور دل مین آج ہلچل ہے — عشق کی فوج کا عجب دل ہے

صاف کر دل کون خاکساری سے — لازم اس آرسی کون صیقل ہے

ہوئی جوش محبت سے دہان بند — صنم کا درمیان جب نام آیا

سراج آنے مین اس جادو نظر کے — شکیب و طاقت و آرام آیا

کیون نہ ہون قتل دم بدم عاشق — ہین بھوین ذوالفقار کی صورت

ناامیدی مین جلوۂ دیدار | ہے خزان مین بہار کی صورت

ہین صاد اسکی آنکھین، اور قد الف کے مانند | ابرو ہین نون، ناز گیسو ہے لام گویا

رنگین بہار جنت، دوزخ ہے مجکون اس بن | دوزخ ہے اس کے ہوتے دار السلام گویا

جہان مجھ غم کی آتش جلوہ گر ہے | وہان دوزخ کا قصہ مختصر ہے

مجھے ہے سیر صحرا پادشاہی | پھپھولا پاؤن کا سر کا چتر ہے

ابروئے پرچین سے کرتا ہے شہید | کیا بلا شمشیر جوہر دار ہے

ہر ادا اُس عشوۂ خونریز کی | حق مین میرے تیر ہے تلوار ہے

دو مجھے لاکھ دام کی جاگیر | زلف کھولو بڑی رعایت ہے

نقد دیدار بوالہوس کو نہ دو | اس مین سرکار کی کفایت ہے

ہر چمن مین شگفتہ رو ہونے | گل کے مانند مشت زر کان ہے؟ (دکھان ہے)

ترک مطلب ہے مطلب مجنون | شجر بید کو ن ثمر کان ہے؟

مجھے ظالم نے گریان دیکھ بولا | کہ اس عالم مین طوفانی یہی ہے

زمین یار کا نقش کف پا | ہمارا خط پیشانی یہی ہے

یار نے ابرو و مژگان سے مجھے صید کیا | صاحب تیر و کمان تھا مجھے معلوم نہ تھا

نگہ شوخ نے دل ایک کرشمے مین لیا | کیا بلا سیف زبان تھا مجھے معلوم نہ تھا

ہے دل پر سوز کون میرے خیال کوئے دوست | دوزخی کون ہے بہشت دلکشا کا اشتیاق

شام غم کون ہے امید صبح عشرت دمبدم | سورۂ واللیل کون ہے والضحیٰ کا اشتیاق

آفتاب آئینۂ نقش کف پا ہے تیرا | کیا مگر باقی ہے اعجاز ید بیضا ہنوز

عاشقون کا رنگ زرد و اشک گلگون دیکھ کر | چھوڑتا نین (نہین) ہے دورنگی وگل رعنا ہنوز

جب سے دیکھا ہو خط سبز مین تیرے لب سرخ | تب سے سبزے مین چھپی پان کی لالی اى شوخ
شہر مین الفت صحرا ہے مجھے دامنگیر | کیا قیامت ہے تری چشم غزالی اى شوخ

حسن کو ن ہے نقد ناز اور عشق کو جنس نیاز | پھر عبث شکوہ ہے یہ سودا ہوا ای خوش خرید
باغ مین ہم مرگئے محروم فیض گلبدن | ہین ہمارے آج پھول اور بلبلون کے حق مین عید
رہ نوردان جنون کو فتح باب فیض ہے | آبلون کے قفل کی خار بیابان ہے کلید

باغ کی گلگشت کا گر شوق ہو ای سرو قد | آری مین دیکھ صورت سیر گلشن کو نہ جا

تغافل ترک کر اے شوخ بے باک | تلطف کر نوازش کر مدارا

ہر صفحہ اسکے حسن کی تعریف کے طفیل | گلشن ہوا، بہار ہوا، بوستان ہوا

گل داغ جفا سین دل میرا | بوستان ہی چمن ہے گلشن ہے

ہوش عاشق کا سلامت کیون رہے | لب بلا، بالا بلا، ابرو بلا،

ہمارا جلوہ فرما دل نہ جانے ناز کرتا ہو | ادا یا سحر یا جادو ہے یا اعجاز کرتا ہے

دل آرام سین ایک دم دور رہنا | ستم ہے، الم ہے، جفا ہے، بلا ہے
اے دل وجان سراج آ رحم کر عشاق پر | اب نہین ہے تن مین طاقت دل میں تاب آنکھون مین خواب
کیا سبب دیکھ رہا آئینہ اے شوخ تجھے | کیون پشیمان نہ ہوا سر بگریبان نہ ہوا
شبخون کا عزم ہے صف عشاق پر اگر | مسی لگا کے پان کے بیڑے چبایئے

اس چشم نیم خواب کا کافی ہے ایک دور | تم آرزوے بادۂ انگور مت کرو

مت پوچھ سوز عشق سین فارغ سراج کو | پروانہ وار جان سے بلھا تھا سو ہو

مجھے بھی خوار کیا آپ بھی خراب ہوا | مین جان بلب ہون دل بیقرار کے ہاتھون
(جان)

سب دیکھتے تھے چاند کون مین یار کی طرف | اسکی بھوین جدھر تھین ادھر کون ہلال تھا

غم نے پیلا کیا ہمارا رنگ　　کیمیا گر نے زر کیا مس کا

ہجوم اشک سے موتی بھرے ہیں دامن میں　　ہے چشم تر میں مرے پاس کان گوہر خیز

مثال عکس سب کی آنکھوں کے پردین کے اندر ہو (آئینہ)　　ہوا معلوم یون ہمکون کہ طالع کے سکندر ہو

کیا اس سرو قد نے گل کا وعدہ　　قیامت پر رہا دیدار موقوف

صیاد چاہتا ہے دل بیقرار مفت　　لیکن کہین بھی ہاتھ لگا ہے شکار مفت؟

حجاب جلوۂ دیدار ہے مجھے مانع　　دگرنہ یار سے آسان ہے قربان ہونا

نہین درکار تیغ کج ادائی　　تری سیدھی نگہ تیر ہدف ہے

سبزے نے خط کے حسن کی افزدن کیا بہار[1]　　اس ناز بو نے زیب دیا صحن باغ کو

کبتک رد ار کھو گے تغافل سراج پر　　اب اس قدر بھی خوب نہین سرگرانیان

کیا ہوگا جو کھولو گے گرہ زلف سے اپنی　　آسان کرو عقدۂ مشکل کو ن ہمارے

تڑپنا تلملانا، غم مین جلنا، خاک ہو جانا　　یہی ہے افتخار اپنا یہی ہے اعتبار اپنا

رخ ہے مصحف بھوین ہین بسم اللہ　　زلف تیری ہے سورۂ اخلاص

ہوش کھونے کو نے نہین درکار　　گردشِ چشم مست کافی ہے

میرے گھر ہر مین گروہ مہ ابرو ہلال آوے　　رقیب شوخ طینت کے ستارے پر زوال آوے

بے فکر مین نہین، کہ صنم مست خواب ہے　　کیا کیا بلا کرے گا جو بیدار ہو ویگا

سب پر ہے کرم مجھپہ ستم کیا ہے دو رنگی　　دلدار کسی کا ہے دل آزار کسی کا

دل لیا نرگسِ ساحر نے تری　　سچ ہے جادو مین اثر ہوتا ہے

غیر کو ن بار نہ دو اپنی گلی مین ہرگز　　گلشنِ خلد مین کچھ کام نہین خاروں کا

---

[1] افزدن کیا بہار کی جگہ افزون کی بہار چاہئے تھا،

گوشۂ محرابِ ابرو مین ترے خالِ سیاہ
تابعِ اسلام ہے سردار کفرستان کا

تنہا نہین ہون دشتِ محبت مین اے صنم
غم ساتھ، درد قافلہ، اور دکھ رفیق ہے

تمھاری زلف کے جس دن سے تار بکھرے ہین
ہوئی ہے جمع مرے پاس سب پریشانی

نزدیک عیب ہے درد جدائی ہوا سراج
چارون طرف سے عیش کون یا دو رہے

بلبل ترے دہن کی لطافت کون دیکھ کر
صندوقِ غنچہ بھر کے زرِ گل نذر کرے

خوابِ آشفتۂ ہستی کی یہی ہے تعبیر
غیر فانی ہے مگر جلوۂ حق باقی ہے

دل بسکہ یادِ دوست سے آئینہ رنگ ہے
نقشِ خیالِ حسنِ پری اس پہ دنگ ہے

قیامت ہین مین اس مو کمر کے
عجب چنچل ہرن پالے ہین گھر کے

شوخ سرکش مطیع ہے میرا
مرتبہ کیا رفیع ہے میرا

ہرگز گذر نہین ہے یہان عشقِ غیر کو
دل عاشقون کا آئینۂ بے مثال ہے

تمام بوقلمونی کا ہے تجلی گاہ
نہین خدائی مین دل کی مثال شیشہ سا

دریائے مدعا کی لائے ہین تہ سے جب
ہر بوند اشک کا ہے درِ عدن ہمارا

دیوانے کو مت شورِ جنون یاد دلاؤ
ہرگز نہ سناؤ اُسے زنجیر کی آواز

تجھ بغیر اے شمعِ بزمِ ناز جلتا ہے سراج
حسن کے پرتو سے روشن کر شبستانِ فراق

سراج اشعار تیرے کیا بلا ہین،
بھبو کے ہین مگر سوزِ جگر کے!

لہ بوند کو مذکر باندھا ہے،

مرزا غالب کے بچپن کی ایک تحریر

از شمس العلماء حافظ نذیر احمد صاحب محقق آثار قدیمہ عجائب خانہ کلکتہ

مرزا غالب رجب ۱۲۱۲ھ میں پیدا ہوئے تھے، پانچ برس کی عمر میں وہ یتیم ہوئے یعنی ان کے والد ایک لڑائی میں مارے گئے، اس کے دو برس بعد کی ایک تحریر مولانا حبیب الرحمٰن خان شیروانی کے کتبخانہ حبیب گنج (علی گڑھ) میں محفوظ ہے، یہ ایک قسم کی دستاویز ہے، جبکو ۱۲۱۹ھ (۱۸۰۴ء) میں غالب مرحوم نے خدا داد خان اور دلی داد خان کے پاس اپنا مکان گرو رکھکر جو روپیہ دست گردان لیا تھا اس کے عوض میں لکھکر ان کے حوالہ کیا تھا، مرزا کی یہ تحریری دستاویز حسب ذیل ہے:-

خانصاحب مشفق مہربان خداداد خانصاحب و دلی داد خانصاحب سلامت، از اسد اللہ خان عرف مرزا نوشہ،

بعد سلام معلوم فرمایند کہ چون آن صاحبان با جناب والدہ صاحبہ قبلہ و کعبہ حضرت عزت النساء بیگم صاحبہ مدظلہ (ظلہا) العالی ہم بطریق رہن حویلی وہم بسبیل دستگردان طرح داد و ستد درمیان دارند، بلحاظ امر ناگزیر کہ لازم نفوس بشری است دلجمعی خود ازین جانب می خواہند لہذا نوشتہ می بود کہ خدائے جہان آفرین جناب بیگم صاحبہ قبلہ یعنی والدہ صاحبہ را تا دیرگاہ دارد، بذات خود ملک آن ہر دو حویلی اند دیگرے را در آن ہیچگونہ شرکت و انبازی نیست، واگر احیاناً خدانخواستہ باشد امر ناگزیر کہ لازم ذات انسانست پیش خواہد آمد، آنچہ از املاک مملوکہ و مقبوضہ جناب مرحومہ بتصرف این گنہگار خواہد آمد از ان مجموع اول ادائے قرضہ آنصاحبان کردہ خواہد شد، اگر ناکافی قیمت آن مجموع باداے تمام قرضہ صاحبان نخواہد بود

بقیہ قرضۂ آن صاحبان از نیز دخود ادا خواہم کرد، لیکن این معنی بخاطر باشد کہ چون جناب والدہ صاحبہ نوشتن و خواندن میدانند لہذا قرار داد آنست کہ ہر تمسک مہری جناب والدہ صاحبہ کہ بے دست خط جناب ممدوحہ خواہد شد کہ از پایۂ اعتبار ساقط متصور خواہد شد،

خلاصہ این کہ آن صاحبان ہر زرے کہ بجناب والدہ صاحبہ قبلہ بسبیل قرض وہند تمسک مہری جناب ممدوحہ حاصل کردہ نزد خود دارند، ہر تمسک کہ این چنین بخط او بود منتہ بکن گر بحسب اتفاق بذمۂ جناب ممدوحہ باقی خواہد ماند از جناب ممدوحہ ادائے آن زر خواہ از املاک متروکہ خواہ از جاداد خاص خودمن کل الوجوہ بذمۂ من خواہد بود ہرگز درین امر تردد نفرمایند و این خط را کہ من بدست خود درحالت ثبات حواس بے جبر و اکراہ برضائے خود نوشتہ ام دستاویز کامل شناسند، فقط نگاشتہ سی ام جنوری ۱۸۱۲ء ،

(مربع مہر)

عرف مرزا نوشہ
اسد اللہ خان
۱۲۱۹ھ

۱۲۱۲ھ کی پیدائش کے لحاظ سے ۱۲۱۹ھ مطابق ۳۰ جنوری ۱۸۱۲ء مین انکی عمر سات آٹھ برس کی ہوگی، اس عمر کے لحاظ سے فارسی کی یہ عبارت بھی، مرزا مرحوم کے فطری کمال کی ایک مزید شہادت ہے اس کا خط کسی قدر شکستہ آمیز ہے، مگر نہایت صاف ہے، اس دستاویز سے مرزا کے سوانح حیات کے متعلق چند نئی باتین معلوم ہوتی ہین،

دستاویز سے معلوم ہوتا ہے کہ مرزا مرحوم کی فارسی استعداد کسیقدر اچھی ہو، مگر عربی سے ہنوز ناواقف تھے، چنانچہ دستاویز مین اپنی والدہ کے لیے انھون نے مدظلہا کی جگہ مدظلہٗ، مذکر کی ضمیر استعمال کی ہے، مرزا مرحوم کی والدہ کا حال انکی کسی سوانح نگار نے نہین لکھا ہے، مگر اس دستاویز سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی والدہ کا نام عزت النساء تھا اور وہ لکھی پڑھی تھین، چنانچہ لکھتے ہین کہ " والدہ ماجدہ نوشتن و

خواندن می داند، تیسری بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ آگرہ مین ان کی متعدد املاک تھین جسکی تفصیل مولانا حالی
نے یادگار غالب مین کردی ہے یہ بھی ثابت ہوتا ہے مرزا بچپن ہی سے افلاس کے دام مین پھنسے اور
جاگیرین اور املاک رہن رکھنے لگے تھے۔

تلخیص وتبصرہ

مصر قدیم

مین

قلعۂ بابلیون کے چند آثار

مصر قدیم مین رومیون نے اپنے عہد حکومت مین شہر بابلیون بسایا تھا، اور شہر کی حفاظت کیلئے اس کے جانب شمال مین ایک عظیم الشان قلعہ تعمیر کیا تھا، جسے بعض تاریخی روایات کے لحاظ سے خاص اہمیت حاصل ہے، قلعہ تو مسمار ہو چکا لیکن اسس قلعہ کے چند آثار روتہ الکبریٰ کی یادگار کے طور پر اب بھی باقی ہین، قلعۂ بابلیون کو تاریخی حیثیت سے یہ خاص اہمیت حاصل ہے کہ قلعہ کے اسی حصار مین ایرانیون کے عہد حکومت مین قصر الشمع واقع تھا جس کے آثار رومیون کے عہد حکومت سے گذر کر مسلمانون کے زمانہ تک باقی رہے، چنانچہ قصر الشمع مین مجوسیون کا ایک عظیم الشان ہیکل تھا جسمین برابر آگ جلتی رہتی تھی، اس ہیکل کے اوپر ایک قبہ بنا ہوا تھا جسے قبہ الدخان یا دھوان کا قبہ کہا جاتا تھا جب مسلمانون کے زمانہ مین اس ہیکل کا مجوسیون سے قطع تعلق ہو گیا تو انھون نے اس عبادتگاہ کو مسجد بنا لیا اور اسکو اس کے قدیم نام کی مناسبت سے مسجد الدخان کہنے لگے، ایرانیون نے قصر الشمع کی تعمیر اسلیے کی تھی کہ جب شمسی مہینہ شروع ہوتا اور ان کے علم ہیئت کے لحاظ سے آفتاب ایک برج سے دوسرے برج مین منتقل ہوتا تو وہ اس دن قصر الشمع کی بلندی پر خوب چراغان کرتے تھے تاکہ ملک مین مہینہ کے آغاز کا اعلان ہو جائے،

مصر مین رومیون اور مسلمانون کی آخری یادگار جنگ اسی قلعہ پر ہوئی تھی رومی سات مہینے تک اس مین محصور رہے، پھر جب محاصرے کی سختیان ناقابل برداشت ہوگئین تو ایک پل کو عبور کرکے جزیرۂ روضہ مین چلے گئے، اور مسلمانون کے تعاقب سے بچنے کے لیے پل کو برباد کردیا، فاتح مصر حضرت عمرو بن العاصؓ قلعہ خالی پاکر فاتحانہ داخل ہوئے اور اس کو مال غنیمت مین شمار کرنے کی بجائے حکومت کے مصالح کے لیے وقف کردیا، چنانچہ مصر مین عباسیون کے ابتدائی دور حکومت مین حکومت کے تمام محکمے اسی قلعہ مین قائم تھے،

پھر انقلاب ایام سے رفتہ رفتہ اس قلعہ پر ادبار آیا، اور جابجا سے قلعہ کے مختلف حصے گرنے لگے اور اسکی اینٹین پتھر اور دیگر سامان شہر مین منتقل کئے جانے لگے چنانچہ شہر فسطاط کی عمارتون کے آثار اور قاہرہ کی قدیم دیوارون مین وہان کے پتھر آج بھی نظر آتے ہین،

دولت فاطمیہ کے اخیر زمانہ مین یہ قلعہ بالکل مسمار ہوگیا، صرف اس کے تین برج اور شہر پناہ کے بعض حصے بطور آثار کے باقی رہ گئے ہین یہ آثار باقیات قلعہ کی اصل عمارت سے جنوب مین واقع ہین جہان گذشتہ زمانہ مین فوج کی چھاؤنی قائم تھی، قلعہ کے اندر شمال مشرق مین ایک وسیع میدان تھا، اس میدان مین آجکل قبطیون، رومن ارتھوڈکس اور کیتھولک فرقے کے قبرستان ہین، اور یہین قبطیون کی مقدس راہبہ ایک علیحدہ چہار دیواری میری جرجس مین آرام کی نیند سوتی ہین،

ان تینون برجون مین سے ایک برج مقوقس ہے جو کنیسۂ معلقہ کے سامنے پڑتا ہے، اس برج مین منقش پتھر لگے ہوئے ہین جنکی صنعت قدیم نقش ہیروغلیفی سے ماخوذ ہے، اس کا دروازہ رومانی شکل کا ہے، جسے باب مقوقس سے موسوم کیا جاتا ہے، اس دروازہ کے بعد ایک دہلیز پڑتی ہے اور دہلیز کے وسط مین مربع شکل کے پتھر کے مختلف ٹکڑون کے چند کھمبے ہین، یہ پتھر ایک دوسرے پر چڑھے ہوئے معلوم ہوتے ہین اور رخام کے چند ستون پر نہایت باریک صنعت کا کام

کا ایک منبر رکھا ہوا ہے، اسکی چھت بھی پتھر ہی کی ہے جو طولاً وعرضاً سنگ مرمر کے ستونون کی چار صف پر قائم ہے، لیکن چھت مین کسی قسم کا نقش ونگار نہین ہے، کچھ زمانہ گذرا کہ نخلہ بک باراتی نے اس کی مرمت کرائی تھی،

قلعہ کا دوسرا برج جو باقی رہگیا ہے، وہ بھی برج متوقس کہا جاتا ہے، یہ اسطوانی شکل کا ہے، جو کنیسۂ معلقہ کے شمال مغرب مین واقع ہے، اس کا نصف شمالی حصّہ جدید عمارتون کے گھیر مین آگیا ہے،

تیسرا برج بھی برج متوقس کے مشابہ ہے، رومن ارتھوڈکس نے اس برج کے چہار طرف ایک اور برج تعمیر کیا ہے، اس طرح جدید برج قدیم رومانی برج پر محیط ہوگیا ہے، اس جدید برج مین ایک گرجا میری جرجیس کے نام سے بنایا گیا ہے، ان برجون کے علاوہ ایک قدیم رومی دروازہ بھی ہے، میری جرجیس کا راستہ اسی دروازہ سے ہوکر گذرتا ہے،

غرض رومیون کے عظیم الشان قلعہ بابلیون کا جو کبھی رومیون کے جاہ وجلال کا مظہر رہ چکا تھا یہ انجام ہوا،

(مقتطف) ز

مدینۂ منوّرہ

کا

کتب خانۂ عارف حکمت بک،

تیرہوین صدی ہجری کے اواخر مین عارف حکمت بک ٹرکی کے شیخ الاسلام تھے، وہ کتابون کے بڑے شائق تھے، اور انکا بڑا ذخیرہ ان کے پاس تھا، ۱۲۶۰ھ مین انھون نے یہ تمام ذخیرہ سرزمین پاک یثرب مین استفادۂ عام کے لیے وقف کردیا، اس کتب خانہ مین گیارہ بارہ ہزار سے زیادہ کتابین ہین، جنمین زیادہ تر قلمی کتابین تھین، سات سو خاص شعرائے عرب کے دوادین ہین، یہ کتب خانہ باب جبرئیل کے قریب ایک خوبصورت عالیشان عمارت مین قائم ہے، کتب خانہ کے اخراجات کیلئے

کتب خانہ کے بانی نے ایک وقف بھی چھوڑا ہے، جس سے اس وقت اس کے اخراجات چلتے ہین،
ملازمین کتب خانہ مین سے ناظم اور محافظ اول کی سات سات سو قرش تنخواہین ہین، محافظ دوم کی چھ سو
اور محافظ سوم کی ۵۰۰ قرش تنخواہ ہے، علاوہ ازین محافظ چہارم، جلد ساز، دربان، بہشتی، اور جاروب کش
وغیرہ ملازمین کتبخانہ ہین،

اس کتب خانہ کی اصل خصوصیت یہ ہے کہ اس مین مطبوعہ کتابون سے زیادہ نایاب، نادر قلمی کتابین
ہین اگرچہ ان مین کی اکثر کتابین طبع ہوچکی ہین تاہم کتابت مین خاص امتیاز رکھنے کے ساتھ بعض مخصوص
تاریخی اہمیت رکھتی ہین جسکی تفصیل پر ذیل کی فہرست سے قدرے روشنی پڑے گی،

(۱) ایک مجلد قرآن مجید شتر مرغ کے چمڑے پر بہترین اندلسی خط مین لکھا ہوا ہے، جسے ۵۱۸ھ مین عبدالرحمن
بن علی بن محمد بن مرزوق بن احمد بن مکانس بطلیموسی نے مریہ (اندلس) مین لکھا تھا اسی طرح حضرت
عبداللہ بن عباسؓ کی ایک تفسیر قرآن ۵۳۱ھ کی لکھی ہوئی کبتخانہ مین محفوظ ہے، لیکن افسوس ہے کہ اس
کے چند اجزا ضائع ہوگئے ہین (۲) نوین صدی کے مشہور عالم جلال الدین سیوطی کی ایک کتاب محاضرات
و محاورات خود انھی کے ہات کی لکھی ہوئی ہے (۴) ایک کتاب افعال ابن القوطیہ بھی نوادر مین ہے جو ۵۷۹ھ
کی لکھی ہوئی ہے (۵) ابو اسحاق بن ابی عون البغدادی کی ایک تصنیف کتاب التشبیہات ہے اس کا ایک
نسخہ مشرقی خط مین لکھا ہوا اس کتب خانہ مین بھی ہے جسکا سنہ کتابت ۶۶۲ھ ہے (۶) ملا شاہی کا فارسی دیوان
بھی اس کتب خانہ مین قلمی موجود ہے، یہ دیوان بہترین خط ابیض مین لکھا ہوا ہے (۷) رضی الدین محمد بن
ابراہیم حنبلی حلبی کی کتاب کتاب الزبد والضرب فی تاریخ حلب بھی یہان قلمی موجود ہے (۸) محمد بن سلام
الجمحی کی طبقات القراء (۹) جمال الدین ابو عبیداللہ بن احمد المطری کی کتاب التعریف بما انست الہجرۃ من معالم
دار الہجرۃ بھی وہان موجود ہے، کتاب التعریف مین فضائل مدینہ منورہ، فضائل مسجد نبوی صلعم، مدینہ منورہ
کی دیگر مسجدون، وادی مدینہ اور وادی عقیق کے حالات اور حرم کے حدود وغیرہ بیان کئے گئے ہین

(۱۰) اسی طرح سید محمد کبریت المدنی کی کتاب الجواہر الثمینہ مکتوبہ سنہ ۱۲۰۱ھ اور انکی کتاب نصر من اللہ فتح قریب، کا قلمی نسخہ جس مین فضلائے مدینہ کے تراجم ہین موجود ہے، (۱۱) اسی طرح علامہ ابوالحسن علی بن یحیی بن عیسی بن جزلۃ الطبیب البغدادی کی تقویم البلدان فی تدبیر الانسان کا ایک قلمی نسخہ اور (۱۲) یحیی بن ابی بکر العامری کی غربال الزمان المفتح لسید ولد عدنان کا ایک قلمی نسخہ محفوظ ہے، عامری کی یہ تصنیف امام اسعد یافعی کی مختصر یا ملخص ہو، جس مین بہ ترتیب سنین سنہ ۸۰۰ھ تک کے تاریخی واقعات اور اس زمانہ تک کے مشاہیر کے تراجم بیان کئے گئے ہین، ان کتابون کے علاوہ (۱۳) الراعی الشہیر با بن حداد بردی المتوفی سنہ ۱۱۹۵ھ کی البرق المتألق فی محاسن جلق (۱۴) نوین صدی کے بعد کی دمشقی کی النجوم الزواہر فی معرفۃ الاواخر (۱۵) کتاب محذرات القصور فی تاریخ اہل العصور لابن قطری البحری المورخ المصری المتوفی سنہ ۹۵۰ھ اور کتاب ایمان العرب لابی اسحق النجیری الکاتب کا ایک ایک قلمی نسخہ اس کتب خانہ مین موجود ہے،

افسوس ہے کہ بانی کتب خانہ کی آخری عمر کی تمام جمع کردہ کتابین ضایع ہوگئین، کیونکہ ان کا انتقال ایک دوسری جگہ ہوا، اور وہ تمام کتابین جو ان کے پاس تھین، ناقدردانون کے ہاتھون نہایت سستے دامون فروخت ہوگئین، انھین کتابون مین عربی علم ادب کی مشہور کتاب کتاب الاغانی بھی تھی، یہ وہی نسخہ ہے جو مطبوعہ صورت مین ارباب علم تک پہنچا،

کتب خانۂ عارف حکمت بک کے لیے یہ سخت قابل تاسف امر ہے کہ اسکی فہرست اب تک شائع نہین ہوئی کہ ارباب ذوق مستفید ہوسکین، شاید حجاز کا جدید انقلاب حکومت اس کتب خانہ کو راس آئے، اور علم دوست سلطان ابن سعود کی توجہ اس کتب خانہ کی طرف بھی منعطف ہو جائے،

"ر"　　　(الزہراء)

فنلینڈ مین تعلیمی جد وجہد

دول یورپ مین فنلینڈ کی عجب مختلف حیثیات ہین، اگر اسے جغرافی حیثیت سے دیکھا جائے

تو روس کا ایک ٹکڑا معلوم ہوتا ہے، چنانچہ وہ ایک صدی بیشتر روس ہی کا ایک حصہ تھا، تا آنکہ جنگ عظیم مین اس کو آزادی حاصل ہوئی، اور وہان ایک مستقل حکومت کی بنا پڑی، اور اگر تاریخی حیثیت سے نظر ڈالیجائے تو اُسے سوئیڈن کا ایک حصہ کہا جائے گا، کیونکہ سب سے پہلے سوئیڈن والون ہی نے وہان اپنی نوآبادی قائم کی، اور وہان کے باشندون کو علم سے روشناس کیا چنانچہ سنہ ۱۹۰۸ء تک وہان کی ادبی اور تعلیمی زبان سوئیڈن والون ہی کی زبان تھی، اور اس وقت بھی سوئیڈن والون کے متعدد تعلیمی انسٹیٹیوشن قائم ہین، اور جب اسکو تعلیمی اعتبار سے دیکھتے ہین تو یورپ کا یہ مختصر حصہ اس حیثیت سے بہت زیادہ ترقی یافتہ نظر آتا ہے، چنانچہ یہان کے باشندون مین ۹۹ فیصدی سے زیادہ تعلیم یافتہ اشخاص ہین، اسی طرح یہان سے جو اخبارات نکلتے ہین ان کی تعداد یہان کی مختصر فہرست کے تناسب سے حیرت انگیز ہے، چنانچہ سنہ ۱۹۲۳ء مین فنلینڈ کی زبان مین ۲۷۴، اخبارات نکلتے تھے، اور ۹۶، اخبارات سوئیڈن کی زبان مین، فنلینڈ، سوئیڈن کی مشترکہ زبان مین ۹ اور بعض دیگر غیر ملکی زبانون مین ۵۔ اخبارات شائع ہوتے تھے،

فنلینڈ مین اس وقت تین یونیورسٹیان ہین، ان مین سے سب سے بڑی یونیورسٹی فنلینڈ کے دارالسلطنت ہیلسنگفرس مین ہے، یہ یونیورسٹی سنہ ۱۶۴۰ء مین شہر ابو مین قائم ہوئی تھی پھر سنہ ۱۸۲۸ء مین منتقل ہو کر دارالسلطنت مین چلی آئی، یہ حکومت کی طرف سے قائم ہے، اس کے اخراجات خزانۂ عامرہ برداشت کرتا ہے، اس مین سنہ ۱۹۲۴ء مین تقریباً ۲۷۶ پروفیسر اور ۴۶۹۴ طلبہ تھے جن مین سے ۱۰۳۸ خواتین تھین، اور باقی دو یونیورسٹیان شہر ابو مین قائم ہین، ان مین سے ایک سوئیڈن والون کی ہے، جو سنہ ۱۹۱۹ء مین قائم ہوئی تھی، اس مین ۱۳۵ اساتذہ، اور ۷۴۴ طلبہ ہین جنمین سے ۲۰۸ عورتین ہین، دوسری یونیورسٹی فنلینڈ والون کی ہے، یہ سنہ ۱۹۲۲ء مین قائم ہوئی ہے، اس مین ۲۰ پروفیسر اور ۱۱۵ طلبہ ہین جنمین سے عورتین ۴۱ ہین، یہ دونون یونیورسٹیان حکومت کے نزدیک تسلیم شدہ ہین، اور حکومت کی طرف سے ان کے فارغ التحصیل طلبہ کو ڈگریان بھی ملتی ہین،

وہان کی ان تین یونیورسٹیون کے علاوہ دیگر مدارس کے اعداد و شمار یہ ہین، دار الحکومت مین ایک مدرسہ صرف علم سیاست کی تعلیم کے لیے ہے جسمین ۸۲ اساتذہ اور ۲۰۵ طلبہ ہین جنمین عورتون کی تعداد ۱۶۱ ہے، مدارس ثانویہ کی تعداد ۷۰۰ تک پہنچتی ہے، مدارس بحریہ ہین، صنعت وحرفت کی تعلیم کے لیے ۱۰۰ مدرسے قائم ہین، زراعت کی تعلیم کے لیے ۳۹، مویشیون کی نگہداشت سکھانے کے لیے ۳۶، درختون اور جنگلون کے متعلق، مدرسون مین تعلیم دیجاتی ہے، تجارتی تعلیم کے لیے ۳ مدرسے ہین، اور اساتذہ کی تعلیم کے لیے ۸ ٹریننگ اسکول قائم ہین،

یہان آخری جنگ عظیم سے پیشتر زراعتی تعلیم سب سے اہم تصور کیجاتی تھی، لیکن جنگ کے بعد اور وسعت پیدا ہوگئی ہے، چنانچہ اب ان یونیورسٹیون مین برقیات، کیمیا، اور ہندسہ وغیرہ خاص توجہ سے پڑھائے جاتے ہین،

(مقتطف) "م"

اخبار علمیہ

مصری یونیورسٹی کی جدید تعمیرات؛ مصری یونیورسٹی کی مجلس نے طے کیا ہے کہ یونیورسٹی کے ماتحت ایک قانون کا کالج اور ایک فنون کا کالج قائم کیا جائے، اور یونیورسٹی کے احاطہ مین ایک وسیع کتب خانہ کی بنا ڈالی جائے، اس تجویز کو عملی جامہ پہنانے کے لیے سب سے پیشتر عمارتون کی ضرورت ہے، چنانچہ وزیر تعلیمات کی کوششون سے وزارت مالیہ نے ان دونون کالجون اور کتب خانہ کی عمارتون کی تعمیر کیلئے بجٹ منظور کر لیا ہے، ان عمارتون کے سلسلہ مین ایک وسیع ہال کی تعمیر بھی پیش نظر ہے جس مین دو ہزار سے زیادہ نشستون کی گنجائش ہوگی، اس سلسلۂ تعمیرات کے مصارف کا تخمینہ ایک لاکھ ۰۰ ہزار پونڈ لگایا گیا ہے،

تعمیرات کے سلسلہ مین یونیورسٹی کے پیش نظر ایک نئی تجویز بھی ہے، وہ چاہتی ہے کہ یونیورسٹی کے تمام طلبہ اس کے احاطہ کے متصل یکجا اقامت پذیر ہون، اسکو عمل مین لانے کے لیے یہ صورت بہتر سمجھی گئی کہ یونیورسٹی کے احاطہ کے قریب ایک نیا محلہ آباد کیا جائے جو صرف طلبہ کے لئے مخصوص ہو اور اسی مناسبت سے اس محلہ کو "حی الطلبہ" سے موسوم کیا جائے، چنانچہ اس کے لیے بھی وزیر معارف کی مساعی سے یونیورسٹی کے احاطہ کے جنوب مین ۱۷ ایکڑ خاص سرکاری زمین یونیورسٹی کو ملگئی ہے،

سب سے چھوٹا ہوائی جہاز؛ حصول تجربہ اور اظہار صنعت کے لئے چھوٹے بڑے ہر قسم کے ہوائی جہاز بطور نمونہ تیار کئے جا رہے ہین، چنانچہ ابھی حال مین ایک سب سے چھوٹا ہوائی جہاز تیار کیا گیا ہے، جسکا

مجموعی وزن صرف ۲۳۰ رطل (پونڈ) یعنی چار من ہے، اس پر صرف ایک آدمی پرواز کر سکتا ہے، اس کے پرواز کی بھی آزمایش کیگئی جس سے اس کی رفتار ایک گھنٹہ میں ۶۰ میل ثابت ہوئی، جس مین صرف ایک گیلن پٹرول صرف ہوا،

سونے کی کمی روز افزون، ماہرین معادن کا خیال ہے کہ مستقبل مین سال بہ سال سونے کی کانون سے سونا دستیاب ہونے مین محسوس کمی ہوتی جاویگی، اس خیال کی تائید مین سنہ ۱۹۱۵ء اور سنہ ۱۹۱۶ء کے اعداد وشمار پیش کئے جاتے ہین جن سے واضح ہوتا ہے کہ سنہ ۱۹۱۶ء مین بہ نسبت سنہ ۱۹۱۵ء کے ۸۱ ملین ڈالر (۱۶ ملین پونڈ سے کچھ زیادہ) سونا کم دستیاب ہوا، دونون سال کے اعداد وشمار یہ ہین:-

نام ملک	سنہ ۱۹۱۵ء	سنہ ۱۹۱۶ء	ڈالر
جنوبی افریقہ،	۱۸۸۰۳۳۰۰۰،	۱۹۷۹۳۵۰۰۰	ڈالر
ولایات متحدہ امریکہ،	۱۰۱۰۳۶۰۰۰،	۵۰۵۷۰۰۰۰	"
کناڈا،	۱۸۹۷۸۰۰۰،	۳۱۵۳۲۰۰۰	"
اسٹریلیا،	۴۹۹۸۸۰۰۰،	۱۶۸۹۴۰۰۰	"
میکسکو	۶۵۵۹۰۰۰،	۱۶۴۸۰۰۰۰	"
روڈیسیا،	۱۸۹۱۵۰۰۰،	۱۳۰۰۲۰۰۰	"
روس وسائبیریا	۲۶۳۲۳۰۰۰،	۱۳۰۰۲۰۰۰	"
برطانوی ہند	۱۲۷۴۹۰۰۰،	۸۱۹۳۰۰۰	"
دوسرے ممالک	۴۷۴۴۵۰۰۰،	۴۲۷۰۱۰۰۰	"
مجموعہ —	۴۷۰۰۲۶۰۰۰ —	۳۸۹۱۷۰۰۰	ڈالر

اس سلسلہ مین ماہرین اقتصادیات کے لیے یہ واقعہ اور زیادہ تشویش انگیز ہے کہ ہر سال بازار سے سونے کی خاصی مقدار لاپتہ ہوجاتی ہے چنانچہ امریکہ کے اکتشاف کے وقت سے اس وقت تک تقریبا ۴۰۰۰ ملین پونڈ سونا مختلف کانون سے نکالا جاچکا ہے، لیکن اسوقت بازار مین صرف ۲۰۰ ملین پونڈ باقی ہے، ماہرین اقتصادیات اس گمشدگی کا الزام ہندوستان کے سر رکھتے مین کہ یہان قدیم مشرقی روایات کو زندہ رکھتے ہوئے سونے کی خاصی مقدار عورتون کے زیورون کے نذر کردیجاتی ہے

تیراک موٹر، اب ایک ایسا موٹر ایجاد ہوا ہے جو خشکی پر بھی چلتا ہے اور پانی پر بھی، خشکی پر ایک گھنٹہ مین اسکی ۳۰ میل رفتار ہے اور جب اسے پانی پر لیجایا جاتا ہے، تو بغیر کسی رد عمل کے آپسے آپ کشتی بنجاتا ہے، کیونکہ اس کے بنانے مین ایسی رعاتین رکھی گئی ہین کہ پانی پر پہنچتے ہی کشتی کی شکل اختیار کرلیتا ہے، پانی پر اس کی رفتار ایک گھنٹہ مین ۱۲ میل ہوتی ہے،

زمانۂ جنگ اور مابعد مین مختلف حکومتون کی فوجی طاقت، ذیل کے اعداد و شمار سے زمانۂ جنگ اور مابعد مین مختلف حکومتون کی فوجی طاقت کا موازنہ کیا جاسکتا ہے:-

نام حکومت	جنگ کے زمانہ مین فوج کی تعداد	۱۹۲۵ء مین فوج کی تعداد	کیفیت
برطانیہ،	۵۷۰۴۰۰۰،	۲۱۳۰۰۰،	یہان قانوناً جبری بھرتی ہے،
ولایات متحدہ امریکہ،	۳۷۰۷۰۰۰،	۱۴۱۰۰۰،	یہان زمانۂ جنگ مین جبری بھرتی ہوتی ہے،
فرانس،	۷۹۰۰۰۰۰،	۴۲۱۰۰۰،	یہان ہر ایک کے لیے فوجی خدمت لازمی ہے،
جرمنی،	لاتحصی،	۱۰۰۰۰۰،	اب معاہدۂ صلح کے رو سے اسی قدر اجازت ہے،
اٹلی،	۵۶۰۰۰۰۰،	۳۰۸۰۰۰،	یہان ۱۸ مہینہ کے لیے فوجی خدمت لازمی ہے،

نام حکومت،	جنگ کے زمانہ میں فوج کی تعداد،	۱۹۲۵ء میں فوج کی تعداد،	کیفیت
روس،	غیر محدود طاقت تھی،	۶۰۰۰۰۰	
پولینڈ،	۹۸۰۰۰۰،	۲۵۷۰۰۰	ہر شخص پر ۲ سال فوجی خدمت لازمی ہے،
جاپان،	۲۰۰۰۰۰۰،	۲۵۲۰۰۰	″ ۳ ″ ″ ″

ان حکومتوں کے علاوہ دوسری حکومتوں کی فوج کی موجودہ تعداد حسب ذیل ہے:-

نام حکومت،	تعداد فوج،	کیفیت
یوگوسلافیہ،	۱۲۸۰۰۰،	یہان فوجی خدمت لازمی ہے،
رومانیہ،	۱۴۶۰۰۰،	″ ″ ″
سوئیڈن	۳۶۰۰۰،	″ ″ ″
بلجیم (بلجیکا)،	۸۷۰۰۰،	″ ″ ″
بلغاریہ،	۸۱۰۰۰،	معاہدہ صلح کے رو سے
اسپین،	۲۶۲۰۰۰،	یہان فوجی خدمت لازمی ہے،
تشکوسلوفاکیا،	۹۰۰۰۰،	″ ″ ″
یونان،	۶۸۰۰۰،	″ ″ ″
ترکی،	۱۲۰۰۰۰،	″ ″ ″

تمت

ادبیات

مُسلم سے خطاب

از مولوی سید سراج الحسن صاحب ترمذی وکیل حیدرآباد دکن

اے مسلم غافل دیکھ ذرا قدرت کی نرالی شانون کو
دیتی ہے وہ کیونکر نشو ونما مٹی مین ملا کر دانون کو

ہنستی ہُوا فق پہ جو برق تپان اُٹھا ہی گھٹا سر دود فغان
پھر دیکھ کہ کیونکر آب رِوان کرتا ہی چمن ویرانون کو

تو اپنے تئین وہ چٹان بنا ہلنے مین نہ آئے جسکی بنا
جو کھیل سکے گردابون سے جو جھیل سکے طوفانون کو

عالم کو بتا دے پھر شہدِ لابحر سے پھر نکلتا گوھر
ہان جلوہ ہستی پھر دکھلا پھر ہوش مین لا دیوانون کو

پھر نشۂ حُبِ وطن کا اثر پر جوش دلون مین پیدا کر
اس بادۂ تند سے دے چھلکا ملت کے بھرے پیمانون کو

پھر کردے اُجالا ظلمت مین پھر رنگ بدل دے محفل کا
پھر ملتِ بیضا کو چمکا پھر کعبہ بنا بت خانون کو

توحید کا پہلا نقش ہی تو ہے زینتِ عالم ذات تری
تو شمع ہی روشن تونے کیا ظلمت سی بھرے کاشانون کو

آفاق مین تھا شہرہ جنکا انمول جواہر تھے جن مین
اب لوٹ لیا قزاقون نے اسلام کے اُن ایوانون کو

جوہر مین تری شوکت کے نہان آثار کہن مین اب بھی عیان
تہذیب کا تونے درس دیا دنیا مین جہان انسانون کو

ہان گرم کر اپنی محفل کو اور آگ لگا پھر سینون مین
لا وجد مین پھر اکبار ہمین پھر چھیڑ پرانی تانون کو

گرد جہالت کی یہ گھٹا پھر علم کا سورج نکلے نکل
جانون مین جو انکی نور بھرے وہ جلوہ دکھا انجانون کو

ہنگامہ کوشش گرم کرو اور بازوئے ہمت پھیلاؤ
سینون سے تم اپنے محو کرو ان فخر بھرے افسانون کو

شیوہ ہی ترا گر جانبازی ہی شان تری گر حریت
دے بار غلامی پھینک ابھی آزاد کر اپنے شانون کو

کر حال کو روشن جنی سے دیکور دلون کو پھر آنکھین　　عالم کی پلٹ دی پھر کایا انسان بنا حیوانون کو

دھرکان نہ چکنی باتون پران نیلی آنکھون والونکی　　الفاظ کے کچے دھاگون سے یہ باندھتے ہین پیمانون کو

دکھلادے تماشا آج انھین تو اپنی حیات ملی کا　　پھیلا دے جہان باطل مین پھر صدق بھرے اعلانون کو

بغداد کا قصہ چھیڑ کے پھر توڑ خم کہن کو تازہ کر　　رہنے دے کتاب جنی مین اُس دور کے سب افسانون کو

آتے ہین نرالے جلوے نظر اس جام حجازی مین مجکو　　لبریز شراب عرفان سے کر ہند کے سب خمخانون کو

نوائے حزین

جناب حزین نوگانوی صاحب نائب مدیر رہنمائے تعلیم لاہور سیاح ایران

وقت نزع است بگوئید کسے یار مرا　　جز وصالش نہ علاجے دل بیمار مرا

شکوہ اے شوخ چہ داری ز سرشک سرخم　　آستین کے زدۂ دیدۂ خونبار مرا

تختۂ مشق خودش کردہ طبیب نادان　　خواہد آرام شود این دل بیمار مرا

پند زاہد بمن انیست نہ بندم زنار　　خود چرا کار بر ورشتۂ زنار مرا

سبحہ سازند و ز مژگان بشمارند لک　　گوہر ریختۂ چشم گہربار مرا

جمعیۃ العلمار کلکتہ کا خطبۂ صدارت

یہ خطبہ جسمین عالم اسلام کے ہر قسم کے مسائل پر غائر نظر ڈالی گئی ہے، اور علمار کو موجودہ مذہبی خطرات سے آگاہ کیا گیا ہے اور ہندوستان مین مسلمانون کے حقوق و فرائض سے بحث کیگئی ہے، نہایت اہم ہے، اکثر شائقین اسکا تقاضا کر رہے ہین، اسلیے ان کو اطلاع دیجاتی ہے کہ دفتر مین اب خطبہ کے تھوڑے سے نسخے باقی ہین، جو اصحاب چاہین بقیمت منگوا سکتے ہین، قیمت ۸ ضخامت ۸۰ صفحے

"منیجر"

باب التقریظ والانتقاد

نظریۂ اضافیت

مصنفۂ پروفیسر منہاج الدین صاحب ایم اس سی،

از

مولوی ابوالجلال صاحب ندوی،

آجکل اردو کے مصنفین جس قدر گہرے اور غامض مسائل کی طرف توجہ کر رہے ہین، اس کو دیکھکر ہر علم دوست کو فخر اور خوشی ہوگی، سال رواں کے جدید مطبوعات مین، ہمارے خیال مین جو چیز سب سے گرانقدر ہے وہ پروفیسر منہاج الدین صاحب بی ایس سی پروفیسر اسلامیہ کالج پشاور کی نظریۂ اضافیت ہے، جسمین پروفیسر آئن اسٹائن کی The Einstein Theory of Relativity کو بیان کیا گیا ہے، معارف کو فخر ہے کہ اردو مین سب سے پہلے اسی نے اس نظریہ کو پیش کرنے کی عزت حاصل کی، چنانچہ دسمبر ۱۹۲۲ء اور اپریل ۱۹۲۳ء مین اس نے اردو مین سب سے پہلا مضمون شائع کیا، جو پروفیسر نصیر احمد بی ایس سی (جامعۂ عثمانیہ) کا رقمزدہ تھا، پروفیسر موصوف ہی پہلے شخص ہین جنھون نے اسکو "نظریۂ اضافیت" کے نام سے موسوم کیا اور یہی ترجمہ اب بھی صحیح ہے،

اصل کتاب پر اپنے خیالات عرض کرنے سے پہلے بانی نظریہ کا تعارف ضروری ہے، البرٹ آئن اسٹائن ۱۸۷۹ء مین جرمنی کے شہر اُلم مین پیدا ہوا، اور وہین تعلیم پائی ۱۹۰۱ء مین سوئٹزرلینڈ گیا جہان

۱۹۰۲ء مین انجینیر مقرر ہوا، ۱۹۰۹ء، ۱۹۱۲ء، ۱۹۱۳ء مین علی الترتیب وہ زیورک یونیورسٹی، پراگ یونیورسٹی اور برلن کے دار العلوم طبیعیات کا پروفیسر مقرر ہوا، ۱۹۰۵ء مین اس نے اپنے اس نظریہ کو محدود شکل مین پیش کیا، اور ۱۹۱۵ء مین عام نظریۂ اضافیت کو شائع کیا، اس بنا پر نظریۂ اضافیت کی عمر صرف ۱۰،۱۱ سال کی ہے، پروفیسر منہاج الدین نے اس قدر جلد یہ کتاب شائع کرکے نہ صرف اپنی حاضر دماغی زود قلمی، اور خوش اسلوبی تحریر کا ثبوت دیا ہے، بلکہ السنۂ عالم کے آگے ہماری دیسی بھاشا اردو کا اعجاز دکھا دیا ہے کہ یہ کم عمر زبان بھی جدید سے جدید اور مشکل سے مشکل خیالات کو اس قدر جلد اپنا لینے کی صلاحیت رکھتی ہے،

ریلیٹی ویٹی (RELATIVITY) کا ترجمہ بعض اصحاب نے "انتساب" بھی کیا ہے، مگر پروفیسر نصیر الدین نے اور پھر پروفیسر منہاج الدین نے "اضافیت" کے لفظ کو اختیار کرکے اس نظریہ کو خالص مشرقی تعلیم کے فرزندون کے لیے بھی عام فہم بنا دیا ہے، کیونکہ ہم اپنی پرانی درسی کتابون مین بھی چند اضافی حالتون کو جان چکے ہین، فوق تحت، نیک اور بد، کم اور بیش، طول اور قصر وغیرہ بہت سے اضافی اوصاف اور حالات سے ہم بھی واقف تھے، پروفیسر آئن اسٹائن کو ساری دنیا اسی قسم کے اعراض کا مجموعہ نظر آتی ہے، انھون نے آگے بڑھکر حرکت اور سکون، طول اور عرض، وزن اور حجم، وقت اور جگہ غرض اشیائے عالم کے تمام ممیزات کو اضافی حالات قرار دیکر سائنس کی دنیا مین بہت بڑا انقلاب پیدا کر دیا ہے، بطلیموس کا نظام شمسی کب کا تباہ ہو چکا، مگر ثوابت کا نقشہ کسی نے نہین دیکھا کیونکہ نیوٹن کے قانون تجاذب نے کسی چیز کو اپنی مقررہ جگہ سے ہٹنے نہین دیا، نظریۂ اضافیت نے سیارون کی کشش کو بھی مہمل قرار دیدیا، لیکن دنیا اپنی حالت پر اب بھی بدستور قائم ہے،

اس نظریہ نے سب سے بڑا کام یہ کیا ہے کہ سائنس کو بھی فلاسفی بنا دیا، یعنی طبیعیات والے اب تک اپنے مزعومہ دعوی کو واقعہ اور صحیح واقعہ بنا کر پیش کرتے تھے، مگر نظریۂ اضافیت نے ثابت کر دیا کہ حق اگر

کوئی بات ہے تو مسلمان مولویون کا صرف وہ فقرہ جسے وہ عموماً ہر بات کے جواب مین دہرایا کرتے ہین یعنی

واللہ اعلم بالصواب اصلی بات کو خدا ہی جانتا ہے،

ہمارا کوئی احساس، کوئی علم، کوئی دعوی اس سے زیادہ کوئی واقعیت نہین رکھتا کہ ہم کو اور ہمارے ساتھیون کو ایسا ہی محسوس یا معلوم ہوتا ہے،

نظریۂ اضافیت کو پروفیسر منہاج الدین نے ۸ مقالون پر تقسیم کیا ہے، پہلے مقالہ مین طبعیات کے کچھ مسائل بطور مبادی کے بیان کئے ہین، دوسرے مقالہ مین خاص نظریۂ اضافیت یعنی یکسان مستقیم حرکت کا بیان ہے، (اس مقالہ کا خلاصہ (حتی الوسع خود مصنف کے لفظون مین) حسب ذیل ہے)

حرکت اور سکون (۱) "سکون اور یکسان مستقیم حرکت کا تصور تصور مطلق نہین ہے بلکہ اضافی ہے" کیونکہ "ہم اجسام کی باہمی اضافی حرکت کو جانتے ہین، حرکت مطلق کے کچھ معنی نہین ہین" یعنی یہ کہ سکون اور یکسان مستقیم حرکت مین کچھ فرق نہین ہے، "یکسان مستقیم حرکت کا احساس نہین ہو سکتا" اس بنا پر "کسی نظام مرتبی مین کتنے ہی تجربے اور مشاہدے کرین ہمین یہ نہین معلوم ہو سکتا کہ نظام ساکن ہے یا متحرک"

سائنس جاننے والون کے نزدیک، فضای بسیط مین جسکو خلا کہا جاتا ہے ایک چیز "اثیر" ہے، جس کے اندر تمام سیارے حرکت کرتے ہین، ہمین معلوم کہ اثیر ساکن ہے یا متحرک لیکن "اثیر کی حرکت کا تصور ناممکن ہے" اسلیے گویا "اثیر ساکن ہے" اور روشنی ہر حالت مین ۱۸۶۳۳۰ میل فی ثانیہ کے حساب سے سیدھی چلتی ہے" ان دونون باتون کو تسلیم کر لینے کی صورت مین "اثیر مین زمین کی حرکت کا معلوم کرنا بھی ممکن ہونا چاہیئے" کیونکہ زمین کی حرکت کی سمت مین روشنی کی رفتار اسکی طبعی رفتار سے کچھ کم، اور سمت مخالف مین کچھ زیادہ ہونا ضروری ہے، لیکن تجربہ شاہد ہے کہ کوئی آلہ آج تک رفتار زمین کو محسوس نہ کر سکا کیونکہ زمین کی رفتار کسی قدر یکسان اور مستقیم ہے، اور واقعہ یہ ہے کہ:-

"دو جسمون پر کوئی ایسا تجربہ نہین ہو سکتا جس سے یہ معلوم ہو کہ ان مین سے ایک جسم ساکن

ہے دوسرا یکسان مستقیم حرکت کے ساتھ متحرک"

طول اور فاصلہ | متحرک چیزین ساکن ناظر کو، اور ساکن چیزین متحرک ناظر کو ہمیشہ چھوٹی نظر آتی ہین، طول اور فاصلہ کا صحیح تصور حرکت اور سکون کے تصور کیساتھ وابستہ ہے" اس بیان کا کوئی مطلب نہین کہ سلاخ کی لمبائی اتنے گز ہے بلکہ اس بیان کے ساتھ ناظر اور شے کی اضافی حرکت کا بیان بھی ضروری ہے"

وقت اور زمانہ | اسی طرح وقت اور زمانہ کا اختلاف بھی حرکت وسکون اور معیار حرکت کے اختلاف پر مبنی ہے ایک ناظر کو اپنے احساس کی بنا پر کسی دو واقعہ کو ہم وقت سمجھنے سے پہلے یہ بھی معلوم کرلینا چاہیئے کہ وہ ساکن ہے یا متحرک، فرض کرو، سڑک اب کے عین وسط مین ایک ناظر (ن) کھڑا ہے، اسے اب دونون مقامات پر ایک ساتھ بجلی گرتی ہوئی نظر آئی، اس کے ساتھ یہ بھی فرض کرو کہ عین اس وقت جب (ن نے) اب مقامات پر بجلی گرتے دیکھا ایک دوسرا ناظر ریل مین سوار ہے، ن کے عین مقابل آگیا، کیا یہ بھی دونون واقعات کو ہم وقت سمجھیگا، نہین، اسے ب پر گرنے والی بجلی پہلے دکھائی دیگی،

ا ——— م ——— ب
ا ——— ن ——— ب
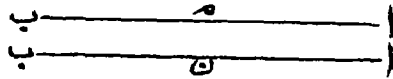
فرض کرو کہ دو ستارے ہم کو ایک ساتھ نظر آئے، ایک ہمارے خیال مین رفتار نور کے حساب سے چار سال کے فاصلہ پر ہے، دوسرا پانچ سال کے فاصلہ پر ہے، ایسی صورت مین ہمارا یہ فیصلہ کہ فلان ستارہ اس وقت سے پانچ سال پہلے طلوع ہوا، اسی وقت صحیح ہوگا جبکہ زمین اور اس تارے کا درمیانی فاصلہ ہمیشہ برابر رہے، فرض کرو کہ تارا زمین کی سمت اور زمین تارے کی سمت جاری ہو تو یہ فیصلہ غلط ہوگا غرض اس قسم کی بہتیری دلیلون سے یہ ثابت کیا ہے کہ زمانہ کا تصور بھی ناظر ومنظور کی اضافی حرکتون پر منحصر ہے،" کوئی صاحب کرامت رات کو دنیا کے تمام مظاہر کی رفتار ایک ہزار گنی سست کر دے تو جب ہم سو کر اٹھین گے . . . ہماری گھڑیون کی رفتار بھی ہزار گنی سست ہوگی، انسان کی عمر ہزار گنی ہوجائیگی مگر انھین احساس اسلیے نہ ہوگا کہ ان کے تمام حواس اسی نسبت سے سست ہوگئے ہونگے،

غرض یہ کہ حجم، طول، کمیت، زمانہ، وقت، سب کا تصور حرکت وسکون کے تصور کے ساتھ وابستہ اور حرکت وسکون اضافی حالات ہین،

نتیجہ غرض، اور طریق بیان، کا فرق الگ کردو تو" یہ اصول نیا نہین بلکہ نیوٹن کے زمانہ سے معلوم" مین عرض کرونگا کہ یہ تو امام رازی کو بھی معلوم تھا، بلکہ وہ تو فرماتے ہین،

"تمام انسان اس پر متفق ہین کہ حرکت وسکون کے مفہوم دو مقابل کے مفہوم ہین" (مباحث مشرقیہ قلمی ۴۴۵)

نظریۂ اضافیت کی زبان مین یہی مفہوم یون ہوگا کہ

"حرکت وسکون اضافی حالات ہین"

اس نظریہ مین ہم کو بتایا گیا ہے کہ یکسان اور مستقیم حرکت کو سکون سے ممتاز کرنا دشوار ہے، اسی مفہوم کو ہم اپنی بولی مین ادا کرین تو یہ کہین گے کہ جسم لگاتار اپنی جگہ کو چھوڑتا جائے اور اسکی وضع نہ بدلتی ہو تو سکون اور حرکت مین فرق کرنا دشوار ہے، امام رازی کے نزدیک سکون کا لفظ دو مفہوم رکھتا ہے، (۱) ایک شئی کا اپنے مکان معین مین ثابت رہنا یا حصول مستمر" (۲) عدم حرکت، حصول مستمر، یا ثبوت مستمر، کو امام صاحب فرماتے ہین کہ نہ حرکت ہے نہ سکون، چنانچہ فرماتے ہین،

کرات افلاک وعناصر کی طرح جو جسم اپنا حیز نہ چھوڑ سکے وہ نہ ساکن ہو نہ متحرک (ص ۴۰۱)

امام صاحب کے نزدیک دنیا مین کوئی جسم ایسا نہین جو اپنی جگہ چھوڑ سکتا ہو، پھر بھی اپنی ہی جگہ پر ہمیشہ رکا رہے، اگر کوئی جسم ایسا ہوتا تو اس کا حصول مستمر بھی، نہ حرکت ہوگا نہ سکون، اور جس طرح دائمی سکون کو سکون کہنا درست نہین، اسی طرح ایسے سلوک[1] مستمر کو بھی جس کے ساتھ تغیر اوضاع[2] نہ پیدا ہو

[1] امام صاحب نے عموماً لگاتار اور متصل حرکت کو جسے نظریۂ اضافیت مین یکسان مستقیم حرکت بتایا گیا ہے اسی لفظ سے تعبیر کیا ہے، مگر یہ کوئی معروف اصطلاح نہین ہے کیونکہ اس زمانہ مین اس حرکت سے کوئی بحث نہ تھی تمام تر حرکت کا تصور دوری تھا

امام صاحب نہ سکون بتاتے نہ حرکت،

کوئی محیط آن واحد سے زیادہ جسم کا ماس نہ ہو، مثلاً کوئی جسم جو سیال پانی یا بہتی ہوا میں ہے سطح آب یا سطح فضا اس جسم کو ایک آن سے زیادہ نہیں گھیرتا، تو چونکہ اس میں تبدل اوضاع نہیں ہے اسلیے وہ متحرک نہیں ہے اور چونکہ وہ ایک جگہ پر قائم نہیں اسلیے وہ ساکن بھی نہیں (۲۰۰۰۳)

امام صاحب کے زمانہ میں ریل نہیں تھی ورنہ وہ بھی اسی کیفیت اور حالت کا ذکر کر رہے ہیں جسے پروفیسر صاحب نے ہم کو یکساں مستقیم حرکت کے ساتھ چلتی ہوئی بند گاڑی میں سمجھایا ہے،

خلاصہ یہ کہ امام صاحب اور نظریۂ اضافیت کے موجد کی اصطلاحیں بدلی نہ ہوتیں تو دونوں کے خیالات میں بہت زیادہ مشابہت تھی نظریۂ اضافیت میں بتایا گیا ہے کہ ہم صرف اضافی حرکت اور اضافی سکون کو جانتے ہیں، غیر اضافی حرکت اور غیر اضافی سکون کو ہم نہیں جانتے"؛ امام صاحب کہتے ہیں کہ ہم صرف اس حالت کو سکون کہتے ہیں جو حرکت کے مقابل کا مفہوم ہے، اور حرکت وہی حالت ہے جس میں تبدل اوضاع پایا جائے"؛ چیز کا اپنی جگہ پر مستمراً موجود ہونا، اور بغیر تبدل اوضاع مستمراً چلتے رہنا دونوں ایسی حالات ہیں، جنکو نہ حرکت کہا جا سکتا نہ سکون ہمارے نزدیک تو ان دونوں دعووں میں صرف یہ فرق ہے کہ امام صاحب نے اس سے وہ نتیجہ نہیں نکالا تھا جو پروفیسر آئن اسٹائن نے نکالا،

اسی طرح نظریۂ اضافیت میں "غیر اضافی زمانہ" یا "مطلق زمانہ" سے بھی انکار کیا گیا ہے اور زمانہ کا تصور حرکت اور سکون کے تصور کے ساتھ وابستہ بتایا گیا ہے، ہم ان سب باتوں سے الگ الگ واقف تھے، مگر واقف ہونا اور بات ہے اور تسلیم کرنا اور بات" زمانہ مجرد" یا دہر کی مخالفت اکثر متکلمین نے کی ہے

---

۲ بقیہ حاشیہ صفحہ ماقبل) وضع کے لیے اردو میں کوئی لفظ نہیں، انگریزی لفظ پوزیشن شاید اس کا مفہوم ادا کرسکے عربی کے تین لفظ ہیں مکان، حیز، وضع، مکان کی اردو جگہ ہے، وضع اس سے خاص چیز ہے قلم دان اٹھا کر میز سے زمین پر رکھدو، دوات کی وضع تو نہیں بدلی جگہ بدلگئی، وضع خارجی چیزوں کی محاذات سے پیدا ہوتی ہے حیز اس سے بھی خاص چیز ہے، وضع بدل جائے، جگہ بدل جائے تو ہرج نہیں؛

علامہ ابن تیمیہ نے بتایا ہے کہ زمانۂ مجرد کا تصور یونانیون کی بہت سی حماقتون میں سے ایک حماقت ہو تو ہر مفہوم
کو اپنی مجرد شکل مین خارج مین دیکھنا چاہتے ہین، حتی کہ ان کے نزدیک خارج مین وہ مجرد اور بے قید
انسان بھی پایا جاتا ہے جو نہ زید ہو نہ بکر نہ کوئی دوسرا فرد، وہ حیوان بھی پایا جاتا ہے جو نہ گدہا ہے، نہ
آدمی نہ کوئی دوسری نوع وہ ہر کلی کا وجود مانتے ہین، اسی کے ضمن مین وہ زمانہ کی مجرد ہستی کے بھی قائل ہوگئے
متکلمین زمانہ کو صرف حرکت کا دوسرا نام سمجھتے ہین، بہرحال خاص نظریۂ اضافیت کے اکثر مسائل ہماری
قدیم مشرقی کتابون مین بھی ملتے ہین، لیکن اسکے یہ معنی نہین ہین کہ یہ نظریہ بہت پرانا نظریہ ہے، بلکہ یہ
کہنا ہے کہ اس برگ و بار کا تخم پہلے سے موجود ہے،

تیسرے مقالہ مین عام نظریۂ اضافیت پیش کیا گیا ہے، پہلے باب مین صرف سلوک مستمر کا بیان تھا،
اس باب کا خلاصہ یہ ہے کہ ہر قسم کی حرکتین، اقلیدسی دعوی، سکلین، وزن، قوت، وغیرہ تمام محسوسات
اضافی ہین، اس حصہ مین سب سے اہم باب قانون تجاذب کے متعلق ہو،

چوتھے مقالہ مین اس جدید نظریۂ اضافیت کے اصول کے ماتحت دنیا کی ماہیت بتائی گئی ہو،

نظریۂ اضافیت (کتاب) کی خاص خوبی یہ ہے کہ فاضل مصنف نے اس کو اس درجہ آسان بناکر پیش
کیا ہے کہ تھوڑے سے غور کرنے کے بعد ہر پڑھالکھا آدمی اس کو سمجھ لے سکتا ہے، مشہور ہے کہ اس نظریہ
کو سمجھنے والے دنیا مین صرف ۱۲ آدمی ہین، وقت کی وجہ صرف فلسفیانہ طرز بیان، اور اقلیدسی زبان
ہوتی ہے، فاضل مصنف نے مسائل کو سمجھانے کے لیے عام طور پر پیش آنے والے حالات اور چیزون
سے تمثیل پر اکتفا کیا ہے، جہان کہین ہندسی زبان اختیار کرنا ضروری تھا، وہان اس زبان کو حاشیہ
پر استعمال کیا گیا ہے، تاکہ ا، ب، ج کی گتھی سے گھبرانے والے کتاب سے اکتا نہ جائین، اور جنکو اسی مین

بقیہ حاشیہ) حیز اگر بدل گیا تو یا تو چیز فنا ہوجائیگی یا اسکی ماہیت بدل جائے گی، حیز اس فرضی وسعت کا نام ہو جسمین وہ چیز ہو، گیند
اپنے حیز کو لئے دیئے لڑھکتا ہو، مکان اس خاص جگہ کا نام ہو جہان چیز ہے، وضع اس صورت کا نام ہو جو خارجی چیزون کے تناسب سے پیدا ہوتی ہو،

لطف آتا ہے اور وہ بھی بدخطانہ ہون،

کتاب کے آخر مین اصطلاحات کا ایک انڈکس ہے، ہر انگریزی اصطلاح کے مقابلہ مین اردو اصطلاح لکھی گئی ہے، بہتر یہ تھا کہ انڈکس اردو اصطلاحات کے حروف تہجی کے اعتبار سے تیار کیا جاتا تاکہ ناظرین کو جدید اردو لفظ کا مطلب سمجھنے مین آسانی ہوتی،

بعض بعض مواقع پر ہم کو بعض اصطلاحات کی موزونیت مین شبہہ ہوا، لیکن فاضل مصنف نے شروع ہی مین بتا دیا ہے کہ وہ اس قسم کے مصطلحات کو استعمال کرنے کے لیے کیون مجبور تھے،

زبان کی سلاست، اور دلچسپ پیرایۂ بیان کے لحاظ سے مصنف نے حیرت انگیز کامیابی حاصل کی ہے، حالانکہ یہ نظریہ دنیا کے نہایت مشکل مباحث مین سمجھا جاتا ہے،

ہم کو اُمید ہے کہ ہمارے علمدوست احباب اس کتاب کو نہایت قدر کی نگاہ سے دیکھین گے،

قیمت للعہ ر مجلد للعہ، پتہ :- پروفیسر منہاج الدین صاحب ایم اس سی پروفیسر طبعیات، اسلامیہ کالج پشاور

پردۂ غفلت،

مصنفہ جناب عابد حسین صاحب پی، ایچ، ڈی،

پردۂ غفلت ایک تمثیلی افسانہ (ڈرامہ) کا نام ہے، جو گو اردو زبان مین ہے مگر لکھی گئی ہے ایک ہندوستانی کے قلم سے جرمنی مین بیٹھکر، اور وہین ایک ایرانی مطبع شرکت کاویانی (برلن) مین ٹائپ مین چھپی ہے، جس ماحول اور جس سرزمین، اور جس آب وہوا مین یہ افسانہ لکھا گیا ہے، اس کا نتیجہ ہی یہ سمجھنا چاہیئے کہ اس مین ہندوستان کے موجودہ رسم ورواج پر یورپ کے نقطۂ نظر سے بحث کی گئی ہوگی، اس افسانہ کا موضوع یہ ہے کہ قدامت پرستی اور روشنخیالی کے درمیان اس طرح محاکمہ کیا جائے کہ قدامت پرستی کو شکست اور روشنخیالی کو فتح نصیب ہو، اس سلسلہ مین سنجیدگی کے ساتھ مشترکہ خاندان کے برے نتائج، " قدامت پسند جماعت " اور " روشن خیال " طبقہ کے اختلاف خیال، مثلاً تعلیم نسوان، آزادی نسوان،

اور ہندوستان مین موجودہ پردے کے معائب و محاسن، مین سے" روشنخیال" طبقہ کی تائید کیگئی، ڈرامہ مین ظرافت کے کیرکٹر کی بھی رعایت ملحوظ رکھی گئی ہے، ڈرامہ مختلف حیثیات سے مختلف ہو طرز نگارش مین نہایت کامیاب اور اصلاح کی طرف اس کا اقدام ایک امر مستحسن ہو کہ زبان کے اعتبار سے اب ایسے ہی ڈرامون کی ملک کو ضرورت ہو جو حشو و زوائد اور تکلفات لفظی سے مبرا ہون، طباعت وغیرہ کی حسن و خوبی عیان ہو کہ جرمنی کے شرکت کاویانی مین خاص اہتمام سے وہ چھاپی گئی ہے لیکن اگر اسکے مغز و معانی کا لحاظ کیا جائے تو اسلامی نقطۂ نظر سے اسے کسی طرح کامیاب ڈرامہ نہین کہا جا سکتا، کیونکہ اس کے باوجود بھی کہ" قدامت پرستی"" جہل و تعصب" کا ایک کرشمہ ہے اور" روشن خیالی" قوم کو" معراج کمال" تک پہنچا دیگی،" روشن خیالی" پیدا کرنے کے لیے یورپ کی تقلید مین عورتون کو اس حد تک تو آزادی نہین دیجا سکتی کہ نا دیون سے پیشتر منگیترین اپنے بزرگون سے ارتباط پیدا کر کے دولھون بے محابا ملین جلین اور کورٹ شپ کا فرض انجام دین، اسی طرح ڈرامہ مین عورتون کے پردہ کا سوال اہم اولاً اس بحث پر کوئی تفصیلی گفتگو موجود نہین صرف موجودہ طریقہ پر اظہار نفرت اور سعیدہ کو بے نقاب فینس پر بٹھا دیا گیا ہے، حالانکہ اگر اس کیرکٹر کو پیش کرنا تھا تو اس پر اسلامی، اور اگر اسلامی نہین تو اخلاقی یا کسی نقطۂ نظر سے بحث تو کیجاتی، دوسرے پردہ کا مسئلہ ایک فرسودہ و پامال مسئلہ ہے، اگر قوم کے" جہل و تعصب" سے اس مین تعویق ہے تو عام تعلیم کی اشاعت کی پہلے فکر کیجائے کہ ارتفاع جہل کے بعد ممکن ہے مقصود حاصل ہو، اور تعلیم نسوان کے سلسلہ مین یہ بھی صحیح نہین کہ ہندوستان کی شریف خواتین صرف یورپین لیڈیون ہی سے درس لے سکتی ہین اگر ایسا نہین تو ڈرامہ مین صرف یہی شکل کیون نمایان ہے؟ - حقیقت یہ ہو کہ یورپ کے موجودہ تمدن و معاشرت ہمارے دماغون پر مستولی ہو اسلیے ان کے معائب پر نظر نہین پڑتی، مسلمانان ہند" قدامت" اور" روشن خیالی" کی ربع صدی کی جنگ سے اس حقیقت تک پہنچ چکے ہین کہ" یورپ کی تہذیب و معاشرت سر آنکھون پر

لیکن اسی حد تک جب تک اسلام کے تمدنی و معاشرتی نقطۂ نظر کو صدمہ پہنچنے کا اندیشہ نہ ہو، امید ہے کہ یورپ کی واپسی کے بعد اب جناب مصنف مین خود قدامت پسندی اور روشنخیالی کے درمیان اعتدال پیدا کرنے کی ضرورت محسوس کرینگے، حجم چھوٹی تقطیع پر ۲۴۶ صفحے، قیمت ۱۲ر پتہ:۔ شرکت ادبیہ علیگڈہ یا مکتبۂ جامعہ ملیہ قرول باغ دہلی،

"م"

"شمع"

پادشاہان اودھ اوران کے مشہور امراءاعزہ اور لکھنؤ کے مایۂ ناز قدیم شعرا کی قلمی تصاویر، عہد مغلیہ و عہد جدید کی مصوری کے بہترین نمونے جو اب تک کبھی شائع نہین ہوئے ہین، اور نہ کسی دوسری جگہ میسر آسکتے ہین، رسالہ "شمع" مین مسلسل شائع ہو رہے ہین، شمع تاریخی، علمی، ادبی اور سیاسی مضامین اور افسانون کا ہندوستان مین سب سے زیادہ ضخیم ۱۱۲ صفحات کا رسالہ ہے، جنوری ۱۹۲۶ء سے محمد حبیب صاحب اکسن پروفیسر مسلم یونیورسٹی علیگڈہ اور جناب حسن عابد جعفری صاحب بیرسٹر آگرہ کی اڈیٹری مین نہایت آب و تاب کے ساتھ جاری ہے، شذرات اور تبصرے قابل دید ہوتے ہین، لکھائی چھپائی نہایت دیدہ زیب، کاغذ چکنا، اور سالانہ حجم ۱۴۰۰ صفحات اور کم از کم ۴۰ تصاویر، سالانہ چندہ صرف (۶ ؎)

حمالک متوسط و برار و سرکار آصفیہ حیدرآباد نے "شمع" کو مدارس مین جاری فرمایا ہے، الہ آباد، لکھنؤ، ڈھاکہ، پنجاب، اور کلکتہ کی یونیورسٹیون اور بہت سے کالجون اور اسکولون مین خریدا جاتا ہے "شمع" کے ارزان ہونے کی صرف یہ وجہ ہے کہ اس سے کوئی ذاتی نفع مقصود نہین ہے محض علمی اور ادبی خدمت کے شوق مین جاری کیا گیا ہے، چندہ سالانہ (۶ ؎) ماہوار حجم ۱۱۲ صفحے نمونہ ۱۰ر

نوٹ:۔ نمونہ کا پرچہ کسی حالت مین بھی مفت روانہ نہین ہوگا،

المشتہر منیجر شمع، شاہگنج، آگرہ،

تجوید مشہدی و لنواز مبتدی، عربی مین علم تجوید پر بیشمار تصنیفات ہین جنمین سے بعض کتابین اردو مین بھی منتقل ہو چکی ہین، اور پھر ہندوستان کے بعض قرا نے اس فن پر بعض مستقل رسالے بھی لکھے، لیکن اردو کی یہ کتابین گرچہ فن تجوید کے اعتبار سے بلند پایہ ہین تاہم ضرورت تھی کہ عام اردو خوان طبقہ کیلئے کسی مختصر رسالہ مین سلیس عام فہم زبان مین اس کے مسائل یکجا کر دیئے جائین، جناب مولوی حکیم سید تجمل حسین صاحب مشہدی نے یہی مقصد پیش نظر رکھ کر زیر تبصرہ رسالہ لکھا ہے جسمین علم تجوید کے مسائل سوال وجواب کی صورت مین پیش کئے گئے ہین جس سے اُمید ہے کہ مسائل جلد ذہن نشین ہون گے ضخامت چھوٹی تقطیع پر ۹۲ صفحے لکھائی چھپائی اور کاغذ متوسط ہے، جناب مؤلف سے حکمت منزل، محلہ سبزی محل شہر بھروچ علاقہ بمبئی کے پتہ سے ملسکتی ہے،

تاریخ دریا آباد، جناب منشی برج بھوکن لال صاحب محب نے اپنے وطن دریا آباد (ضلع بارہ بنکی اودھ) کی نہایت مفصل تاریخ لکھی ہے، یہ تاریخ، اودھ کی مختلف کتب جغرافیہ و تاریخ، فرامین شاہی، دستاویز مختلف روداودون، یادداشتون، شاہی زمانہ کے مختلف عدالتی کاغذات اور گزیٹیر وغیرہ کی مدد سے مرتب کیگئی ہے، کتاب پانچ ابواب پر اور ہر باب متعدد فصلون پر منقسم ہے، جنمین دریا آباد کے جغرافی و تاریخی حالات بیان کرکے وہان کے پنڈت، علما، ذی علم اصحاب، مختلف زبانون کے شعرا، اطبا، ڈاکٹر، وکلا، فقرائے ہنود، فقرائے اسلام، رؤسا، معززین، اساتذۂ فن موسیقی، تجار، اور قصبہ کے موجودہ مشاہیر کے حالات اسی ترتیب سے بیان کئے گیے ہین، اور آخر میں پرگنہ دریا آباد کے جغرافی و دیگر حالات ہین، اس کتاب سے

اودھ کی وہی معاشرت، تمدن اور وہان کے دیگر حالات پر روشنی پڑتی ہے، جناب مؤلف لائق ستائش ہین کہ انھون نے اپنے وطن کی نمایان خدمت انجام دی، اور ایک مختصر قصبہ کے متعلق اس قدر بسیط معلومات یکجا کر دیئے، حجم بڑی تقطیع پر باریک لکھائی مین ۱۳۲ صفحے، لکھائی چھپائی اور کاغذ خاصہ ہے، قیمت ہے پتہ:- منشی کشن بہاری لال صاحب آنریری سکریٹری گئوشالہ دریاآباد بارہ بنکی،

تحقیق واقعات کربلا، جناب مولوی خادم حسین صاحب بصیروی احمدی نے زیر تبصرہ کتاب مین شیعون کی مستند کتابون کو ماخذ قرار دے کر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہو کہ حضرت امیر علیہ السلام، حضرت امام حسنؑ اور خصوصاً حضرت امام حسین علیہ السلام کو جتنے مشکلات پیش آئے، وہ شیعون کے ہاتھون پیش آئے، خصوصاً واقعۂ کربلا کی تمام تر ذمہ داری شیعیان آل اطہار ہی پر ہے، پھر آخر مین شیعون ہی کی کتابون سے یہ دکھانا چاہا ہے کہ امام حسین علیہ السلام کی شہادت کا واقعہ یزید کی مرضی کے برخلاف ہوا، اسلیے واقعۂ شہادت کی ذمہ داری اس پر اس قدر نہین جتنی ابن زیاد اور ذی الجوشن وغیرہ پر ہے، تحریر کا لب ولہجہ نرم اور اسلوب بیان مین نہایت سنجیدگی ہے، جو لائق ستائش ہے، حجم ۱۵۶ صفحے، لکھائی چھپائی اور کاغذ معمولی ہے قیمت عہ، پتہ:- مہتمم احمدیہ بک ڈپو ۷۷، کوچہ چابک سواران، لاہور،

نقادی کے نکتے، ہندوستان مین چند سالون سے "فنون لطیفہ" سے زیادہ دلچسپی پیدا ہوگئی ہے، اسی کا نتیجہ زیر تبصرہ رسالہ ہے، جس مین جناب چودھری محمد علی صاحب تعلقدار امیر پور ردولی نے "فنون لطیفہ" مین سے فن مصوری پر تنقیدی نظر ڈالی ہے، اور بتایا ہے کہ کسی تصویر کے حسن و قبح مین امتیاز کرنے کے لیے کن نکات کو پیش نظر رکھنے کی ضرورت ہے، شاید اردو مین یہ نقش اول ہے، اس لیے جو کچھ بھی ہے بہتر ہے، حجم چھوٹی تقطیع پر اچھی لکھائی چھپائی کے ساتھ ۴۰ صفحے اور کاغذ بھی عمدہ ہے، قیمت ۴ر، پتہ:- تعلقدار پریس لکھنؤ،

خیر المصادر، چند سال گذرے کہ جناب مولوی حکیم محمد حنیف صاحب دیسنوی بہاری نے مبتدیون کے لیے فارسی زبان کے علم صرف کے مسائل جمع کرکے "خیر المصادر" کے نام سے شائع کیا تھا۔ اب جناب مؤلف نے طبع ثانی مین "خیر المصادر" پر "خیر القواعد" کا اضافہ کیا ہی جس مین اسی جامعیت کے ساتھ علم نحو کے مسائل جمع کئے گئے ہین، رسالہ کی خاص خوبی یہ ہے کہ طلبہ کو فارسی کے تمام مسائل اردو کی مثالون کے ذریعہ سمجھائے گئے ہین جس سے یہ مسائل خوبی اور آسانی کے ساتھ طلبہ کے ذہن نشین ہو سکینگے۔ حجم ۴۴ صفحے، لکھائی، چھپائی اور کاغذ متوسط ہے، قیمت ۶ر پتہ:۔ مولوی محمد حنیف صاحب دیسنہ ڈاکخانہ استھانوان ضلع پٹنہ

نکاح آریہ، مولانا ابو الوفا ثناء اللہ صاحب امرتسری نے رسالہ "نکاح آریہ" مین آریون کی مذہبی کتابون سے اخذ کرکے مذہب آریہ کے مسائل متعلقہ نکاح پر تفصیلی بحث کرتے ہوئے اسلام کے مسائل نکاح کی خوبیان دکھائی ہین، ممکن ہے کہ جناب مؤلف اپنے مقصد مین کامیاب ہون لیکن اسلوب بیان مین وجادلہم بالتی ھی احسن کا اصول فراموش کردینے کی وجہ سے اسلامی سکینہ و وقار کا دامن ہاتھون سے جاتا رہا ہے، حجم ۸۰ صفحے، لکھائی چھپائی اور کاغذ متوسط ہی، قیمت ۵ر پتہ دفتر اہلحدیث امرتسر

بہشتی جھومر یا اسباق النسوان، جناب محمد مرزا خانصاحب دہلوی نے تعلیم یافتہ خاتونون کے لیے زیر تبصرہ رسالہ لکھا ہے جس مین ناصحانہ انداز مین عورتون کو اخلاق حسنہ پیدا کرنے اور زندگی بسر کرنے کے چند اصول مثلاً "زود اعتمادی کے برے نتائج" "غیر مستقل مزاجی کی خرابیان"، اور "اخلاقی حس کو ہمیشہ متأثر رہنا چاہیئے" وغیرہ سمجھائے گئے ہین، حجم ۲۰ صفحے، لکھائی، چھپائی اچھی اور کاغذ چکنا ولایتی ہے قیمت ۲ر پتہ:۔ مکتبہ ابراہیمیہ اسٹیشن روڈ، حیدرآباد دکن،

خیر الدین، مسلمانوں کے ایک مخصوص طبقہ مین یہ خیال قائم ہے کہ دین و دنیا باہم مجتمع نہین ہو سکتے، جناب مولوی ابو الخیر صاحب پی ڈی ایچ کیمین نے رسالہ "خیر الدین" مین عمدہ پیرایہ مین کتاب و سنت سے اسی خیال کی تردید کی ہے، رسالہ کے چند عنوان یہ ہین "اسلام و رہبانیت" "ترک و تجرد" "تعلیم دین و دنیا"، "وہ اقوال کہ مسلمان منشاء تخلیق سے ناواقف ہین"، "معاشرت اسلامی" وغیرہ، رسالہ عام مسلمانون کے مطالعہ کے لائق ہے، حجم ۳۶ صفحے، کاغذ، لکھائی، چھپائی متوسط ہے، قیمت ۳ر جناب مؤلف سے ہمکندہ درگاہ نجف حیدرآباد دکن سے طلب کرنا چاہئے